زیور

ایک معاشرتی و اصلاحی ناول

حصہ دوم

آئینۂ ادب - چوک انارکلی ○ لاہور

زیور

ایک معاشرتی و اصلاحی ناول

حصہ دوم

اے آر خاتون کا وہ مجازی ناول

جو لکھنؤ میں چھپا اور پبلشر کی اجازت سے

اب پاکستان میں پیش کیا جا رہا ہے

●

آئینہ ادب، چوک انارکلی ○ لاہور

"دنیا میں ہر چیز دوسری سے متاثر ہوتی ہے۔ بشرطیکہ آپس میں جذبہ خیر سگالی ہو۔" افتخار احمد نے کہا" واقعی اس وقت ہوا کے جھونکے کتنے لطیف ہیں اور پھولوں کی ہلکی خوشبو سے دماغ معطر ہوا جا رہا ہے۔"

"موسم بہار میں یہ علاقہ واقعی رشک فردوس ہو جاتا ہے۔ شفیق نے کہا۔" اچھا اب ناشتہ کرنا چاہیئے —— خدا معلوم فیضو نے کیا انتظام کیا۔"

عتیق نے کہا۔" جب ہم لوگ ادھر آئے ہیں وہ اس وقت ڈائننگ روم میں میز اور کرسیاں صاف کر رہے تھے۔"

تو پھر ناشتے کی قابیں میز پر آگئی ہوں گی۔"

شفیق الرحمٰن نے اُٹھتے ہوئے کہا اور وہ تینوں باتیں کرتے ہوئے برآمدے میں آگئے۔ سنبل اپنے کمرے کے سامنے کھڑی ہوئی مشرق کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ اس وقت غرارہ اور جمپر پہنے ہوئے تھی افتخار صاحب نے اس کو بھی بلا لیا۔ اس نے اپنے خسر اور افتخار صاحب کو سلام کیا اور ان کے ساتھ کھانے کے کمرہ میں آگئی۔ فیضو میز پر پلیٹیں لگا رہا تھا۔

"کیا اپنے گھر میں ناشتہ تیار کرایا ہے!" شفیق نے اس سے دریافت کیا۔

"جی ہاں میاں! اب آج خانسامہ کو بلاؤں گا۔"

"ہم لوگ تو دوپہر تک چلے جائیں گے۔" شفیق نے کہا۔
"عتیق میاں تو یہاں رہیں گے۔" فیضو نے مسکراتے ہوئے کہا۔
وہ سب ناشتہ کے لئے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

۲۷

افتخار احمد شفیق الرحمٰن کے ساتھ جس وقت افتخار کے مکان میں داخل ہوئے عبیدہ بیگم دالان میں بیٹھی ہوئی رو رہی تھیں اور زبیدہ اور شاہدہ ان کو سمجھا رہی تھیں۔ سب افتخار احمد اور شفیق الرحمان کو دیکھتے ہی اُن کی طرف متوجہ ہو گئیں اور عبیدہ بیگم نے اپنے شوہر کی طرف دیکھتے ہوئے رقت کے ساتھ دریافت کیا۔

"میرے بچے کا بھی پتہ چلا؟"

"جی ہاں گھبرایئے نہیں۔" افتخار نے دالان میں پہنچکر کہا۔" وہ حیدر آباد میں ہیں اور ہم ان کو طیارہ تمامیں چھوڑ کر آئے ہیں۔"

"کیسا ہے عتیق ——؟" عبیدہ بیگم نے گھبرائے ہوئے لہجے میں

دریافت کیا۔ پریشانیوں سے دُبلا ہو گیا ہو گا؟"

"جی نہیں۔ آپ پریشان نہ ہوں" افتخار احمد نے کہا۔ وہ بالکل اچھے ہیں اور اب راہ راست پر آ گئے ہیں"

شفیق الرحمان اور افتخار احمد کرسیوں پر بیٹھ گئے افتخار صاحب نے شیروانی اتار کر بیبیجہ کو دیتے ہوئے کہا۔

"بیٹی ایک گلاس پانی پلاؤ"

شاہدہ دوڑ کر پانی لے آئی۔ جبیدہ بیگم اپنے شوہر سے عتیق کی خیریت دریافت کرنے لگیں۔

"بیگم وہاں جو کچھ ہوا اسے معجزہ ہی کہا جا سکتا ہے" انہوں نے پُرجوش لہجے میں کہا "خدا کی قسم میں تو معجزہ ہی کہوں گا"

"کیا اس فطامہ نے میرے لال کا پیچھا چھوڑ دیا ہے —— کیا وہ اپنا منہ کالا کر گئی۔"

"اس غریب کو برا نہ کہیئے" افتخار نے کہا۔ اس میں اس کا کیا قصور تھا اگر وہ آپ کے ان الفاظ کو سن لے تو اس کو کتنا دکھ ہو"

"ہوا کرے دکھ" عبیدہ بیگم نے افتخار سے کہا۔ اس نے بھی تو میرا دل دکھایا ہے"

"باجی اب ان خیالات کو دل سے نکال دیجیئے اور حقائق کی روشنی میں ان واقعات پر غور کیجیئے۔ مجھے ڈر ہے کہ آپ کی تنگ نظری اور اس ذہنیت سے کہیں بنا بنایا کام نہ بگڑ جائے"

عبیدہ بیگم خاموش ہو گئیں اور اپنے شوہر کا منہ تکنے لگیں۔

" گھبرانے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ شفیق الرحمن نے کہا۔" ذرا دم لینے دو۔ ابھی سب واقعات تفصیل کے ساتھ بتاتا ہوں۔"

زبیدہ بیگم نے اپنی لڑکی صبیحہ سے کہا۔

" صبیحہ کسی کو بھیجکر بہن احمدی بیگم کو بلالو۔ اُنہوں نے کہا تھا کہ جس وقت بھائی صاحب واپس آئیں اُن کو اسی وقت بلا لیا جائے۔"

صبیحہ اٹھ کر چلی گئی۔ شاہدہ نے افتخار احمد سے دریافت کیا۔

" خالو ابا! بھائی جان آپ کو کہاں ملے تھے۔"

" تمہاری کوٹھی پر ــــــ" افتخار صاحب نے کہا۔" وہ مقیم سکندر آباد میں تھے۔ لیکن شفیق بھائی نے اُن کو وہیں بلا لیا تھا۔"

" بہن کو آجانے دیجئے۔" زبیدہ نے اپنے شوہر سے کہا۔ ان کے سامنے تفصیل کے ساتھ بتایئے گا۔"

" میں چائے پینا چاہتا ہوں۔" شفیق صاحب نے کسی کو مخاطب کیے بغیر کہا۔

زبیدہ بیگم اُٹھ کر باورچی خانے کی طرف چلی گئیں اور خادمہ کو چائے تیار کرنے کی ہدایت کر کے واپس آگئیں۔

" آپ لوگ اندر کمرے میں بیٹھ جایئے۔" انہوں نے اپنے شوہر اور بہنوئی سے کہا۔ بہن یہاں ہم لوگوں کے پاس بیٹھ جائیں گی۔"

افتخار احمد و شفیق الرحمان اُٹھ کر اندر چلے گئے۔ کچھ دیر بعد احمدی بیگم

بھی آگئیں۔ اُن کے ساتھ طاہرہ بھی تھی۔ احمدی بیگم نے آتے ہی افتخار اور شفیق سے عتیق کی خیریت دریافت کی۔ افتخار صاحب نے شروع سے آخر تک سب باتیں تفصیل کے ساتھ بتائیں اور عبیدہ بیگم اسی جگہ سجدۂ شکر میں گر پڑیں۔ احمدی بیگم نے ان کو اٹھاتے ہوئے کہا۔

"بہن معلوم نہیں کس وقت کی نیکی آپ کے کام آئی۔ خدا نے جیسی آپ کی بگڑی بنائی ہے۔ اسی طرح اُن حالات میں سب کی مدد کرے۔"

عبیدہ بیگم نے اسی وقت وضو کر کے دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی شفیق صاحب چائے پی کر صوفے پر دراز ہو گئے۔ افتخار صاحب نے عبیدہ بیگم سے کہا۔"

"باجی آپ اپنی بہو پر اس وقت تبرہ پڑھنے لگی تھیں۔ اب آپ کیا کہتی ہیں۔"

"مجھے کیا معلوم تھا۔ کہ حالات اس طرح بدلے ہیں۔"

افتخار نے کہا۔" اسی لئے تو یہ کہا جاتا ہے کہ پہلے تولو پھر منہ سے بولو انسان کو سوچے سمجھے بغیر کچھ نہ کہنا چاہیئے۔ اگر میں سہولت سے کام نہ لیتا اور عتیق کو دیکھتے ہی برا بھلا کہنا شروع کر دیتا تو معاملات خراب ہو جاتے ——— اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کا انجام کیا ہوتا۔ لیکن میں نے بہت ٹھنڈے دل کے ساتھ پہلے حالات کا جائزہ لیا اور پھر عتیق سے گفتگو کی۔"

احمدی بیگم نے کہا۔" آدمی کوئی بھی برا نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ اس کو حالات اور خود اس کے بہی خواہ برا بنا دیتے ہیں۔"

"جی ہاں ـــــ" افتخار احمد نے کہا: "مجھے ایک شعر یاد آ گیا کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

کچھ تو ہوتے ہیں محبت میں جنوں کے آثار
اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنا دیتے ہیں !

اب اگر میں یا شفیق بھائی عتیق پر لعن طعن کرتے اور ان سے محبت سے پیش آنے کے بجائے ان پر برس پڑتے تو وہ کبھی راہ راست پر نہ آتے۔"

زبیدہ نے مسکرا کر کہا: "تو کل انہوں نے خود سے صبح فجر کی نماز ادا کی۔"

"ہاں! اور مجھ کو تلقین کرنے کا موقع مل گیا۔"

"بھائی صاحب! آپ نے بہت صحیح راستہ اختیار کیا" احمری بیگم نے کہا: "اصلاح کی اس سے بہتر اور کوئی صورت نہیں ہو سکتی تھی اگر دونوں اپنی اپنی ضد پر قائم رہتے تو معاملات کبھی نہ سلجھتے انسان کی سرشت ہی ایسی ہوتی ہے کہ اگر اس کو پیار اور محبت سے سمجھایا جائے تو وہ بہت جلد راہ راست پر آ جاتا ہے۔"

"افتخار نے کہا: "اب ضرورت اس کی ہے کہ جب عتیق اپنی دلہن کو لے کر یہاں آئیں تو ان کا اسٹیشن پر اس طرح استقبال کیا جائے گویا انہوں نے یہ شادی آپ لوگوں کی مرضی کے مطابق کی ہے اور آپ سب بہت خوش ہیں۔ آپ دلہن کو ہاتھوں ہاتھ لیں اور اسی محبت اور خلوص کا اظہار کریں جس کی نئی دلہن مستحق ہوتی ہے۔"

وہ چند سکنڈ کے لئے خاموش ہوئے اور پھر حمیدہ بیگم کو مخاطب کرتے

ہوئے کہا۔"

"باجی! آپ اور شاہدہ وغیرہ سب کا فرض ہوگا کہ انتہائی خلوص کے ساتھ سیل سے پیش آئیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ وہ بہترین بیوی ثابت ہو سکتی ہے اس میں اس کی صلاحیت ہے۔ انسان کا کردار اس کے گرد و پیش کا ماحول بناتا ہے۔ اس کے ساتھ آپ کو اپنے ذہن میں یہ بات بھی رکھنا چاہیئے کہ وہ اینگلو انڈین لڑکی ہے۔ اگرچہ آپ لوگوں نے اس کی معاشرت سے ملتی جلتی معاشرت اختیار کی تھی۔ لیکن پھر بھی دونوں میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ ابتدا میں آپ لوگوں کو رنگ میں رنگ جائے گی۔

احمدی بیگم نے بھی افتخار احمد کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں بہن! خاص طور پر لڑکیوں کو سمجھا دیجئے گا۔ بلکہ میں خود سمجھا دونگی ماشاءاللہ لڑکیاں سمجھ دار ہیں۔"

شاہدہ بول اٹھی۔ ہم لوگ ان سے زیادہ گفتگو ہی نہ کریں گے۔

"نہیں بیٹی ——!" احمدی بیگم فوراً بول اٹھیں۔ یہ بات بھی بہت بری ہے۔ اس طرح وہ سمجھیں گی ان کے ساتھ امتیاز برتا جا رہا ہے اور ان کو وہ درجہ نہیں دیا جا رہا ہے جو خاندان کی دلہن کو دیا جانا چاہیئے۔ بہر حال وہ بھی دنیا کو دیکھے ہوئے ہیں اُن کی معلومات گھر میں بیٹھنے والی بیبیوں سے زیادہ ہوں گی۔"

"آپ کا خیال صحیح ہے۔" افتخار صاحب نے کہا۔ اُن کو تو یہ یقین دلا دیا جائے کہ سب اُن سے خوش ہیں اور ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا ہے۔"

احمدی بیگم کچھ دیر بعد چلی گئیں۔ شام کو عبیدہ بیگم ان کے پاس گئیں اور بہت دیر تک ان سے باتیں کرتی رہیں۔ احمدی بیگم نے کہا۔

" بہن ہماری معاشرت میں یہی ایک سب سے بڑی خرابی ہے کہ بہو کو دشمن سمجھا جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ لڑکے کے والدین اس کی بہنیں اور اس کے بھائی صحیح طور پر یہ نہیں سمجھ سکتے ہیں کہ اُن کے حقوق کیا ہیں میرا مطلب یہ ہے کہ وہ عام طور پر یہی سمجھتے ہیں کہ لڑکے کے جملہ حقوق ان ہی کے نام محفوظ ہیں اس لئے وہ اس کی شریک زندگی کو اپنا رقیب سمجھنے لگتے ہیں اور آپس میں کش مکش شروع ہو جاتی ہے ——— اور کبھی کبھی یہی خاندان کی تباہی کا باعث ہو جاتی ہے "

بات سمجھ میں آنے والی تھی۔ عبیدہ بیگم نے کہا۔

" یہی بات مجھ سے ایک انگریز انجینئر کی بیوی مسز میکنزی نے کہی تھی۔ لیکن میں نے اُن کی اس بات کو اس لئے کوئی اہمیت نہیں دی تھی کہ وہ ہماری معاشرت کو سمجھتی ہی نہ تھیں "

" جہاں تک انسانی رشتوں کا تعلق ہے ان میں عالمگیر یکسانیت ہوتی ہے "

" اب تو میرا بھی یہی خیال ہے " عبیدہ بیگم نے کہا۔ واقعی انہوں نے بہت معقول بات کہی تھی۔

احمدی بیگم نے کہا " ہماری معاشرت میں دوسری خرابی آپس کی ضد ہوتی ہے۔ بڑوں کا فرض ہے کہ وہ چھوٹوں کو درگزر کریں اور اگر ان میں یہ

جذبہ پیدا ہو جائے تو چھوٹے بھی اسی سانچے میں ڈھل سکتے ہیں۔ لیکن کسی کو سمجھائے کون۔ ابھی آج کوئی پندرہ بیس روز قبل کی بات ہے۔ میرے پڑوس میں ساس اور بہو میں لڑائی ہوئی۔ میں سمجھانے گئی تو بی ہمسائی میری بات سننے کے بجائے اُلٹے مجھ ہی پر برس پڑیں اور میں الٹے پیروں واپس آ گئی۔"

"اور وہ دونوں لڑتی رہیں۔"

"جی ہاں! نتیجہ یہ ہوا کہ بہو تیسرے روز اپنے مائکے چلی گئی اور اب اپنے شوہر کو بھی وہیں بلا لیا ہے۔"

"بس اب دونوں وہیں رہنے لگے ہیں۔"

"جی ہاں! اگر اس وقت وہ میرے سمجھانے پر خاموش ہو جائیں تو بات اتنی نہ بڑھتی۔ اب بیٹے کو یاد کر کے آٹھ آٹھ آنسو روتی ہیں۔ ایک جوان لڑکی شادی کی عمر کو پہنچ چکی ہے۔ یہاں کی تنخواہ سے گھر کا خرچ ہی نہیں پورا ہوتا ہے۔ لڑکا دو ڈھائی سو روپیہ ماہوار کماتا تھا اور پیسہ پیسہ ماں کے ہاتھ پر رکھ دیتا تھا۔ لیکن اگر کسی روز بیوی کے لئے ایک ہار یا مٹھائی کھٹائی لے آتا تھا تو دوسرے دن چار چوٹ کی لڑائی ہوتی تھی اور بہو کا کھانا پینا حرام ہو جاتا تھا۔"

"واقعی یہ تو ان کی زیادتی تھی۔" عبیدہ بیگم نے کہا۔

احمدی بیگم نے کہا۔ جب تک ہم ہر فرد کے حقوق کو سمجھنے کی کوشش نہ کریں گے۔ اس وقت تک ایسے ہی واقعات ہوتے رہیں گے۔"

"آخر اس کا کوئی حل بھی ہے؟"
عبیدہ بیگم نے پوچھا۔
"یہ ایک شخص کے بس کی بات نہیں۔" احمدی بیگم نے کہا۔ بہرحال میں تو اپنے مدرسے میں بچیوں کو ابھی سے حقوق العباد سمجھاتی رہتی ہوں۔ شاید کچھ عرصہ بعد اس کا کوئی نتیجہ برآمد ہو۔"
اگر افتخار شاہدہ کے ڈیڈی کے ساتھ حیدر آباد نہ جاتے تو شاید حالات کبھی قابو میں نہ آتے اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ میری حالت کیا ہوتی۔"
عبیدہ بیگم آٹھ بجے چلی گئیں۔ کھانے کے بعد احمدی بیگم نے حامد کو کل واقعات بتا کر کہا۔"
بھائی صاحب نے بہت معقول روش اختیار کی۔ اب عتیق میاں دو چار روز بعد یہاں آنے والے ہیں۔ تم کو بھی اپنے رویّہ سے اُن کی اصلاح کرنا ہے۔"
حامد مسکرانے لگا۔ طاہرہ بھی اپنی والدہ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی اس نے ان سے کہا۔
"امی مجھ کو شاہدہ اور زاہدہ کی طرف سے اطمینان نہیں ہے۔ وہ دونوں بہت تیز ہیں اور بھابی بھاوج کو ضرور کھیں سنیں گی۔"
"میں ان کو کل بلا کر سمجھاؤں گی۔" احمدی بیگم نے کہا۔ "پہلے کی نسبت اب وہ بہت سدھر گئی ہیں۔ اگر مہینہ پندرہ روز اور رہ گئیں تو ان کے خیالات اور زیادہ بدل جائیں گے۔"

"حامد نے کہا۔" آج جمال صاحب بھی ملے تھے۔ کہہ رہے تھے کہ کسی روز پکنک کے لئے چلا جائے۔"

"صبح زبیدہ بہن کے یہاں بھی کپڑے کا ایک تھان لے کر آئے تھے۔"

"دکھانے کے لئے ؟"

"ہاں ! شاہدہ اور زاہدہ نے تھان دیکھ کر پسند کیا اور دونوں چائے پی کر چلے گئے۔"

"شاہدہ وغیرہ نے ان سے گفتگو بھی کی ہو گی ؟"

حامد نے پوچھا۔

"ہاں کی تو تھی لیکن پردے کے پیچھے سے —— سامنے نہیں ہوئیں۔"

"خیر یہی اچھا ہے۔ کم از کم اس حد تک تو راہ راست پر آ گئی ہیں۔"

حامد نے کہا۔ "میں نے پکنک کے لئے ٹال دیا ہے۔"

طاہرہ نے کہا۔ "بھائی جان کسی روز او کھلے چلیئے۔"

"ابھی اس روز تو گئی تھیں۔" حامد نے کہا۔ "روزانہ جانے کی ضرورت نہیں۔"

"ہاں اب ان کے دیدے بھی ہوائی ہو چلے ہیں۔" احمدی بیگم نے مسکرا کر کہا۔

"صبیحہ آج کہہ رہی تھیں کہ کسی روز حبیب بھائی کے یہاں سے کار منگا کر چلیں گے۔"

"پٹرول کے پیسے دو گی ——؟" حامد نے پوچھا

"دیدیئے جائیں گے" طاہرہ نے کہا۔ "لیکن وہ پیسے لیتے کب ہیں"

"تو پھر ان سے بار بار کار کے لیے کہنے کی کیا ضرورت ہے"

دونوں میں کچھ دیر تک بحث ہوئی۔ احمدی بیگم نے دونوں کو خاموش کراتے ہوئے کہا۔

"خیر دیکھا جائے گا"

"امی! میں دو روز کے لئے لکھنؤ جاؤں گا"

"کیوں ——؟"

"سائنس کا ڈیمانسٹریشن ہوگا۔ یعنی چند تجربات کئے جائیں گے اور ہم لوگ دیکھیں گے"

"اعجاز بھی جائیں گے"

"جی ہاں ——"

"طاہرہ نے کہا" آپ لوگ تو اس بہانے سے بھی گھوم پھر لیتے ہیں اور ہم لوگوں کی سیر و تفریح پر پابندیاں عائد کی جاتی ہیں"

"چلی جانا —— انہوں نے منع تو نہیں کیا ہے" احمدی بیگم نے کہا۔ "تم تو ایک بات کی رٹ لگا دیتی ہو"

"اب میں گھر سے باہر قدم نہ نکالوں گی" طاہرہ نے منہ پھلا کر کہا۔ "صبیحہ کے یہاں بھی نہیں جاؤں گی"

حامد مسکراتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ احمدی بیگم نے طاہرہ سے

کہا۔"

"تم آج رات کو تیسرے درجہ کی لڑکیوں کے لئے دینیات کا پرچہ مرتب کرو۔ میں نے صبیحہ سے بھی کہہ دیا ہے کہ حساب کا پرچہ تیار کریں۔"

امی! میں امور خانہ داری کا پرچہ بھی مرتب کر دوں گی۔"

"وہ پرچہ تو فضل النساء مرتب کر رہی ہیں۔ لیکن کا پیاں تم ہی دیکھنا۔"

کچھ دیر بعد طاہرہ وضو کرنے چلی گئی۔

اس ہفتہ عتیق اپنی اینگلو انڈین بیوی کے ساتھ آ گئے۔ اسٹیشن پر سب نے ان کا خیر مقدم کیا اور سبل کو نئی دلہن کی طرح ایک سجی ہوئی کار پر مکان لائے۔ طاہرہ صبیحہ شاہدہ اور زاہدہ نے دلہن کا کمرہ پہلے سے ہی آراستہ کر رکھا تھا۔ سبل کو اس کمرے میں بٹھایا گیا۔ اپنے گرد و پیش مشرقی آرائش اور مشرقی ماحول دیکھ کر سبل کو ایسا محسوس ہوا گویا وہ الف لیلیٰ کی کسی داستان کی ہیروئن ہے۔ اور ایک آراستہ کمرے میں بیٹھی ہوئی شہزادے کا انتظار کر رہی ہے۔ مشرقی خوشبو کی لپٹوں سے متاثر ہو کر اس نے ایک طویل ٹھنڈا سانس لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

طاہرہ نے اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہماری دلہن بھابی ماشاء اللہ چندے آفتاب اور چندے ماہتاب ہیں۔ خدا نظر بد سے بچائے اس لباس میں کتنی پیاری نظر آ رہی ہیں۔"

"شرمائیے نہیں دلہن بھابی۔" زاہدہ نے کہا۔ "میں تو آپ کے لئے

اجنبی نہیں ہوں۔"

طاہرہ نے اس کا پیر دبا کر آنکھوں سے اُس کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ شاہدہ طاہرہ کا مطلب سمجھ گئی اور اس نے اپنی بھاوج سے کہا۔

"دلہن بھابی واقعی آپ مشرقی لباس میں کتنی اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ جیسے بغداد کی شہزادی۔"

"الف لیلہ کی پری کہو ——" صبیحہ نے ٹکڑا لگایا۔ "عتیق بھائی کے انتخاب کی داد دینا پڑتی ہے۔"

طاہرہ نے کہا۔"ہم کل دلہن بھابی کو وہاں کی سیر کرائیں گے۔"

"کل شام کو تو سلطانہ نے ہم سب کو دلہن بھابی کے اعزاز میں مدعو کیا ہے۔" میں نے کہا۔"اور پرسوں نور بانو ڈنر دیں گی۔"

"بہت شوخ ہے نور بانو ——" طاہرہ نے کہا۔ پرسوں اس نے پھر خالہ کی نقل کی اور ہنستے ہنستے سب کے پیٹ میں بل پڑ گئے۔ میری آنکھوں سے تو آنسو جاری ہو گئے۔"

"ابھی تک آئی نہیں دونوں۔" شاہدہ بول اٹھی۔"اسٹیشن سے مکان جاتے وقت سلطانہ نے بھی وعدہ کیا تھا کہ میں ایک گھنٹے کے اندر آجاؤں گی۔"

"اب پانچ بجے ہیں۔" زاہدہ نے گھڑی دیکھ کر کہا۔" وہ لوگ شاید کسی کو دیکھنے کیلئے اسپتال جانے والی تھیں۔"

ہاں وہاں سے ہو کر آئیں گی۔" طاہرہ نے کہا۔ کل بھائی جان

وغیرہ بھی آجائیں گے۔"

"وغیرہ سے آپ کا کیا مطلب ہے طاہرہ آپا" زاہدہ نے مسکرا کر دریافت کیا۔

وغیرہ سے میرا مطلب بھائی اور ان کے ساتھی ہیں" اس نے قدرے شرما کر کہا۔

"یعنی آپ کا اشارہ اعجاز بھائی کی طرف ہے" شاہدہ نے مسکرا لگایا"

اب تم لوگ بھی بال کی کھال نکالنے لگی ہو ——" صبیحہ نے مسکرا کر کہا" اگر ان کا یہی مطلب ہے تو اس میں برائی کیا ہے"

"اچھا دلہن بھابی سے باتیں کرو ——" طاہرہ بول اٹھی" وہ اپنے دل میں کہتی ہوں گی کہ اچھی لڑکیاں ہیں۔ آپس ہی میں بحث کرنے لگیں"

"ایک گلاس پانی منگا دیجئے" سنبل نے صبیحہ سے کہا۔

وہ فوراً اٹھ کر گئی اور گلاس میں پانی لا کر سنبل کو پلایا اور وہ سب اس سے باتیں کرنے لگیں۔ طاہرہ نے کہا۔

"ہم لوگوں میں بیٹھ کر آپ کا دل تو نہیں گھبراتا ہے"

"جی نہیں" سنبل نے فوراً جواب دیا" میں تو یہ محسوس کر رہی ہوں گویا میں اسی ماحول کی تلاش میں تھی۔ آپ لوگوں کے خلوص سے میں واقعی بہت متاثر ہوئی ہوں۔

"میں عصر کی نماز پڑھ لوں۔ آج وقت کو بھول گئی" طاہرہ نے

ڈھونڈتے ہوئے کہا۔"

زاہدہ بھی کھڑی ہو گئی۔ سنبل نے طاہرہ سے کہا۔

"نماز تو میں بھی پڑھوں گی۔"

"آیئے میرے ساتھ چل کر وضو کیجئے اور میرے ہی ساتھ نماز پڑھ لیجئے ——"

اس کو معلوم تھا کہ وہ ابھی نماز سے پوری طرح واقف نہیں ہے۔

دونوں نے وضو کیا وضو کر کے ایک کمرے میں نماز ادا کی اور دالان میں آکر بیٹھ گئیں۔ افتخار صاحب نے صحن میں آکر اپنی اہلیہ سے دریافت کیا۔

"بہن کہاں ہیں؟"

"ابھی آتی ہیں ——" زبیدہ نے جواب دیا۔ "کوئی صاحبہ ان سے ملنے آئی ہیں۔ اس لئے وہ چلی گئیں۔"

"دلہن سے دریافت کر لو۔ اگر وہ کہیں تو ان کے لئے کسی اچھے ہوٹل سے کھانا منگوا دیا جائے۔"

"جی نہیں۔" صبیحہ نے دالان سے کہا۔" وہ ہندوستانی کھانا پسند کرتی ہیں۔"

تکلف کی ضرورت نہیں۔

عبیدہ بیگم دوسرے کمرے میں بیٹھی ہوئی اپنے شوہر سے دعوت ولیمہ کے لئے گفتگو کر رہی تھیں۔

زبیدہ بیگم اور افتخار بھی وہیں پہنچ گئے۔ شفیق نے افتخار کو اپنے

پاس بٹھا لیا اور ان سے کہا "

"افتخار بتاؤ ـــــــــ دعوت ولیمہ کہاں ہو؟"

"دہلی میں ـــــــ" انہوں نے فوراً جواب دیا ۔ تاکہ دلہن کو یہ تو اندازہ ہو جائے ۔ کہ وہ کس خاندان سے منسلک ہوئی ہیں ۔ اور اس خاندان کا معاشرتی اور تہذیبی معیار کیا ہے ۔"

"ہاں یہ بات تو تم نے بہت دور کی کہی " شفیق نے کہا " تو پھر دہلی میں ہی دعوت ولیمہ ہو گی آج تاریخ مقرر کر لی جائے تاکہ کل پانی پت والوں کو خطوط لکھ دیئے جائیں ۔ دو تین روز بعد چند گھنٹوں کے لیے میں بھی چلا جاؤں گا "

عبیدہ بیگم بول اٹھیں " میں بھی چلوں گی "

"تم کو تو چلنا ہی پڑے گا " کیونکہ جب تک تم نہ جاؤ گی ۔ صغریٰ باجی اور اظہار کی دلہن نہ آئے گی ۔ ستار اور غفار کے گھر والے بھی کچھ اس طبیعت کے ہیں کہ اُن کے یہاں تو فرداً فرداً ہر شخص سے کہا جاتا ہے جب وہ دعوت کو دعوت سمجھتے ہیں "

"ہاں یہ بات تو ہے " زبیدہ نے کہا ۔ وہ لوگ بہت زیادہ قدامت پسند ہیں "

افتخار بول اُٹھے ۔ " یہ قدامت پسندی نہیں جہالت ہے "

عبیدہ بیگم نے کہا " بہن احمدی بیگم سے بھی مشورہ کر لیا جائے ۔ ان کی رائے واقعی بہت معقول ہوتی ہے "

"وہ تو ایک مثالی خاتون ہیں۔" افتخار نے کہا۔ پردہ میں بیٹھ کر دنیا کی خبر رکھتی ہیں حالات حاضرہ پر اس طرح تبصرہ کرتی ہیں گویا وہ بہت بڑی سیاست دان ہیں۔ گھریلو معاملات پر اُن کو ایسا عبور حاصل ہے کہ انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ میں نے حیدر آباد میں جو روش اختیار کی وہ ان ہی کی رائے کے مطابق تھی۔ انہوں نے چلتے وقت بھی مجھ سے کہہ دیا تھا کہ بیاہ کے اگر آپ حالات کو ساز گار بنانا چاہتے ہیں تو بہت ٹھنڈے دل کے ساتھ گفتگو کیجیے گا۔ جو بچہ لاڈ پیار میں بگڑا ہو اس کی اصلاح بھی لاڈ پیار ہی سے ہو سکتی ہے۔ اور تجربہ نے بتا دیا کہ ان کا خیال صحیح تھا۔"

"وہ آتی ہی ہوں گی۔ میں ان سے بعد مغرب مشورہ کروں گی۔" عبیدہ بیگم نے کہا۔ "اور دو چار روز کے لیے دلہن کو انہی کے پاس چھوڑ دوں گی۔ ان کی زبان میں جادو ہے۔"

"واقعی ان کی شخصیت حیرت انگیز ہے۔"

افتخار نے کہا

زبیدہ بیگم اُٹھ کر چلی گئیں۔ احمدی بیگم بھی آ گئیں۔ انہوں نے مغرب کی نماز وہیں ادا کی اور دلہن کو بھی اپنے ساتھ نماز پڑھائی۔ بعد نماز مغرب عبیدہ بیگم ان کو اپنی بہن زبیدہ کے کمرے میں لے گئیں اور ان سے ولیمہ کے متعلق صلاح و مشورہ کرنے لگیں۔ انہوں نے دہاں میں ولیمہ کی رائے کو پسند کیا اور عبیدہ سے کہا۔ دلہن کو بھی معلوم ہو جائے گا کہ وہ کسی خاندان میں شامل ہوتی ہیں۔ اور انشاء اللہ تعالٰے تحفے اور تحائف بھی ان کے حسب

منشاء ملیں گے۔ یہی ایسی چیزیں ہوتی ہیں۔ جن سے انسان مسحور ہو کر اپنا سب کچھ بدل ڈالتا ہے۔

"کل سلطانہ نے دعوت کی ہے۔" زبیدہ نے کہا۔

"وہ صبح میرے پاس آئی تھی۔ میں نے ہی اس کو مشورہ دیا کہ تم کل دلہن کو مدعو کرو۔"

"وہ نوسیہ کو مدعو کر گئی ہیں۔"

"سب کر چکیں تو کیا خالی دلہن کو مدعو کرتیں۔" احمدی بیگم نے کہا۔ "پرسوں نور بانو دعوت کریں گی۔"

صبیحہ نے صحن سے آواز دے کر اپنی والدہ سے کہا۔

"امی سلطانہ بیگم صاحبہ تشریف لائی ہیں۔ ان کے یہاں اب ایک گھنٹہ ہوا ہے۔"

زبیدہ بیگم اپنے کمرے سے باہر آگئیں۔ سلطانہ صبیحہ سے معذرت کر رہی تھی۔ طاہرہ بھی آگئی اور اس نے سلطانہ سے پوچھا۔

"بھابی جان کہاں ہیں۔"

"وہ آ تو رہی ہیں۔"

نور بانو بھی ڈیوڑھی سے صحن میں آگئی اور اس نے سب کو سلام کیا۔ طاہرہ دونوں کو دلہن کے پاس لے گئی اور سب لڑکیاں آپس میں باتیں کرنے لگیں۔ عتیق حبیب اور منہاج کے ساتھ کہیں گیا ہوا تھا۔ وہ بھی کچھ دیر بعد آگیا۔ افتخار نے اس سے کہا۔

"ابھی تمہارے ایک دوست آئے تھے۔ میں نے کہہ دیا کہ وہ صبح مل سکتے ہیں۔"

"آنندی ہوں گے ——— رڑکی میں میرے ساتھ تھے۔ آج کل دہلی ہی میں ہیں۔"

شفیق بھی اندر سے آ گئے اور عتیق سے دفتر کے متعلق باتیں کرنے لگے۔

عتیق نے کہا "صاحب نے وعدہ تو کر لیا ہے کہ وہ بہت جلد مجھ کو نظام ساگر بند کا نگران مقرر کر دیں گے۔"

"جگہ بہت پُرسکون ہے۔" شفیق نے کہا۔ "انجینئر ملہار کر کا اسسٹنٹ بھی وہاں جانے کی تدبیریں کر رہا تھا لیکن صاحب نے انکار کر دیا۔ کیونکہ وہ اوورسیئر کے درجے کا ہے۔"

"مسٹر راؤ بھی یہی کچھ کہہ رہے تھے۔" عتیق نے کہا۔ "بہرحال اب تعلیم اور تجربے کے اعتبار سے اس وقت اپنے محکمہ میں کوئی دوسرا مناسب انجینئر نہیں ہے اس لئے اُمید ہے کہ اب مجھ ہی کو بھیجا جائے گا۔"

"انشاءاللہ تعالیٰ۔" شفیق نے کہا۔ "لیکن تم کو بہت محتاط رہنا پڑیگا محکمہ میں یہ بات مشہور ہے کہ وہ بند انجینئر کے لئے سونا اُگلنے والی جگہ ہے ہزاروں روپے سالانہ کی تو مچھلیاں چوری سے فروخت ہو جاتی ہیں اور ٹھیکیدار ہر وقت تھیلیاں لئے ہوئے کھڑے رہتے ہیں۔"

"مسٹر سہگل وہاں سے اسی لئے تو ہٹائے گئے ایک دراز بھرنے کیلئے

انھوں نے دس ہزار کی رقم خرچ کر دی اور پھر بھی دراز ویسی کی ویسی رہی۔"

افتخار نے کہا۔"انسان لالچ ہی میں مارا جاتا ہے۔ انھوں نے ایک دم سے اپنا گھر بھر لینے کی کوشش کی اور اس کے نتیجے میں ملازمت بھی کھو بیٹھے۔"

شفیق نے ایک دوسرے انجینیر کا قصہ سنایا ہے شفیق نے کہا۔

"انسان کو ایسی جگھوں پر ہاتھ پیر بچا کر اور آنکھیں کھول کر کام کرنا چاہیے" شفیق نے کہا۔

افتخار پھر بول اٹھے "شفیق بھائی کیا یہ ضروری ہے کہ ٹھیکیداروں سے بھی رقمیں وصول کی جائیں"

"قطعی ضروری ہے" شفیق نے کہا۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو کام ہی نہ ہو سکے۔ افتخار محکمہ انجینیرنگ کی دنیا ہی نرالی ہوتی ہے"

اندر سے لڑکے نے آکر کہا کہ دسترخوان بچھا دیا گیا ہے۔ اور وہ اللہ کریا تیں کرتے ہوئے اندر چلے گئے!

۲۸

عالم طفلی دیر میں گزرنے والی مسیحی لڑکی نے دور شباب میں حرم میں قدم رکھتے ہی خود کو ایک ایسے ماحول میں پایا جو الف لیلہ کی داستانوں سے بھی زیادہ عجیب و غریب اور مسحور کن تھا۔ اس میں کہیں بھی تصنع کی جھلک تھی۔ سلطانہ نور بانو کی پرمسرت ازدواجی زندگی سے اس نے اندازہ لگا لیا کہ واقعی زندگی کی حقیقی مسرتیں صرف انہی پردہ نشینوں کو حاصل ہیں۔

احمدی بیگم کی سادہ زندگی اور ان کی بے لوث قومی خدمات نے بھی اس کو بہت متاثر کیا اور اس نے تیسرے ہی روز ان سے کہا۔

خالہ جان! مجھے جب کبھی بھی زندگی میں موقع ملا میں بھی ایک مدرسہ قائم کروں گی اور بچیوں کو نئے طریقہ پر تعلیم دوں گی۔"

"نئے طریقہ سے تمہارا کیا مطلب ہے۔" انہوں نے اس سے دریافت

کیا۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ جس طرح یوروپین بچوں کو پہلے نرسری میں داخل کیا جاتا ہے۔ اسی طرح بچوں کو تعلیم دی جائے۔ دراصل وہ تعلیمی نہیں بلکہ تربیتی دور ہوتا ہے۔ نرسری میں بچوں کو کھانا کھیلنا آپس میں مل جل کر رہنا۔ قصہ کہانیاں سنانا۔ سونا۔ اٹھنا۔ منہ ہاتھ دھونا اور دوسروں سے تہذیب کے ساتھ گفتگو کرنا سکھایا جاتا ہے۔"

"اچھا اب میں سمجھی ——" احمدی بیگم نے کہا۔ حامد نے بھی متعدد بار مجھ سے نرسری اسکول کا تذکرہ کیا ہے لیکن میں اُسے صحیح طور پر سمجھ نہیں سکتی۔ اب تم آگئی ہو تو یہ مشکل بھی آسان ہو جائے گی۔ تم ایک خاکہ بنا کر مجھ کو بتاؤ کہ کس طرح بچوں کو تربیت دی جاتی ہے اس کا طریق کار کیا ہوتا ہے۔ اور کس عمر کے بچوں کو نرسری میں داخل کیا جاتا ہے۔"

میں ابھی دس بارہ روز یہاں ضرور رہوں گی اور ممی نے کہہ دیا ہے کہ میں آپ ہی کے ساتھ رہوں گی۔ میرے خیال میں اس قلیل مدت میں میں بہت حد تک آپ کی ممد و معاون ثابت ہو سکوں گی۔"

"خدا تم کو جزائے خیر دے گا۔" احمدی بیگم نے شفقت آمیز لہجے میں کہا۔" بہن دنیا میں یہی ہوتا چلا آیا ہے کسی سے کچھ لیا جاتا ہے اور کسی کو کچھ دیا جاتا ہے۔ میں تم سے کچھ حاصل کروں گی۔ اور تم کو کچھ دوں گی۔"

میں اس قابل کہاں کہ آپ کو کچھ دے سکوں لیکن ہاں حاصل بہت کچھ کروں گی۔"

"تمہارے خیالات بہت اچھے ہیں۔" احمدی بیگم نے کہا۔ ہر انسان کو رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر بروقت صحیح رہنمائی حاصل ہو جائے تو وہ مکمل انسان ہو جاتا ہے۔"

"میرے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔" سبل نے پوچھا۔

"تم کو بروقت رہنمائی حاصل ہو گئی۔" احمدی بیگم نے کہا۔ "خدا تمہارے ارادوں میں استقامت دے۔ ایک روز تم اس خاندان کا مرکز نگاہ ہو جاؤ گی۔"

"اگر آپ نے توجہ کی۔" اس نے کہا۔ "یہاں ہر شخص کا یہی خیال ہے اور سب آپ کا احترام کرتے ہیں اور ہر معاملے میں آپ کے مشورے کو حرف آخر سمجھتے ہیں۔"

"وہ جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے۔ میں کیا اور میری ہستی کیا۔"

"مجھے آپ سے بہت کچھ حاصل کرنا ہے۔" سبل نے کہا۔ "آپ جانتی ہیں کہ میں مسیحی خاندان میں پیدا ہوئی اور تخیل مریم عذرا کے تقدس کے گرد چکر لگاتا رہا۔ وہ اس سے آگے نہ بڑھ سکا۔ لیکن اب مجھے امید ہے کہ میری نگاہیں کون و مکاں کا جائزہ لے سکیں گی۔"

"انشاءاللہ تعالیٰ۔" احمدی بیگم نے خوش ہو کر کہا۔ "تمہاری زبان بہت صاف اور شستہ ہے۔ تم نے شائد اعلیٰ جماعت تک اردو پڑھی ہے۔"

"جی ہاں پڑھی بھی ہے اور حیدر آباد میں رہی ہوں۔ وہیں پیدا ہوئی اور وہیں پروان چڑھی۔"

"میں تم کو دینی تعلیم دوں گی۔ لیکن صرف اس حد تک جس حد تک میری معلومات ہیں۔ اور وہ محدود ہیں۔"

"میرے لئے وہی بہت ہوں گی۔"

طاہرہ بھی آکر ان کے پاس بیٹھ گئی۔ احمدی بیگم نے آنحضرت صلعم کے متعلق اس کو کچھ بتایا اور تینوں ظہر کی نماز کے لئے چلی گئیں۔ بعد ظہر شاہدہ زاہدہ اور صبیحہ بھی آگئیں۔ مدرسہ میں تعطیل تھی اس لئے احمدی بیگم سے کہا۔

"خالہ جان! یہ تو زندگی کا ایک بہترین نمونہ ہے۔"

"میں نے بہت اختصار کے ساتھ تم کو بتایا ہے انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد تم بہت کچھ سمجھنے کے قابل ہو جاؤ گی۔ پرسوں دعوت ولیمہ ہے۔"

"دعوت ولیمہ کا مفہوم کیا ہے؟"

"اس کا مفہوم یہ ہے کہ لڑکے کے خاندان والے یہ سمجھ لیں کہ اس نے فلاں لڑکی سے شادی کر لی ہے اور اب وہ ہر نقطۂ نظر سے اس کی رفیقہ حیات ہے۔ اور اس کی یہ ایک تعارفی دعوت ہوتی ہے اور اس دعوت کے موقع پر دلہن کا دولہا کے خاندان کی عورتوں سے تعارف کرایا جاتا ہے اور ہر عورت حسب استطاعت دلہن کو تحفہ دیتی ہے۔"

"یہ بہت اچھی رسم ہے۔"

ہم غیر ضروری رسموں کو بدعت سمجھتے ہیں۔ اور ان سے گریز کرتے ہیں۔ حالانکہ اب عام مسلمانوں میں ان کا بہت رواج ہے۔"

"بتدریج اصلاح تو ہو سکتی ہے" سنبل نے کہا۔

"ہاں"! احمدی بیگم نے جواب دیا۔ "اور ہو رہی ہے۔"

طاہرہ بول اٹھی "میں نے سنا ہے کہ دہلی میں اصلاح الرسوم کے نام سے ایک انجمن کا سنگ بنیاد بھی رکھا گیا ہے۔"

"ہاں!" احمدی بیگم نے کہا۔ "لیکن میں انجمنوں کی قائل نہیں۔ لوگوں نے انجمنوں کو کھانے اور کمانے کا ذریعہ بنا لیا ہے۔ یہ کام تو صرف درسگاہوں اور درس قرآنی ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔"

شاہدہ نے کہا "حیدر آباد میں درس قرآن کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ اور اب اس کی بارہ سے زیادہ شاخیں قائم ہو چکی ہیں۔"

"دہلی میں بھی یہ سلسلہ شروع ہوا تھا لیکن مسلمانوں کی آپس کی پھوٹ سے زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا۔" احمدی بیگم نے کہا۔ "بڑی مصیبت تو یہ ہے کہ ہمارے علماء دین آپس میں اقتدار کی جنگ شروع کر دیتے ہیں۔ اُن کے دل سے خوف خدا اٹھ چکا ہے ان کو تو اپنے حلوے اور مانڈے سے کام ہے۔ مسلمان خواہ تباہ ہو جائیں۔ یا دوسرے مذاہب کی آغوش میں چلے جائیں۔"

صبیحہ نے کہا "خالہ جان! پرسوں میں نے ایک دینی رسالے میں ایک مضمون پڑھا ہے۔ مضمون نگار نے مولویوں کو بہت جھاڑا ہے اور

آخر میں لکھ دیا ہے کہ پہلے زمانے کے علمائے دین غیر مسلموں کو دائرہ اسلام میں لاتے تھے۔ لیکن آج کل کے علماء مسلمانوں کو کافر بنا رہے ہیں۔"

"دہلی میں یہی ہو رہا ہے۔ ایک جماعت کے مسلمان دوسری جماعت کے مسلمانوں کو کافر کہہ رہے ہیں۔ کوئی مقلد ہے تو کوئی غیر مقلد۔ کوئی سنت الجماعت ہے تو کوئی اہل حدیث۔ کوئی دیوبندی ہے تو کوئی کچھ ـــــ یہ سب قرب قیامت کے آثار ہیں۔ اگر یہی عالم رہا تو ایک روز قہر الٰہی نازل ہوگا۔ اس وقت مسلمانوں کی آنکھیں کھلیں گی۔" سب بہت توجہ کے ساتھ ان کی باتیں سُن رہی تھیں۔ احمدی بیگم نے پھر امہات کے متعلق لکچر شروع کر دیا اور چار بجے تک سبل اور دیگر لڑکیوں کو ان کے حالات زندگی بتاتی رہیں۔ چار بجے سب نے سہ پہر کی چائے پی۔ وضو کر کے عصر کی نماز ادا کی اور لڑکیاں سبل کے ساتھ کار پر سیر کے لئے چلی گئیں۔"

احمدی بیگم نے حامد کا کمرہ عتیق اور سبل کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ وہ خود رات کو عتیق کو بھی بہت دیر تک دنیا کے نشیب و فراز سمجھاتی رہیں۔ رات کو خلوت میں سبل نے عتیق سے کہا "خالہ جان ہم سب کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہیں انہوں نے مجھ کو وہ باتیں بتائی ہیں جو شاید تم نے کبھی نہ سنیں ہوں گی۔"

"ممی بھی ان کی بہت تعریف کرتی ہیں اور اب ہمارے خاندان میں سب ان کی اس طرح عزت کرتے ہیں گویا وہ سب کی بزرگ ہیں۔ حالانکہ وہ عمر میں میری والدہ سے بھی چھوٹی ہیں۔"

"اُن کی صحت بہت اچھی ہے - زیادہ سے زیادہ تیس سال کی عمر کی معلوم ہوتی ہیں - بہت ہنس مکھ اور ملنسار ہیں اور جب کسی سے گفتگو کرتی ہیں تو اس کو موہ لیتی ہیں - مغربی ممالک میں ایسی خواتین قابلِ قدر سمجھی جاتی ہیں اور وہ جہاں جاتی ہیں ان کا شاہانہ استقبال ہوتا ہے اگر وہ انگلینڈ میں ہوتیں تو ان کے نام پر صدہا مدرسے قائم ہو چکے ہوتے -"

"بیشک وہ قابلِ احترام ہیں۔"

"میں تو یہ چاہتی تھی کہ اُن کے پاس دو چار ماہ رہ کر بہت کچھ حاصل کرلوں - لیکن آئندہ ماہ تمہاری چھٹیاں ختم ہو رہی ہیں۔"

"خیر چار چھ ماہ بعد پھر آجانا۔"

"انشاءاللہ تعالےٰ میں ضرور آؤں گی۔"

"پردے کے متعلق تو انہوں نے کچھ نہیں کہا۔"

عتیق نے پوچھا۔

"نہیں مجھ سے تو کچھ نہیں کہا" سنبل نے جواب دیا "لیکن اب مجھے بے پردہ نکلتے خود الجھن ہوتی ہے۔"

"میں اس پردے کا بھی قائل نہیں ہوں" عتیق نے کہا "ہاں عورت کو مردوں کی سوسائٹی سے ضرور گریز کرنا چاہیئے۔"

"خیر میں تو اب کبھی مردوں کی سوسائٹی میں نہ بیٹھوں گی - یہ اور بات ہے کہ حیدرآباد پہنچ کر برقع نہ استعمال کروں - لیکن یہاں تو برقع ضرور پہنوں گی بے پردہ آتے جاتے مجھ کو خالہ جان کے سامنے شرم آئے گی۔"

"کل برقع لا دوں گا۔" عتیق نے کہا۔ "دہلی میں بھی بنے بنائے برقع فروخت ہوتے ہیں۔"

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔"

"چلنا۔" عتیق نے کہا۔ "خالہ جان کو بھی ساتھ لینا۔ وہ یہ سن کر بہت خوش ہوں گی۔ کہ تم بے پردگی کو عیب سمجھنے لگی ہو۔"

"میں نے اُن سے آج کہہ دیا ہے۔" سبل نے کہا۔ "اور یہ بھی بتا دیا کہ حیدر آباد پہنچ کر میں شاید برقع نہ استعمال کر سکوں۔ لیکن اب مردوں کی سوسائٹی سے گریز کروں گی۔"

عتیق نے پوچھا۔ "انہوں نے کیا کہا۔"

"انھوں نے نیا۔ توفیق کی دعا دی۔"

"اچھا یہ بتاؤ کہ یہاں تمہاری طبیعت تو نہیں گھبراتی ہے۔"

"اگر طبیعت گھبراتی تو یہاں رہنے کی خواہش کیوں ظاہر کرتی۔" سبل نے کہا۔ "عتیق میں سچ کہتی ہوں کہ خدا نے ہم دونوں کی توبہ قبول کر لی۔ ورنہ کہاں میں اور کہاں یہ اعزاز —— تمہاری وہی بہنیں جو میرے نام سے بیزار تھیں اب ہر وقت مجھ کو خوش رکھنے کی کوشش کرتی ہیں۔" "اور خاندان کا ہر فرد اس طرح میری قدر اور عزت کرتا ہے گویا وہ مجھ کو دلہن بنا کر لائے ہیں۔"

"ہم کو واقعی خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔"

"آج سر میں ہلکا ہلکا درد ہے۔" سبل نے کہا۔ "کیا میں درد سر کی ایک

ٹکیہ کھالوں۔"

سبل اٹھ کر دالان میں آئی۔ احمدی بیگم اس وقت تک جاگ رہی تھیں اس نے اُن کے پاس پہنچ کر اُن سے کہا

"خالہ جان ——— آج صبح سے سر میں ہلکا ہلکا درد ہے۔ میں نے ابھی ان سے تذکرہ کیا۔ دردِ سر کی ٹکیہ کھانے کا خیال ظاہر کیا تو انہوں نے کہا کہ خالہ جان سے مشورہ کر لو۔"

اُنہوں نے اُٹھ کر سبل کے چہرے کو بغور دیکھا دو چار باتیں دریافت کر کے اس سے کہا۔

"دلہن ذرا وہ گلاس تو اُٹھا لاؤ۔"

سبل دو چار قدم ہی چلی تھی۔ کہ انہوں نے اس کو آواز دے کر بلایا اور اس سے کہا۔

"ٹکیہ نہ کھانا۔ تھوڑا سا گرم دودھ پی لو ———"

وہ اٹھ کر باورچی خانے میں گئیں اور نعمت خانہ کھول کر اس میں سے دودھ نکالا ایک گلاس میں انڈیل کر شکر ملائی اور دالان میں آکر سبل کو دودھ کا گلاس دیتے ہوئے کہا۔

"دودھ ہی پی لو، انشاءاللہ تعالٰی درد کم ہو جائے گا۔ کوئی خاص بات نہیں ہے۔"

"سبل دودھ پی کر چلی گئی۔ دوسرے روز انہوں نے عبیدہ بیگم کو بلا کر ان سے آہستہ سے کچھ کہا۔

عبیدہ بیگم کے چہرہ پر رونق آگئی اور انہوں نے خوش ہو کر کہا۔
"بہن! میں نے کل رات ہی کو اپنی والدہ کو خواب میں دیکھا ہے کہ وہ مجھ کو ایک سیب دے رہی ہیں۔ میں جب بھی ان کو خواب میں دیکھتی ہوں ایسی ہی خوش خبری سنتی ہوں۔"
"شک تو مجھ کو پرسوں ہی ہوا تھا۔ جب وہ بار بار تھوک رہی تھیں" احمدی بیگم نے کہا۔ "لیکن پھر بھی یہ سمجھی کہ شاید بدبو معلوم ہو رہی ہو۔ لیونڈر اور سینٹ کی لپٹوں میں سانس لینے والی ہیں شاید کسی چیز کی بو محسوس کی ہو۔"
"تو کیا آپ کو یقین ہو چکا ہے ——— ؟" عبیدہ بیگم نے دریافت کیا۔
"خدا کی باتیں خدا ہی جانے لیکن قرائن سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے!" احمدی بیگم نے کہا۔ "میں نے بہانے سے بلا کر بھی دیکھ لیا۔ قدم کی پہچان بھی ایک پر ایک ہے۔"
"ہاں ہے تو ——— خیر خدا وہ دن بھی دکھائے۔" عبیدہ بیگم نے کہا۔ "لیکن فی الحال یہ بات کسی پر ظاہر نہ ہونی چاہیئے۔ ولیمہ کے بعد دیکھا جائے گا۔"
"یہی میں آپ سے بھی کہنے والی تھی۔" احمدی بیگم نے کہا۔ "اچھا یہ تو بتائیے۔ کہ پانی پت سے کون کون آرہا ہے؟"
"سب ہی آرہے ہیں۔" ستار نے ناک بھویں چڑھائی تھیں، کہ

لڑکے نے میم سے شادی کر لی۔ ایسا نہ ہونا چاہیئے۔ خاندان میں ابھی تک کسی نے غیر مسلم لڑکی سے شادی نہیں کی ہے۔"

"اے عتیق نے کب غیر مسلم لڑکی سے شادی کی ہے۔" احمدی بیگم نے کہا۔ اس نے پہلے کلمہ پڑھ کر دین حق قبول کر لیا تھا اس کے بعد نکاح ہوا۔

"یہ تو میں نے کہہ دیا۔" عبیدہ بیگم نے کہا۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ پہلے اس لڑکی کا مذہب کچھ اور تھا یعنی وہ مسیحی تھی۔"

"تو اس سے کیا ہوتا ہے۔" احمدی بیگم نے کہا۔ ہمارے نبی کریم صلعم نے بھی تو ایک یہودی خاتون سے نکاح کیا تھا ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا پہلے یہودی تھیں اُن کے باپ یہودیوں کے ایک قبیلہ کے سردار تھے۔"

"جاہلوں سے کون بحث کرے۔"

"نہیں یہی تو موقع ہوتا ہے سمجھانے کا۔" احمدی بیگم نے کہا۔ ایسے موقعوں پر جو بات بھی کہہ دی جاتی ہے وہ پتھر کی لکیر ہو جاتی ہے۔"

عبیدہ بیگم خاموش ہو گئیں۔ کچھ دیر بعد زبیدہ بھی آ گئیں۔ انھوں نے آتے ہی اپنی بہن سے کہا۔"

"ابھی زکی باجی کا پرچہ آیا ہے وہ کل آ رہی ہیں۔"

"کیا کوئی پانی پت سے آیا ہے۔"

"جی ہاں! ستار کے دونوں لڑکے آئے ہیں۔" زبیدہ بیگم نے کہا۔

ان کے والدین اور گھر والے سب پرسوں صبح آئیں گے۔"

"عبیدہ بیگم اپنی بہن کے ساتھ چلی گئیں۔ لڑکیاں سبل کے ساتھ کوٹھے پر تھیں۔ اس روز حامد بھی گھر میں تھا۔ انہوں نے اس کو کمرے میں بلا کر کہا۔

"بیٹا وہ چیزیں لے آئے۔"

جی ہاں امی ——— ! میں نے لا کر آپ کے بڑے سوٹ کیس میں رکھ دی ہیں۔ سلطانہ نے تو کل ایک ہار خریدا ہے اور نور بانو کٹ گلاس کا لیمن سیٹ دیں گی۔"

"ہاں کل شام کو زبیدہ بہن نے بتایا تھا۔ وہ چھپکا لائی ہیں۔"

"بڑی خالہ جان نے تو ہار اور بُندوں کا سیٹ خریدا ہے۔ چھ سو سے زیادہ کا ہے۔" خالہ نے کہا۔ حبیب کی والدہ نے انگوٹھیاں منگائی ہیں۔"

"آج تاج الدین بھی کچھ خریدیں گے۔" احمدی بیگم نے کہا۔ میں نے کہا تھا کہ ابھی تم پیسے سے تنگ ہو، کیا کرو گے خرید کر لیکن وہ نہیں مانتے۔

"پانی پت والے بھی کچھ دیں گے۔ اور اس طرح اچھی خاصی چیزیں ہو جائیں گی۔

"بھرے پُرے خاندان میں تو یہی ہوتا ہے۔" احمدی بیگم نے کہا۔ سات پانچ کی لاٹھی اور ایک شخص کا بوجھ۔"

"آپ تقریب کے موقع تک کسی سے نہ بتائیے گا کہ آپ کیا دے رہی ہیں۔"

بتانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اس کے علاوہ سب ہی جانتے ہیں۔ کہ میں غریب ہوں۔ تم ابھی تعلیم حاصل کر رہے ہو۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کس طرح دن گزرتے ہیں لیکن اس کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ دنیا سے اچھا نہیں تو برا بھی نہیں کھا پی رہے ہیں۔"

"خالو جان کل رات کو بڑے خالو جان سے کہہ رہے تھے کہ بہن کا تحفہ عجیب و غریب ہو گا۔"

احمدی بیگم ہنسنے لگیں۔ حامد نے کہا۔

"سنا ہے کہ جمال اور کمال گھڑی اور ریڈیو دیں گے۔"

"ان کو دینا بھی چاہیئے۔ اُن کی بڑی ہیچ ہیں۔ وہ بھی تو شادی کے موقع پر اپنی نندوں اور نندوئیوں کے شایان شان تحفہ دیں گی۔"

آج تو بھابی نے بھی مجھ سے مذاق کیا۔ عتیق بھائی جان بیٹھے ہوئے تھے اور اعجاز مجھ سے زیور کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔ میں نے کہا مجھے تو چوڑیوں کے علاوہ اور کوئی زیور پسند نہیں۔ عورت کے ہاتھ میں صرف ایک ایک یا دو دو چوڑیاں ہونی چاہئیں۔ اس پر بھابی نے کہا اچھا تو میں ان کو چوڑیاں ہی دوں گی۔ اور انہوں نے دو چار فقرے اور بھی چست کئے۔

"بہت ہنس مکھ ہیں،" احمدی بیگم نے کہا۔ "اور ہم لوگوں میں اس طرح گھل مل گئی ہے گویا ہمیشہ سے ہمارے ہی ساتھ رہی ہے۔ اس نے مدرسہ کے لئے ایک نیا منصوبہ بنایا ہے اور مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ آئندہ جولائی

میں اگر وہ نرسری کھولے گی۔"

امی! میں نے تو آپ سے پہلے ہی کہا تھا کہ بچوں اور بچیوں کے لیے ایک نرسری کلاس کھولا جائے۔"

ہاں! لیکن نہ تو میں اس وقت سمجھی تھی کہ نرسری کلاس میں کیا کیا ہوتا ہے۔ اور نہ تم ہی سمجھا سکے تھے۔"

میں نے کسی نرسری میں تربیت حاصل کی ہوتی تو سمجھاتا بھی۔"

"تو اب سبل نرسری کلاس کھولیں گی۔"

"ان کا اسلامی نام بیا کیجیے۔" حامد نے کہا۔ "تاجور سلطانہ بہت اچھا نام ہے۔"

"میں تو دلہن کہتی ہوں۔"

"صبیحہ نے زینے پر آکر آواز دی۔"

"خالہ جان! کیا میں اِدھر آؤں۔"

"حامد اُٹھ کر کمرے کی طرف بھاگا۔ احمدی بیگم نے ہنس کر کہا۔ اے واہ بیٹا! تم تو اس طرح ڈر کر بھاگے جیسے چھوٹے بچے باگڑ بلے کا نام سُنکر بھاگتے ہیں۔"

صبیحہ صحن میں آگئی اور اس نے ان سے دریافت کیا۔

"کیا ہوا خالہ جان ——— !"

"ہوا کچھ بھی نہیں۔" انہوں نے ہنس کر کہا۔ "حامد تمہاری آواز سنتے ہی اس طرح اُٹھ کر بھاگے گویا ان کو پکڑنے آرہا ہے۔"

صبیحہ ہنسنے لگی۔ احمدی بیگم نے اس سے پوچھا۔
"کیا بات ہے تم کیسے اٹھ کر آ گئیں۔"
"میں پرسوں سے سوچ رہی تھی کہ حبیب بھائی جان لکھنؤ سے آ جائینگے تو میں اُن سے سلمہ اور ستارے منگاؤں گی آج جب وہ آئے اور میں نے کہا تو انہوں نے جواب دیا کہ ان کو دوکان ہی نہیں معلوم ہے۔"
"میں حامد سے کہہ دوں گی وہ شام تک لا دیں گے۔"
"صبیحہ نے ایک پڑیہ دیتے ہوئے کہا۔" اس میں نمونہ ہے۔"
احمدی بیگم نے پڑیہ رکھ لی اور صبیحہ چلی گئی۔ سہ پہر کو حامد سلمہ اور ستارے لے آیا۔ سبیل اس وقت اپنے کمرے ہی میں تھی اور طاہرہ اور صبیحہ اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ طاہرہ نے صبیحہ کو اپنے کمرے میں لے جا کر کہا۔"
"بھائی جان تمہاری فرمائش لے آئے ہیں۔"
"اوہو اب تو آپ بھی مذاق فرمانے لگی ہیں۔" صبیحہ نے مسکرا کر کہا۔
کیا کروں کبھی کبھی دل چاہتا ہے۔" طاہرہ نے جواب دیا۔ اگر تم سے مذاق نہ کروں گی تو پھر کس سے کروں گی۔"
"بہتر ہے۔ بلائیے دروازے کے پاس اُن کو۔"
"کس کو ——؟" اس نے پھر مسکرا کر کہا۔
"اپنے بھائی جان کو —— اور کس کو؟"
"ناراض نہ ہو —— بلاتی ہوں۔"

وہ حامد کو بُلا لائی اور خود اسی طرف سے سنبل کے پاس چلی گئی۔

حامد نے دروازے کے پاس پہنچ کر کہا۔

"لیجئے آپ کا سامان لے آیا ہوں"

صبیحہ نے سلام کیا۔ حامد نے اپنا ہاتھ پردے کے اندر بڑھا دیا تھا۔ اس نے پڑیا لے لی اور سلمہ اور ستارے دیکھ کر اس نے حامد سے کہا۔

"واقعی ہیں تو بہت اچھے"

"بڑی مشکل سے ملے ——" حامد نے کہا۔ پہلے فتح پوری مل جاتے تھے۔ آج نئی سڑک تک جانا پڑا"

"شکریہ —— صبیحہ نے مسکرا کر کہا اور فوراً اس سے سوال کیا"

"آپ کو یہ بےحجابی پسند ہیں"

"مجھے دنیا کی ہر چیز پسند ہے علاوہ ایک چیز کے"

"وہ کیا چیز ہے —— ؟" صبیحہ نے پوچھا۔

"آپ کا غصّہ ——" اس نے مسکرا کر کہا" اس روز آپ باتیں کرتے کرتے بلاوجہ ناراض ہو کر چلی گئیں۔

"آپ نے غلط بات کیوں کہہ دی تھی ——" صبیحہ نے کہا۔ کیا آپ نے مجھ کو یہاں یا وہاں دروازے پر آتے یا تاک جھانک کرتے دیکھا —— ؟"

"یہ تو میں نے نہیں کہا تھا ـــــــ" حامد نے جواب دیا۔
"کہا تو نہیں تھا لیکن آپ نے جو کچھ بھی کہا تھا۔ اس کا مطلب یہی تھا"
"جی نہیں یہ میرا مطلب ہرگز نہیں تھا" حامد نے کہا۔ "میں نے تو یہ کہا تھا کہ آپ اپنے مکان سے یہاں آتے اور یہاں سے اپنے مکان جاتے جاتے اب ادھر ادھر کی سیر کرنے لگی ہیں۔ اور ـــــــ"
"اچھا اب بس اس بات کو ختم کیجئے" صبیحہ نے کہا۔ "کبھی کبھی دو چار باتیں ہو جاتی ہیں تو آپ وہ وقت اس بحث میں گزار دیتے ہیں۔ آج بھی آپ نے یہی کہا۔ میں اس روز اسی لئے چلی گئی تھی کہ جب آپ مجھ سے بات ہی نہیں کرنا چاہتے ہیں تو پھر میں بلاوجہ آپ کا وقت کیوں برباد کروں"
"حامد نے مسکرا کر کہا۔ اب آپ بلاوجہ لڑنے لگی ہیں"
"لڑاکا جو ہوں ـــــــ" صبیحہ نے منہ بنا کر کہا۔ "خود جو بال کی کھال نکالتے ہیں تو کوئی بات نہیں۔ اچھا اب ہلکے قسم کا قصائی پن نہ کروں گا"
"ہلکے قسم کا قصائی پن؟" اس نے متحیر ہو کر کہا۔
جی ہاں۔ بال کی کھال نکالنا ہلکے ہی قسم کا قصائی پن تو ہوا"
"ـــــــ اوہ ـــــــ" صبیحہ نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔
حامد نے اس سے کہا۔ "آج صبح جب میں آیا ہوں تو آپ کیوں نہیں

آئیں ؟"

"میں کچھ ہی دیر بعد کسی بہانے سے آئی تھی لیکن آپ آتے ہی باہر چلے گئے۔"

"میں ویسے ہی تو واپس آ گیا۔" حامد نے کہا۔ "اور آ کر تم ہی طاہرہ سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ آپ جا چکی ہیں۔"

امّی نے فاطمہ کو بھیجا تھا —— چلی گئی۔

"اب سر درد تو نہیں رہتا ہے ؟"

"جی نہیں —— !" صبیحہ نے آہستہ سے جواب دیا۔ "اب سر میں درد تو نہیں رہ گیا ہے لیکن بعض وقت دل بیٹھنے لگتا ہے اور تپیسیاں پھنچ جاتی ہیں۔"

"میرے خیال میں یہ موسم کا اثر ہے۔ اور خون کی کمی بھی ہے۔"

"جی ہاں ! " کل ریجو کے ساتھ مس امینہ عبدالسلام کے یہاں گئی تھی۔ انہوں نے بھی یہی مجھ سے کہا کہ خون کی کمی کے باعث ایسا ہوتا ہے اور تازہ پھل کھانے کا مشورہ دیا ہے۔"

"سیب اور سنترے کھائیے۔"

"کھا تو رہی ہوں۔"

"ایک سیب یا سنترہ نہیں۔" حامد نے کہا۔ "کم از کم تین چار سیب تو کھایا کیجئے۔"

"تو پھر کھانا نہ کھا سکوں گی۔"

"طاہرہ کمرے میں آ گئی اور اس نے صبیحہ سے کہا۔"
"دلہن بھابی بلا رہی ہیں۔"
"اُف فو ——" اس نے منہ بنا کر کہا۔ بعض وقت تو کھل جاتی ہیں ——"

طاہرہ نے مسکرا کر اپنے بھائی کی طرف دیکھا اور وہ مسکراتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔"

صبیحہ طاہرہ کے ساتھ سبل کے پاس پہنچی۔ اس نے اس کو اپنے پاس بٹھا لیا اور اس سے کہا۔"

"ابھی طاہرہ سے میں تمہارے متعلق کہہ رہی تھی کہ وہ عین وقت پر شاہدہ اور زاہدہ کو بری طرح ڈانٹ دیتی ہیں۔"

"یہ اسی طرح کہہ سن کر تو ان کو راہ راست پر لائی ہوں۔ اس نے ہنس کر کہا۔" ورنہ زاہدہ تو ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتی تھی۔"

"خیر اب تو دونوں بالکل بدل گئی ہیں۔" سبل نے کہا۔ تم لوگوں نے واقعی ان کو بہت ستایا ہے۔"

طاہرہ نے کہا۔ زریا تو بہت شریر ہے کل اس نے امی کے سامنے کہہ دیا کہ کمال بھی اسی طبیعت کے ہیں۔"

"کس طبیعت کے؟" صبیحہ نے پوچھا۔

"کسی طبیعت کے نہیں۔" طاہرہ نے ہنس کر کہا۔ کمال کا نام لے کر زاہدہ کو خاموش کرانا چاہتی تھی۔ وہ بہت دیر سے چہک رہی تھیں اس

نے ایک فقرہ چست کر کے ان کو خاموش کرا دیا اور پھر بعد میں تنہائی میں معذرت کرنے لگی۔"

سبل اور صبیحہ ہنسنے لگیں۔ صبیحہ کچھ دیر بعد آبادی کے ساتھ اپنے مکان چلی گئی۔"

۲۹

"بہن!" افتخار صاحب نے احمری بیگم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا واقعی میں آپ کی ذہانت کی داد نہیں دے سکتا۔ کسی نے عتیق کی دلہن کو چندن ہار دیا کسی نے بندے اور کسی نے چھپکا۔ لیکن آپ نے اُن کو وہ زیور دیا ہے جو واقعی ان کے کام آئے گا۔ اس زیور سے بہتر ان کے لئے کوئی دوسرا زیور نہیں ہو سکتا تھا۔ یعنی اصلاحی دینی کتب انگریزی کلام پاک کا ترجمہ اور اردو میں مولانا محدث دہلوی کی تفسیر۔"

"سبحان اللہ!" عتیق الرحمان نے کہا "تحائف کے اس انتخاب کی داد نہیں دی جا سکتی۔"

"آج عتیق کی ممی بھی کہہ رہی تھیں کہ دلہن کو سب سے زیادہ یہی تحائف پسند آئے ہیں۔"

"بھائی جان!" خدا کا شکر ادا کیجیے کہ آپ کو واقعی بہت اچھی بہو مل گئی۔ اس کے دل میں لگن ہے ایک زمانہ وہ آئے گا کہ خاندان کی عورتیں اسی سے دینی مسائل دریافت کرنے آئیں گی۔"

دیکھئے یہ اتفاقات ہی ہوتے ہیں جو انسان کو کچھ سے کچھ بنا دیتے ہیں۔" افتخار احمد نے کہا۔ جس وقت عتیق نے ان سے دوستی کے پینگ بڑھائے ہوں گے اس وقت کسی کو کیا خبر ہو گی کہ ایک روز یہی مغربی شمع مشرقی فانوس میں کچھ سے کچھ ہو جائے گی۔ اور صحیح معنوں میں اس کی ضوفشانی سے دوسری مسلمان عورتیں بھی مستفید ہوں گی۔"

احمدی بیگم نے کہا۔" قرآن حکیم کا انگریزی ترجمہ تو حامد اپنی پسند سے لائے تھے۔"

" ماشاءاللہ ـــــ" شفیق الرحمان نے کہا۔" حامد میاں بھی بہت ذہین ہیں۔ میں ان کو انگلینڈ یا امریکہ ضرور بھیجوں گا۔ ایک روز وہ بھی بہت نام پیدا کریں گے۔"

" ابھی تو مجھے اس کی فکر ہے کہ دونوں کے فرض سے ادا ہو جاؤں۔ اس کے بعد دیکھا جائے گا۔"

احمدی بیگم نے کہا اب بیس دن کچھ بھی نہیں رہ گئے ہیں اور ابھی بیٹھا ستلی کچھ بھی نہیں ہے۔"

" افتخار فوراً بول اُٹھے۔" بس اس سلسلہ میں تو آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں نے تو سب سے کہہ دیا ہے کہ یہ شادیاں بہت

سادگی کے ساتھ ہوں گی۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں بھائی۔" احمدی بیگم نے کہا۔ "لیکن پھر بھی اس دنیا میں رہنے کے لئے انسان کو دنیاداری برتنا ہی پڑتی ہے۔"

"خیر اللہ مالک ہے۔" شفیق الرحمٰن نے کہا۔ "آپ کی سلیقہ مندی سے مجھ کو امید ہے کہ کسی کو کچھ کہنے کا موقع نہ ملے گا۔"

"میں نے تو ہمیشہ خدا پر بھروسہ کیا ہے۔ وہی بگڑی کا بنانے والا ہے۔"

افتخار احمد نے کہا۔ "بس اب صرف آنکھوں کی سوئیاں رہ گئی ہیں۔"

زبیدہ بیگم بھی آکر احمدی بیگم کے پاس بیٹھ گئیں اور انہوں نے ان سے پوچھا۔

"بہن کیا آپ نے سلیم کے والد سے زربفت کا تھان منگایا ہے۔"

"ہاں ـــــ"

"وہ لائے ہیں ـــــ" انہوں نے کہا۔ "میں نے ابھی ایک ملازم کو بھیجا ہے۔ لیکن آخر اس کی ضرورت کیا تھی۔"

"بہن! میرے پہلو میں بھی ماں کا دل ہے اور اس میں ارمان ہیں۔ اب اس سے بڑھ کر اور کون سا موقع آئے گا۔"

"دلہن کے جوڑے کے لئے منگایا ہے۔" شفیق الرحمٰن نے دریافت کیا۔"

جی ہاں! طاہرہ کے لئے تو ایک سال قبل ہی ایک تھان خرید لیا۔ احمدی بیگم نے کہا۔ خریدا کیا تھا یوں سمجھئے کہ موقع سے مل گیا تھا۔

"تو پھر اب دن تاریخ کب رکھا جائے؟" افتخار احمد نے پوچھا۔

۲۷ راکتوبر بہت مناسب تاریخ ہوگی یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے کہ اسی روز رجب کی ستائیس پڑ رہی ہے۔ علم جفر کے لحاظ سے بھی ۲۷ کا ہندسہ بہت اچھا ہے۔ یعنی ۷ اور ۲ مل کر ۹ ہوتے ہیں اور یہ اکائی کا سب سے بڑا ہندسہ ہے۔"

احمدی بیگم کے جانے کے بعد شفیق نے افتخار سے کہا۔

"افتخار! میری سمجھ میں ایک بات نہیں آتی ہے۔ کہ اس عمر میں انہوں نے اس قدر علوم کیسے حاصل کر لئے۔"

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

افتخار صاحب نے کہا۔

"دیکھو نا کہ جس موضوع پر گفتگو کرتی ہیں جو مسئلہ زیر بحث آجاتا ہے اور جس واقعہ پر اظہار خیال کرتی ہیں تو معلومات کے دریا بہا دیتی ہیں۔"

"کتابوں میں بڑے بڑے لوگوں کی ماؤں کے واقعات پڑھے تھے افتخار نے کہا۔ لیکن اب آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ یہ اُن ہی کی تعلیم اور تربیت کا نتیجہ ہے کہ کالج کا ہر پروفیسر حامد میاں کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔"

"افتخار! تم کوشش کر کے حامد کو سرکاری وظیفہ دلا دیں سچ

کہتا ہوں کہ غیر ممالک سے واپسی کے بعد حامد میاں اپنی شہرت کے جھنڈے گاڑ دیں گے اور دولت ان کے قدم چومے گی۔"

"عجیب طبیعت کا لڑکا ہے۔" زبیدہ نے کہا۔ "دولت کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتا ہے۔"

"ایسے لوگوں کو دولت کی پرواہ نہیں ہوتی ہے۔" افتخار احمد نے کہا۔ "سال ڈیڑھ سال کا ذکر ہے۔ تین ماہ کی فیس جمع کرنا تھی اور روپے کا انتظام نہیں ہو سکتا تھا وہ انتہائی پریشان تھے لیکن کسی پر اپنی پریشانی ظاہر نہیں کی۔ جب فیس داخل ہو گئی۔ اس روز بہن نے ان سے بتایا۔ کہ انہوں نے طاہرہ کا گلوبند فروخت کر کے فیس ادا کی ہے۔ میں نے بہت کوشش کی کہ طاہرہ کے لئے اپنے پاس سے گلوبند لا دوں۔ لیکن انہوں نے بہت حسن و خوبی کے ساتھ اس پیشکش کو رد کر دیا۔"

"اس کو غیرت اور خودداری کہتے ہیں۔" شفیق نے کہا۔ "اگر مضبوط سیرت کی نہ ہوتیں تو حامد میاں ہائی سکول پاس کرنے کے بعد کسی عدالت میں کلرکی کر رہے ہوتے۔"

افتخار صاحب نے اپنی اہلیہ سے کہا۔

"۲۷ اکتوبر کے لئے کیا کہتی ہو۔"

"مناسب ہے" انہوں نے جواب دیا۔ "اب آپ لوگ بھی سوچ سمجھ لیں۔ دولہا بھائی بھی اس وقت موجود ہیں اور باجی بھی ہیں۔"

"مجھے ۲۲ کو جانا ہے۔" شفیق احمد نے کہا۔ "پانچ روز کے لئے

لیکن خیر میں نہ جاؤں گا۔"

"تو پھر کل یا پرسوں تاریخ مقرر کر دی جائے۔" زبیدہ بیگم نے کہا۔"اب دن ہی کتنے رہ گئے ہیں۔ رہ گیا انتظام کا سوال تو وہ دونوں طرف پایہ تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔"

اس روز بات اسی جگہ ختم ہو گئی۔ دوسرے روز احمدی بیگم کو گیارہ بجے کے قریب سردی سے بخار آ گیا اور شام تک بخار ایک سو چار ڈگری تک پہنچ گیا۔ حامد ڈاکٹر کو لایا۔ اس نے احمدی بیگم کو دیکھ کر کہا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔ زکام بگڑ گیا ہے۔"

سبل طاہرہ صبیحہ اور اپنی خوش دامن کے ساتھ دروازے کے پاس پردے کی آڑ میں کھڑی ہوئی تھیں۔ اس نے ڈاکٹر سے انگریزی میں کہا۔

"نزلہ اور زکام میں درجہ حرارت اس تیزی کے ساتھ نہیں بڑھتا ہے۔ اور نہ اُن کو نزلہ کی شکایت تھی۔"

احمدی بیگم نے بھی اس کی تائید کی۔ اس وقت وہ زور زور سے سانسیں لے رہی تھیں۔

ڈاکٹر نے سبل کے ٹوکنے پر کہا۔

"انفلوئنزا میں درجہ حرارت بڑھ جاتا ہے۔"

"لیکن انفلوئنزا کی کوئی علامت تو ہے نہیں۔" سبل نے کہا۔

"ڈاکٹر نے چڑھ کر کہا۔" محترمہ! میں آپ سے زیادہ جانتا ہوں

میں اس کی روٹی کھاتا ہوں میرا یہی پیشہ ہے۔ صبح سے شام تک سیکڑوں مریضوں کو دیکھتا ہوں۔"

وہ سبل کی گفتگو اور اس کے انگریزی لہجے سے مرعوب ہو چلا تھا لیکن اس وقت سبل نے زیادہ بحث نہیں کی اور وہ چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد سبل نے زبیدہ بیگم سے کہا۔

خالہ امی! آپ کسی دوسرے ڈاکٹر کو بلائیے۔ وہ ڈاکٹر صاحب صحیح طور پر مرض کی تشخیص نہیں کر سکے ہیں۔"

افتخار احمد اسی وقت ڈاکٹر منصور علی خاں کو لائے۔ شہر میں اُن کی بہت شہرت تھی اُنہوں نے آتے ہی مریضہ کو دیکھا۔ پہلے ڈاکٹر کے نسخہ کو پڑھا۔ پھر مریضہ کو دیکھا اور افتخار احمد کو باہر لے جا کر کہا۔

"میں اس وقت مرض کے متعلق کوئی قطعی رائے نہیں قائم کر سکتا ہوں اس لئے کہ ابھی تک کوئی خاص علامت نہیں ظاہر ہوئی ہے۔ بہر حال اس وقت نسخہ لکھے دیتا ہوں آپ دوا پلائیے گا۔"

وہ نسخہ لکھ کر چلے گئے۔ طاہر اور اعجاز اسی وقت دوا لائے رات کو بخار کم ہوا اور احمدی بیگم سو گئیں۔ حامد اور سبل نے تمام رات دیکھ بھال کی۔ عتیق بھی اسی کمرے میں آرام کرسی پر لیٹا رہا۔ طاہرہ کی طبیعت بھی دوپہر سے سست تھی اس لئے سبل نے اس کو اصرار کر کے سلا دیا۔ صبح احمدی بیگم کی طبیعت اور زیادہ سنبھل گئی۔ ڈاکٹر منصور صبح پھر دیکھنے آئے اور اُن کو دیکھ کر چلے گئے۔"

دوپہر سے بخار پھر تیز ہوا۔ شام کو افتخار پھر ڈاکٹر منصور کو لائے

اُنہوں نے احمدی بیگم کو اچھی طرح دیکھا اور افتخار احمد سے کہا۔

"پتّے پر ورم آگیا ہے۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ میں انجکشن لکھے دیتا

ہوں۔ اس وقت ایک انجکشن دیا جائے گا۔ اور کل دو۔ ایک صبح اور دوسرا

سہ پہر۔"

"بخار اس وقت تیز ہے۔" افتخار صاحب نے کہا۔

"جب تک پتّے کا ورم کم نہ ہو گا۔ بخار تیز اور کم ہوتا رہے گا۔ آپ

لوگ فکر نہ کریں۔ رات کو دیکھ بھال کی ضرورت ہے۔ بائیں جانب مریضہ

کروٹ نہ لیں۔"

وہ ضروری باتیں سمجھا کر چلے گئے۔ حامد دوا لایا۔ سبل نے انجکشن دینے

کے لئے سیرنج بھی منگا لیا اور خود انجکشن لگایا۔ دس بجے تک احمدی بیگم کو

نیند آگئی۔ طاہرہ نے سبل سے کہا۔

"دلہن بھابی کل آپ تمام رات جاگی ہیں۔ آج آرام کیجئے۔"

اس کے اصرار پر سبل اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس کی طبیعت بھی

مضمحل ہو گئی تھی ورنہ احمدی بیگم نے شام ہی کو کہہ دیا تھا کہ وہ آرام کرے۔

طاہرہ نے حامد کو بھی مجبور کیا کہ وہ جا کر آرام کرے۔ زبیدہ بیگم اس وقت

وہیں تھیں انہوں نے کہا۔

"آج بہن کی دیکھ بھال میں کروں گی۔"

"خالہ جان آپ بھی جائیے۔ ایسا ہی ہے تو صبیحہ کو چھوڑ دیجئے۔"

زبیدہ بیگم نے صبیحہ کو وہیں چھوڑ دیا اور مکان جا کر اعجاز کو بھیج دیا کہ وہ رات کو حامد کے کمرے میں سوئے اور اگر ضرورت پڑے تو ان کو بلا کر لے جائے۔

اعجاز حامد کے کمرے میں چلا گیا۔ صبیحہ احمدی بیگم کے کمرے میں دوسرے پلنگ پر لیٹ گئی۔ طاہرہ نے ایک کتاب اٹھائی اور اپنی والدہ کے پلنگ کے قریب آرام کرسی ڈال کر اسی پر دراز ہو گئی۔ صبیحہ کچھ دیر بعد سو گئی۔ ایک بلی کے بچے نے باورچی خانہ سے دو ایک برتن گرائے۔ طاہرہ اٹھ کر دروازے کے پاس آئی۔ لیکن باورچی خانہ کی طرف بڑھنے کی جرأت نہ کی۔ اعجاز کی آنکھ بھی کھل گئی تھی۔ اور وہ بھی اٹھ کر دروازے کے پاس آگیا تھا۔ طاہرہ کو دیکھتے ہی وہ ٹھٹک کر وہیں کھڑا ہو گیا اور اس نے آہستہ سے طاہرہ سے دریافت کیا۔

"کیا آپ باورچی خانے کی طرف جا رہی ہیں؟"

طاہرہ نے چونک کر اس طرف دیکھا اور اُچک کر دروازے کے پاس آگئی۔

"میں ہوں! ڈریے نہیں" اعجاز نے کہا "بلی نے شاید باورچی خانے میں برتن گرائے ہیں۔"

"جی ہاں" اس نے دبی زبان سے کہا۔

"آپ جا کر دیکھ لیجئے۔ کیا آپ کے پاس ٹارچ ہے؟"

"نہیں ——!"

"تو پھر اندھیرے میں نہ جائیے۔ میں ٹارچ لاتی ہوں۔" وہ اپنی والدہ کے پاس کمرے میں آئی اور پہلے اُن کو دیکھا۔ وہ بے خبر سو رہی تھیں۔ صبیحہ بھی خراٹے لے رہی تھی۔ اس نے الماری سے ٹارچ نکالی اور دروازے کے پاس آکر باورچی خانے کی طرف ٹارچ کی روشنی پھینکی۔ دو تین برتن نعمت خانے کے پاس پڑے ہوئے تھے اور ایک چتلی بلی زینے کی طرف جا رہی تھی۔ اعجاز جلد جلد قدم اٹھاتا ہوا باورچی خانے میں پہنچا۔ طاہرہ ٹارچ کا رُخ اس طرف کئے رہی۔ اعجاز نے برتن اٹھا کر الماری میں رکھے اور دالان میں آگیا۔

"جائیے اب آپ آرام کیجئے۔" اعجاز نے طاہرہ سے کہا۔

"کیا آپ ابھی تک جاگ رہے تھے۔" طاہرہ نے آہستہ سے پوچھا

"جی نہیں۔ برتنوں کی آواز سنی آنکھ کھل گئی۔"

"آپ غلط کہہ رہے ہیں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "ابھی کوئی پندرہ بیس منٹ قبل آپ اٹھ کر صحن میں گئے تھے۔"

"ہاں اس کے بعد آکر لیٹا اور ویسے ہی سویا تھا کہ بلی نے برتن گرائے۔"

"چائے پیجئے گا۔"

"اس وقت چائے ——!" اعجاز نے پوچھا۔

"جی ہاں۔ میں نے جاگنے کی وجہ سے چائے تھرماس میں رکھ لی تھی۔"

وہ فوراً کمرے میں گئی اور ایک پیالے میں چائے لے کر آگئی۔ اس نے دروازے کی آڑ سے چائے کا پیالہ اس کی طرف بڑھایا اور اعجاز نے آگے بڑھ کر لے لیا۔

"خالہ جان! اب کیسی ہیں؟" اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"بخار ہے، لیکن بہت ہلکا ہے۔ سو رہی ہیں۔"

"مجھے ذرا اس الجھن میں نیند نہیں آئی تھی۔" اعجاز نے کہا۔ وہ یکایک علیل ہو گئیں۔ ان کی علالت سے سب پریشان ہیں۔"

ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ دو تین روز میں ٹھیک ہو جائیں گی۔"

"جی ——!"

اعجاز نے اس لہجے میں جواب دیا گویا وہ اس وقت کچھ سوچ رہا تھا۔ طاہرہ نے فوراً دریافت کیا۔

"آپ کیا سوچ رہے تھے؟"

"یہی کہ حالات کس طرح پلٹا کھا رہے ہیں۔"

"کیوں —— کیا ہوا ——" اس نے دروازہ پکڑ کر جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"ابھی میں نے سُنا ہے کہ پھوپھی اب اس رشتے کی مخالفت کر رہی ہیں ——"

طاہرہ کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی اور اس نے دروازے کو اس طرح پکڑ لیا گویا وہ گری پڑ رہی ہے اور جب اس کے

حواس بجا ہوئے تو اس نے پوچھا۔

"آپ سے کس نے کہا؟"

اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

"مجھ سے تو کسی نے نہیں کہا، لیکن جب امی یہاں سے گئیں تو ابو نے ان سے کہا۔ ان کے پاس شام کو خط آیا تھا۔"

طاہرہ اسی طرح دروازہ پکڑے اور اس پر سر ٹکائے خاموش کھڑی رہی۔ کچھ دیر بعد اعجاز نے کہا۔

"لیکن ان کی مخالفت بے سود ثابت ہو گی۔"

طاہرہ اسی طرح خاموش رہی۔ اعجاز نے چائے پی کر خالی پیالہ اس کی طرف بڑھایا۔ اس نے پیالہ لے کر میز پر رکھ دیا اور پھر دروازے کے پاس آکر کھڑی ہو گئی۔ اعجاز بھی دروازے کے پاس آگیا۔ اور سرگوشیوں کے لہجے میں اس سے کہا۔

"مجھے ان کی مخالفت کا سبب معلوم ہے۔"

"کیا معلوم ہے؟" اس نے رُندھی آواز میں پوچھا۔

"اُن کی بڑی لڑکی کا رشتہ بھوپال میں طے ہو چکا تھا، لیکن مجھ کو پرسوں ہی معلوم ہوا ہے کہ جس لڑکے سے اس کی شادی ہونے والی تھی، اس نے بمبئی میں کسی ایکٹرس سے شادی کر لی ہے اس لئے پھوپھی اماں نے مخالفت کی ہے۔"

طاہرہ نے پھر کوئی جواب نہ دیا۔ اعجاز نے چند سکنڈ بعد کہا۔

"ابو پھوپھی کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ سکتے ہیں۔ لیکن اپنے قول سے نہیں پھر سکتے۔"

طاہرہ نے طویل سانس لے کر سر جھکا لیا۔ اعجاز اس کے قریب کھڑا ہوا تھا۔ ان دونوں کے درمیان صرف دروازے کا پٹ تھا۔ طاہرہ کو پریشان اور مغموم دیکھ کر وہ پریشان ہو گیا اور اس نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"آپ پریشان نہ ہوں۔"

"طاہرہ نے ہلکی سی سسکی لی۔ اعجاز نے اس کا ہاتھ پکڑ کر آہستہ سے کھینچا۔ اور وہ اس کے سامنے آگئی۔

"ارے ——" اس نے گھبرا کر پھنسی ہوئی آواز میں کہا۔ "آپ رو رہی ہیں۔"

طاہرہ کی عجیب حالت ہو چکی تھی۔ اس نے اس کے شانے پر اپنی پیشانی رکھ دی اور اس کی سسکیوں میں اضافہ ہونے لگا۔ اعجاز نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"آپ کو میری جان کی قسم بس خاموش ہو جائیے۔ ان مخالفتوں سے کچھ نہ ہوگا۔"

کچھ دیر بعد طاہرہ نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور دوپٹے سے اپنی آنکھیں صاف کرتی ہوئی پھر دروازے کی دوسری جانب چلی گئی۔
اعجاز اسی جگہ کھڑا رہا۔ اور دروازے کے پاس اپنا چہرہ لے جا کر اس

نے آہستہ سے کہا۔

"آپ اس سلسلہ میں قطعی پریشان نہ ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ اس رخنہ اندازی سے کچھ نہ ہوگا۔"

"طاہرہ نے کچھ دیر بعد کہا۔"

"اچھا آپ جا کر آرام کیجئے۔"

"ہاں میں جا رہا ہوں۔ لیکن میرے سامنے آپ بھی چائے پی لیجئے۔"

"میں پی لوں گی۔"

"جی نہیں۔ میرے سامنے پی لیجئے۔"

"طاہرہ اسی پیالے میں چائے لے آئی اور پینے لگی۔"

"آپ نے پیالہ بھی نہ دھویا۔"

"آپ ہی نے تو چائے پی تھی۔"

اعجاز نے ہمت کر کے اس کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور اس کو سینے پر رکھ کر کہا۔

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں اپنے قول سے نہ پھروں گا۔"

"آپ کی پھوپی نے مجھ کو یتیم سمجھ کر ایسا لکھا ہے۔"

انہوں نے کچھ سمجھ کر یہ خط نہیں لکھا ہے۔ بلکہ بغیر سوچے سمجھے لکھ دیا ہے۔ اگر ان میں ذرا بھی عقل ہوتی تو وہ سب سے پہلے اس پہلو پر غور کرتیں کہ وہاں تو دن اور تاریخ کا تعین ہو رہا ہے۔ اور وہ دیکھ کر

غلط لکھ رہی ہیں۔ دراصل وہ ان تقاریب میں شریک نہیں ہونا چاہتی ہیں۔ اس لئے یہ شگوفہ چھوڑا ہے —— ورنہ وہ یہ بھی جانتی ہیں کہ میرے والدین کسی حالت میں بھی اس رشتہ کو منظور نہ کرینگے۔"

احمدی بیگم نے آہستہ سے کروٹ لی طاہرہ فوراً اپنا ہاتھ کھینچکر ان کے پاس پہنچ گئی۔ ڈاکٹر نے بائیں کروٹ کے لئے منع کیا تھا لیکن انہوں نے دائیں جانب کروٹ لی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ پھر دروازے کے پاس آگئی اور اس نے اعجاز سے کہا۔

"اچھا اب آپ جا کر آرام کیجئے ڈیڑھ بج چکا ہے۔"

"جی ہاں میں جا رہا ہوں۔"

وہ حامد کے کمرے میں چلا گیا۔ طاہرہ کچھ دیر تک اسی طرح دروازے کے پاس کھڑی ہوئی اس طرف دیکھتی رہی پھر اپنی ماں کے پلنگ کے پاس آئی اور ان کو دیکھ کر صبیحہ کے پاس پلنگ پر بیٹھ گئی۔ وہ بے خبر سو رہی تھی۔ پندرہ بیس منٹ بعد وہ بھی اس کے پاس لیٹ گئی اور چھت پر نگاہیں جما کر اپنے مستقبل کے متعلق سوچنے لگی۔ اعجاز نے اس کو جس طرح یقین دلایا تھا وہ اس کے اطمینان کے لئے کافی تھا۔ اس نے جو دلائل پیش کئے تھے وہ بھی معقول تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ پانی پت سے صرف اسی رشتہ کی مخالفت کیوں کی گئی ہے۔

ان ہی خیالات میں وہ سو گئی۔ صبح اس نے اور صبیحہ

دونوں نے نماز فجر ادا کی اور وہ اپنی والدہ کے پلنگ کے قریب ہی دوسرے پلنگ پر بیٹھ کر تلاوت کرنے لگی۔ احمدی بیگم اس وقت تک بے خبر سو رہی تھیں۔ اس نے تلاوت کے بعد دعا مانگی اور اٹھ کر دالان میں آئی۔ صبیحہ باورچی خانے کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے طاہرہ کو دیکھتے ہی کہا "آج ابھی تک بی آبادی نہیں آئی ہیں۔ میں چولھا جلاتی ہوں ورنہ وقت پر ناشتہ نہ تیار ہو سکے گا۔"

"ہاں تم چولھا جلاؤ میں امی کو دیکھ کر ابھی آتی ہوں۔"

"میرے بھائی جان شائد نماز پڑھنے گئے ہیں۔"

طاہرہ نے کہا۔ "ہاں! وہ بھائی جان کے ساتھ گئے ہیں۔ نماز پڑھ کر دونوں سیر کے لئے چلے جائیں گے۔"

طاہرہ باورچی خانے میں صبیحہ کے پاس بیٹھ گئی۔ اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ صبیحہ نے اس کو دیکھ کر دریافت کیا۔

"کیا بات ہے اس وقت چپ چپ سی ہو؟"

اس کے پیہم اصرار پر طاہرہ نے کہا "تمہارے بھائی جان نے رات کو ایک نئی خبر سنائی ہے۔"

صبیحہ ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔ طاہرہ نے کہا۔

"تمہاری پھوپھی نے تمہارے بھائی جان کے رشتے کی مخالفت کی ہے۔"

اب اس نے مسکرا کر کہا "ان کی مخالفت سے گویا یہ شادی نہ

ہو گی۔ تم اطمینان رکھو۔ ابو اور امی ایسے نہیں ہیں جو قول سے پھر جائیں۔"

"آخر اُن کے ذہن میں یہ بات آئی کیسے۔"

"ان کا دماغی توازن صحیح نہیں ہے۔ کبھی کبھی بے حد جذباتی ہو جاتی ہیں۔" صبیحہ نے کہا۔ "اور پھر سوچے سمجھے بغیر ایسی باتیں کرنے لگتی ہیں تم ان باتوں پر دھیان نہ دو۔"

"یہ تو ٹھیک ہے لیکن مجھے ڈر ہے کہ آگے چل کر کوئی نیا فتنہ نہ کھڑا ہو ——"

"کچھ بھی نہ ہوگا۔ صبیحہ نے کہا۔ میں کسی بہانے آج وہ خط دیکھ لوں گی۔"

صبیحہ نے چولھا جلایا اور دونوں ناشتہ تیار کرنے کا انتظام کر رہی تھیں کہ آبادی آ گئیں۔ وہ دونوں اُٹھ کر احمدی بیگم کے کمرے میں پہنچیں۔ سبل وہاں موجود تھی۔ احمدی بیگم بھی بیدار ہو چکی تھیں۔ ان کی حالت قدرے بہتر تھی۔ بخار بھی کم تھا۔ لیکن دائیں جانب پسلی کے نیچے درد تھا۔ سبل نے طاہرہ کی مدد سے ان کو اٹھا کر بٹھایا اور اس نے ان کا منہ دھلایا اور ان کو دوا پلا کر کہا۔

"انجکشن آٹھ بجے لگاؤں گی۔"

یہ درد بڑھتا جا رہا ہے۔ احمدی بیگم نے کہا۔

سبل نے دیکھ کر کہا۔ "اسی جگہ تو پتہ ہوتا ہے۔"

"یہاں ورم ہے اور اسی وجہ سے بخار آرہا ہے۔ کل تک ورم کم ہو گا اور بخار کم ہو جائے گا۔"

احمدی بیگم نے مسہری کے تکیہ پر سر ٹکایا دس بجے سلطانہ نور بانو اور حبیب کی والدہ اُن کو دیکھنے آئیں۔ کچھ دیر بعد تاج الدین کی اہلیہ اور منہاج کی والدہ آگئیں۔ محلے اور پاس پڑوس میں جب ان کی علالت کی اطلاع ہوئی تو عیادت کے لئے آنے والی عورتوں کا تانتا بندھ گیا اور وہ سلسلہ شام تک جاری رہا۔ اس روز ان کی حالت نسبتاً بہتر رہی۔ اور دوسرے روز بخار جاتا رہا۔ جب احمدی بیگم کی طبیعت سنبھلی تو زبیدہ بیگم نے اپنی نند کا خط دکھاتے ہوئے کہا۔

"صغریٰ باجی نے یہ ایک نیا گل کھلایا ہے اور آج میری سمجھ میں ایک نئی بات آئی ہے۔"

"وہ کیا — ؟"

"یہ کسی دلی والے کی شرارت معلوم ہوتی ہے۔" زبیدہ بیگم نے کہا۔ "صغریٰ باجی کبھی کبھی بہک ضرور جاتی ہیں۔ لیکن ایسا خط تو وہ کیا کوئی بھی کسی حالت میں نہ لکھے گا۔"

"ہاں بہن بات تو میری سمجھ میں بھی نہیں آتی ہے۔"

میں کل صبح باجی کے ساتھ جاؤں گی۔ دو ایک کام اور بھی ہیں۔ اور وہاں جاکر یہ راز کھلے گا۔ کہ یہ حرکت کس کی ہو سکتی

ہے ۔"

دونوں کچھ دیر تک اس موضوع پر گفتگو کرتی رہیں۔ سنبل اور طاہرہ وغیرہ کوٹھے پر تھیں ۔

۳۰

صغریٰ نے قسمیں کھاتے ہوئے کہا " اے دلہن تم بھی کمال کرتی ہو۔ یعنی میں تم کو خط لکھتی کہ اعجاز کی شادی طاہرہ کے ساتھ نہ کرو۔ جبکہ میں خود اس کو پسند کرتی ہوں "

" اسی لئے تو مجھ کو بھی تعجب تھا "

" اور مجھ کو اس پر تعجب ہے کہ تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں نے یہ خط بھیجا ہوگا "

دو تین روز پہلے ہی تو میں نے لکھا تھا کہ مجھ کو دس بارہ روز قبل اطلاع دینا " صغریٰ نے کہا " بہر حال تم اس کی چھان بین کرو۔ اس میں ضرور کسی کی سازش ہے۔ اور وہ اپنے خاندان ہی کا ہے۔ جس کو یہ معلوم ہے کہ میری لڑکی کی شادی جس لڑکے سے ہونے والی تھی وہ ٹھیک نہیں

ہے۔"

اس کا تو یہ مطلب ہے کہ کوئی اس رشتے کا مخالف ہے اور دونوں میں کسی ایک سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ یعنی یا تو طاہرہ سے اور یا اعجاز سے۔"

"ہاں ایسی ہی کوئی بات ہے۔" صغریٰ نے کہا۔ "پانی پت میں تو ایسا کوئی ہے نہیں۔ نہ تو کوئی لڑکا ہی ایسا ہے اور نہ کوئی لڑکی جو اس قابل ہو۔۔۔۔"

"اس قابل نہ سہی شرارت پسند تو ہیں۔"

زبیدہ بیگم نے کچھ سوچ کر کہا۔ "عبدالستار کا لڑکا وہاب ایسی باتوں میں بہت تیز ہے۔ وہ ہر طرف جوڑ توڑ کرتا رہتا ہے جب طاہرہ یہاں آئی تھی تو اس نے اس کو دیکھا بھی تھا یعنے دھوکے میں سامنا ہو گیا تھا۔ اور اس کے بعد طاہرہ صبیحہ اور دیگر لڑکیوں نے کئی بار شکایت کی کہ وہ چھپ چھپ کر تانک جھانک کرتا ہے۔"

ہاں ایک بار وہاب نے میرے یہاں بھی ایک روز طاہرہ کو دیکھنے کی کوشش کی تھی۔ اور ستار کی صاحبزادی نعیمہ بھی تو ماشاءاللہ بہت تیز اور چالاک ہیں وہ تو گھر سے باہر تک نام پیدا کر چکی ہیں۔ مطلوب احمد سے خط و کتابت کر رہی تھیں۔ اس کے بعد بھائی کے سنئے غلام محی الدین کرنال والے کی لڑکی سے دوستی کے پینگ بڑھائے وہ تو کہئے۔ اس کی چھوٹی بہن نے وقت پر بھانڈا پھوڑ دیا ورنہ اس لڑکی کی تو زندگی تباہ

ہو جاتی۔"

"بہت موذی ہیں دونوں بہن بھائی۔" زبیدہ بیگم نے کہا۔ "بے شرمی تو دیکھئے کہ بھائی چھوٹی بہن کے ذریعہ دوسری لڑکیوں سے دوستی پیدا کرتا ہے۔"

"میں تو ان لوگوں سے بہت محتاط رہتی ہوں ایسی لڑکیاں اس قابل نہیں ہیں کہ دوسری لڑکیوں میں بیٹھیں۔ ہیضے اور طاعون کے جراثیم ہیں۔ جس کے قریب پہنچ جائیں ہلاک ہو جائے۔"

"میں ایک روز جاؤں گی۔" زبیدہ بیگم نے کہا۔ "بشرطیکہ اس سلسلے میں کچھ معلوم ہو سکے۔"

"غفار کی بیوی سے معلوم ہو جائے گا۔" صغریٰ بیگم نے کہا۔ "دیورانی اور جٹھانی میں ہمیشہ کٹا چھنی رہتی ہے۔ وہ اُن کے بچوں کو برا بھلا کہتی اور کوستی پیٹتی رہتی ہیں اور وہ اُن کے بچوں کو —— دونوں ایک دوسرے کے بخیئے ادھیڑتی ہیں۔"

"دونوں کی جہالت ہے۔ بھلا بچوں نے کیا کیا ہے۔" زبیدہ بیگم نے کہا۔ "جیسے ان کے بچے ویسے ان کے ہیں تو دونوں حاجی عبدالجبار کی اولاد۔"

"دلہن ایمان کی بات تو یہ ہے کہ غفار کی بیوی بہر سیدھی ہے۔ اور اس کے بچے بھی قاعدے کے ہیں۔ لیکن ستار والی بڑی قلماقنی ہے ویسے ہی لڑکے اور لڑکیاں بھی ہیں۔ بڑی لڑکی خدیجہ بھی تو کیسے کیسے گل کھلا چکی ہے۔"

ناز دیکھئے۔ کیسے ہیں نام۔ عائشہ اور کرنو نسا یہ کچھ میرے خیال میں تو ان ہی دونوں کی یہ حرکت ہے۔ آپ اسی وقت غفار کی بیوی کو کسی بہانے سے بلائیں۔"

صغریٰ نے اسی وقت غفار کی بیوی کو بلایا۔ وہ اپنے چھوٹے بچے کو گود میں لئے ہوئے آئیں اور زبیدہ کو دیکھتے ہی معلوم کیا۔ انھوں نے ان کو اپنے پاس بٹھایا اور خیریت دریافت کرنے کے بعد ان کو خط دکھا کر کہا۔

"کیا تم بتا سکتی ہو کہ تحریر کس کی ہے؟"

غفار کی اہلیہ نے خط دیکھ کر کہا "یہ تو صغرا باجی کی طرف سے لکھا گیا ہے۔"

"ہاں ــــ لیکن اُنہوں نے نہیں لکھا ہے۔"

"تو پھر وہاب کی حرکت ہو گی" غفار کی بیوی نے کہا۔

"کیوں ــــ؟" زبیدہ نے پوچھا۔

اس نے صغریٰ باجی کے یہاں دلی والی لڑکی کو دیکھا اور اسی وقت سے وہ جوڑ توڑ کر رہا تھا۔"

"تم کو کیسے معلوم ہوا؟" زبیدہ نے پوچھا۔

"مجھ کو کیا۔ اس کا سب ہی کو علم ہے۔" غفار کی اہلیہ نے کہا "اُس نے حلیم اکبر اور احمد کس سے ذکر نہیں کیا۔ سب ہی تو جانتے ہیں اور وہ اب تک سینے پر ہاتھ مار کر کہتا ہے کہ اس لڑکی سے میں شادی کروں گا حلیم سے ایک

روز اسی بات پر جھگڑا بھی ہو گیا۔"

"کون حلیم ——— ؟" زبیدہ نے کہا۔ "گو لر والے ماموں کا پوتا۔"

"جی ہاں ———" غفار کی بیوی نے کہا۔ "ابھی کسی کو بھیج کر بلا لیجئے اس سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ یہ تحریر کس کی ہے۔"

صغریٰ نے اپنے چھوٹے لڑکے کو آواز دے کر بلایا اور غفار کی بیوی نے اس سے کہا۔

"املی کے نیچے یا اکبر کی ڈیوڑھی میں حلیم بیٹھا ہوگا۔"

"بیٹا ذرا بلا تو لاؤ۔ کہنا میکیوں نے بلایا ہے۔"

وہ لڑکا چلا گیا اور کچھ دیر بعد حلیم آ گیا۔ وہ حامد اور اعجاز کی عمر کا تھا۔ اس نے آتے ہی سب کو سلام کیا۔ اور دالان میں تخت پر بیٹھ گیا۔

"زبیدہ بیگم نے اس سے کہا" میں نے سنا ہے کہ آج کل رباب، دلی کی ایک لڑکی کو بہت بدنام کرتا پھر رہا ہے۔"

"جب آپ لوگ شادی میں آئی تھیں اس وقت سے وہ خدا معلوم کیا کیا کہتا پھر رہا ہے۔ ابھی کل ہی کی بات ہے۔ کہہ رہا تھا کہ اسی لڑکی کا خط آیا ہے۔ اس کی شادی ہونے والی ہے اور وہ بہت پریشان ہے اس نے یہ بھی کہا تھا کہ آپ دو ایک روز میں آنے والی ہیں۔"

زبیدہ کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔ رباب کے پاس طاہرہ کا خط پہنچنا اور رباب کا ایک روز قبل یہ بتا دینا کہ زبیدہ بیگم پانی پت آنے والی ہیں زبیدہ بیگم کے لئے تعجب خیز تھا۔ ان کی آمد کا علم وہ تین روز قبل صرف

صبیحہ طاہرہ اور احمدی بیگم ہی کو ہوا تھا۔ زبیدہ بیگم نے اس سے رازداری کی تاکید کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا پہچانو یہ خط کس کا ہے؟"

"نظیر کا ہے۔" حلیم نے فوراً جواب دیا۔ "نظیر ممدو کا لڑکا ہے۔ وہی جس کے یہاں کپڑے کا کام ہوتا ہے۔"

"وہ تو جولاہے ہیں۔" صغریٰ نے کہا۔

"ہوں گے ۔۔۔۔" مجھے نہیں معلوم۔ ہاں یہ ضرور جانتا ہوں کہ رباب اور نظیر میں بہت دوستی ہے۔"

" زبیدہ بیگم نے حلیم سے فوراً کہا۔" کیا تم نظیر کی تحریر کا نمونہ لا سکتے ہو۔۔۔؟"

"جی ہاں! نمونہ تو بہت آسانی کے ساتھ مل سکتا ہے۔" حلیم نے اُن کو جواب دیا۔ "اکبر اس کا ہم جماعت ہے۔ اس کے پاس اس کی ایک آدھ کاپی ضرور ہو گی۔"

"اگر مل سکے تو لاؤ۔"

"میں ایک بجے آسکوں گا۔" حلیم نے کہا۔ "اب دوکان پر جا رہا ہوں آج سلیم بھائی کھانا کھا کر نہیں گئے تھے۔ ان کو کھانا دینے جانا ہے۔"

"بہتر ہے ۔۔۔۔" زبیدہ بیگم نے کہا۔ "لیکن آنا ضرور ۔۔۔۔۔"

حلیم چلا گیا اور ڈیڑھ بجے ایک کاپی لے کر آیا۔ زبیدہ بیگم اور صغریٰ نے تحریر ملائی دونوں تحریریں یکساں تھیں۔ حلیم نے کہا۔

"یہ تو معلوم ہو گیا۔ اب یہ بھی معلوم کیجیے کہ دلی سے خط کون لکھتا ہے"

"وہ چھوٹا ہے میں نے خود خط آتے دیکھے ہیں۔"

"کس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہوتے ہیں؟" غفار کی بیوی نے پوچھا۔

"اس کا پتہ کیسے چل سکتا ہے۔ انہوں نے کسی کی تحریر دیکھی ہو تو بتا بھی سکیں" زبیدہ بیگم نے کہا۔ بہر حال یہ طے ہے کہ دلی سے خطوط آتے ہیں۔"

جی ہاں۔ حلیم نے کہا۔ آتے ضرور ہیں۔ کسی میں دعوت کے تذکرے ہوتے ہیں اور کسی میں سیر و تفریح کا۔"

زبیدہ بیگم خاموش ہو گئیں۔ حلیم چلا گیا۔ ڈھائی بجے غفار کی اہلیہ بھی چلی گئیں۔

زبیدہ خاموش بیٹھی ہوئی کچھ سوچ رہی تھیں۔ صغریٰ نے ان سے کہا۔

"حلیم کی باتوں سے تو ظاہر ہو رہا ہے کہ دہلی سے خط آتا ہے۔"

"اگر آتا بھی ہے تو طاہرہ کا نہیں ہو سکتا" زبیدہ نے کہا۔ میں اس کے متعلق سوچ ہی نہیں سکتی۔"

تم تو خیر عرصہ سے جانتی ہو۔ میں نے تو ابھی دیکھا ہے۔ کہیں بھی اس کے متعلق ایسی کوئی بات نہیں سوچ سکتی۔ صغریٰ نے کہا۔ لیکن خط آتا ضرور ہے اور کسی ایسے شخص کا آتا ہے جو حالات سے باخبر رہتا ہے۔ اور سب

کو بخوبی جانتا ہے۔"

"میں دہلی پہنچ کر اس کا پتہ چلاؤں گی۔"

"لیکن بہت خاموشی کے ساتھ۔" صغریٰ نے کہا۔ "اگر طاہرہ کو ان باتوں کا علم ہو گیا تو وہ جان دے دیگی۔ وہ بہت غیور لڑکی ہے۔"

"اس میں کیا کلام ہے۔" زبیدہ نے کہا۔ جو خط مجھ کو آپ کی طرف سے روانہ کیا گیا ہے۔ اس میں بھوپال والے لڑکے کے متعلق لکھا ہے۔"

"یہ خط تو رابعہ ہی نے لکھوایا ہے۔" صغریٰ نے دانت پیس کر کہا۔ خدا سمجھے اس مردے کو۔ ابھی دو چار روز قبل یہاں تذکرہ ضرور ہوا تھا۔ اور میں نے کسی سے۔ یونہی کہہ دیا تھا کہ میں اعجاز اور صبیحہ کی شادیوں میں شریک ہو سکوں گی اور وہ کم بخت لے اُڑا۔"

"وہ دونوں طرف کی پوری خبر رکھتا ہے۔" زبیدہ بیگم نے کہا۔ وہ اسی طرح کوئی دوسرا فتنہ بھی کھڑا کر سکتا ہے۔"

"بیشک اس میں کیا شک ہے۔"

زبیدہ بیگم اسی روز شام کو دہلی واپس آگئیں اور رات کو افتخار سے سب باتیں بتائیں۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کی عزت بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔"

"ہاں ـــــ کوئی تدبیر کیجئے۔ کسی طرح پتہ چلائیے۔ لیکن اس طرح کہ کسی کے کانوں کان بھنک نہ ملے۔"

خاص طور پر لڑکیوں کو بھی قطعی علم نہ ہو۔ ورنہ طاہرہ بانو رو رو کر جان دے دے گی۔ یہ اسی وقت کچھ کر بیٹھیں گی۔ یہ انتہائی خطرناک سازش ہے۔"

اس مسئلہ پر بہت دیر تک سوچنے کے بعد افتخار نے کہا۔

"وہ خط مجھ کو دو۔۔۔"

"کیا کیجئے گا۔۔۔"

"میں پتہ چلاؤں گا۔"

انہوں نے وہ خط افتخار کو دے دیا۔ افتخار نے دوسرے روز حامد کو تنہائی میں بلا کر تفصیل کے ساتھ ہر بات بتانے کے بعد کہا۔

"میرے خیال میں اس سازش میں اسی محلے یا آس پاس کی کوئی لڑکی شریک ہے۔"

"یہی ہو سکتا ہے۔"

"اب تم اس کا پتہ چلاؤ۔۔۔" افتخار احمد نے کہا۔ "لیکن اس طرح کہ طاہرہ کو علم نہ ہونے پائے ورنہ وہ اپنی حالت غیر کر لے گی اور یہ بات ہے بھی ایسی۔"

حامد بھی بہت دیر تک اسی پہلو پر غور کرتا رہا۔ یکایک اس کے ذہن میں ایک بات آئی اور وہ اسی روز رات کو منہاج کے پاس پہنچا۔ اور اس سے سب کچھ بتا کر کہا۔

"منہاج بھائی جان سے مشورہ کیجئے۔"

منہاج نے اسی وقت اس کی موجودگی میں نور بانو سے کہا۔ نور بانو انتہائی بزلہ سنج تھی لیکن اس کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی اور وہ سفید پڑ گئی۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟" حامد نے اس سے دریافت کیا۔

"اس سازش میں کسی ایسی لڑکی کا ہاتھ بھی ہے جو طاہرہ آپا کے پاس آتی جاتی رہتی ہے۔"

"ان کے پاس تو محلے کی سب ہی لڑکیاں آتی جاتی رہتی ہیں۔"

"اُن ہی میں سے کوئی ہو سکتی ہے۔" نور نے کہا۔ "اور وہ رضوانہ ہو سکتی ہے۔"

"رضوانہ ——؟" حامد چونک پڑا۔

"ہاں رضوانہ ——" نور بانو نے پورے یقین کے ساتھ کہا۔ "اور کوئی لڑکی نہیں ہو سکتی۔"

"وہ بہت تیز ہے۔ کیا آپ نے اس کو دیکھا ہے؟"

"ہاں وہ ایک بار نظر پڑی ہے۔" حامد نے کہا۔ "اس کا رنگ کھلتا ہوا ہے۔ ناک نقشہ بھلا ہے اور دانت بڑے ہیں۔"

"جی ہاں ——" نور بانو نے کہا۔ "پانی پت سے ولیمہ کے دن کئی لڑکیاں آئی تھیں ان میں ایک لڑکی عائشہ بھی تھی۔"

"عائشہ رباب کی بہن ہے۔" نور بانو نے کہا۔

"تو پھر رضوانہ کے علاوہ اور کوئی دوسری لڑکی نہیں ہو سکتی۔"

نور بانو نے پورے یقین کے ساتھ کہا۔ کیونکہ عائشہ سے اور اس سے ایک ہی دن میں بہت پینگ بڑھ گئے تھے اور دوسرے روز وہ اس کے یہاں تمام دن رہی تھی۔ اس پر پھوپھی جان نے کہا بھی تھا کہ ایک روز میں ایسے تعلقات بڑھ گئے کہ گھر کی لڑکیوں کو چھوڑ کر عائشہ بی وہاں پہنچ گئیں۔"

"نور بھابی! قسم خدا کی تم نے یہ مشکل آسان کر دی۔" حامد نے خوش ہو کر کہا۔ "بیشک اس سازش میں وہی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس نے دو چار بار مجھ سے گفتگو کرنے کی بھی کوشش کی تھی۔"

"کس نے ——؟" منہاج نے پوچھا۔

"رضوانہ نے۔" حامد نے جواب دیا۔ "اور جب اس کو میری طرف سے مایوسی ہوئی تو اس نے اعجاز کی طرف رخ کیا اور تین بار ان کے سامنے بھی آئی اور ان سے بات چیت بھی کی۔"

"تم کو کیسے معلوم ہوا ——؟" منہاج نے پوچھا۔

"اعجاز نے بتایا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ اس کا چال چلن اچھا نہیں ہے۔"

"تو بس پھر کچھ دریافت کرنے کی ضرورت نہیں۔" منہاج نے کہا۔ "اس سازش میں اسی کا ہاتھ ہے۔"

نور بانو نے کہا۔ "دریافت تو بہت کچھ کرنا ہے۔ رضوانہ عائشہ کے ساتھ سینما بھی دیکھنے گئی تھی۔"

"رباب بہت جوڑ توڑ کرتا ہے۔" حامد نے کہا۔ "خالہ جان اس کے متعلق بہت کچھ جانتی ہیں۔"

"رضوانہ اب بھی آتی جاتی ہے۔" نور بانو نے حامد سے کہا۔ "اور طاہرہ آپا کے پاس گھنٹوں بیٹھی رہتی ہے۔"

"ان دونوں کے درمیان خط و کتابت ضرور ہوتی ہوگی۔" حامد نے کہا۔ "رباب اور رضوانہ کے درمیان خط و کتابت ضرور ہوتی ہوگی۔"

حامد نے کہا۔ "رباب اور رضوانہ کے درمیان آپس میں یہ طے ہوا ہوگا کہ طاہرہ کو بدنام کرکے اس سے اعجاز کی شادی نہ ہونے دی جائے۔ اور جب آپس میں جھگڑا بڑھ جائے تو رباب کوشش کرکے طاہرہ کے لیے پیغام بھجوائے۔ اور رضوانہ اپنے اور اعجاز کے رشتے کے لیے کوشش کرے۔"

حامد نے سر جھکا لیا اور کچھ سوچنے لگا۔ نور بانو نے کہا۔

"اب کوئی صورت کی جائے کہ دونوں کے خطوط ہاتھ آجائیں۔ اس طرح پتہ چل سکتا ہے کہ دونوں کیا سازش کر رہے ہیں۔ میں نہیں سمجھتی تھی کہ وہ لڑکی اس قدر تیز اور چالاک ہوگی۔"

حامد نے اس سے کہا۔ "نور بھابی ــــ اب اس معاملہ میں تم کو بھی کچھ کرنا ہوگا۔"

"میں کیا کروں ــــ ؟"

"تم میرے یہاں روز جاؤ اور رضوانہ سے دوستی کی پینگ بڑھاؤ۔" حامد نے اس کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "تم رضوانہ پر یہ ظاہر کرو کہ تم بھی طاہرہ سے خوش نہیں ہو۔ شاید وہ اس طرح تم کو اپنا رازدار بنالے۔"

"ہاں یہ صورت بہتر ہو گی۔" نور بانو نے کہا۔ میں کل آؤں گی۔

منہاج نے کہا "خطوط بھی دیکھے جا سکتے ہیں یعنی پانی پت سے آنے والے خطوط ــــــ" عدیل احمد نعمانی میرے ایک دوست ہیں وہ ڈاکخانہ میں ملازم ہیں۔ ان کے ذریعہ یہ کام ہو سکتا ہے۔"

"ان کے پاس چلو۔"

حامد اس وقت واپس آگیا اور دوسرے روز منہاج کے ساتھ عدیل احمد نعمانی سے ملا۔

نعمانی منہاج کے بچپن کے دوستوں میں سے تھا۔ منہاج نے اس کو کل واقعہ بتا کر کہا۔

"میری پھوپھی زاد بہن کا معاملہ ہے اور اس کو بلا وجہ بدنام کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔"

کیا رضوانہ کے نام سے خطوط آتے ہیں؟" عدیل نے پوچھا۔

"جی ہاں ــــــ" حامد نے کہا۔ رضوانہ کے خطوط اسی کے نام سے آتے ہیں۔ میں نے پوسٹ مین کو اس کا نام لے کر خط دیتے ہوئے دیکھا۔"

وہ دونوں اس سے پوسٹ آفس میں ملے تھے۔ نعمانی نے منہاج سے کہا۔ تم یہیں میرا انتظار کرو۔ پوسٹ مین یہاں سے پونے دس بجے روانہ ہوتے ہیں۔ میں جا کر دیکھتا ہوں۔ نبی اللہ کوٹ میں صبح کی ڈاک تقسیم کرتا ہے اور عبدالرحیم بھی ڈاک لے جاتا ہے۔"

وہ چلا گیا اور چند منٹ بعد اس نے آکر کہا۔

آج کی ڈاک میں رضوانہ کے نام کوئی خط نہیں ہے۔ دو بجے اور پانچ بجے کی ڈاک کے لئے بھی میں نے ان سے کہہ دیا ہے وہ اس کے نام خطوط پہلے مجھ کو دکھا دیا کریں گے۔"

"تو پھر میں تم سے کس وقت ملوں۔" منہاج نے دریافت کیا۔

"میں صبح آٹھ بجے سے دو بجے تک رہتا ہوں۔"

نعمانی نے کہا "اس کے بعد مکان پر ملتا ہوں لیکن زحمت کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں تمہارے پاس آجاؤں گا۔ تم اطمینان رکھو۔ یہ کام تمہارا نہیں بلکہ میرا ہے۔"

حامد اور منہاج پوسٹ آفس سے باہر آئے اور حامد کالج چلا گیا۔

نور بانو بھی دس بجے طاہرہ کے یہاں پہنچی۔ طاہرہ صبیحہ سنبل، شاہدہ اور زاہدہ مدرسے میں تھیں رضوانہ بھی اس وقت آئی تھی اور زاہدہ کے پاس بیٹھی ہوئی اس سے باتیں کر رہی تھی۔ نور بانو نے فرداً فرداً سب سے گفتگو کی اور رضوانہ اور زاہدہ کے پاس بیٹھ گئی۔ رضوانہ کچھ دیر بعد اٹھ کر چلی گئی نور بانو بزلہ سنج ہونے کے ساتھ ہی باتوں میں بھی بہت تیز تھی۔ اس لئے کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد اس پر یہ ظاہر کر دیا کہ وہ طاہرہ سے خوش نہیں ہے۔ اور اس کے سسرال والے بھی طاہرہ اور اعجاز کے رشتے کو ناپسند کرتے ہیں۔

رضوانہ بہت چالاک تھی لیکن اسی کے ساتھ ایسے معاملات میں وہ دل کی بات فوراً زبان پر لے آتی تھی۔ اس لئے عائشہ نے اسکو اپنے

بھائی کی سازش میں شریک کر لیا تھا۔

نور بانو سے یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ وہ اور اس کے سسرال والے بھی اس رشتے کو ناپسند کرتے ہیں اور خوش نہیں ہیں۔ اس نے نور بانو سے کہا۔ "اگر آپ لوگ چاہیں تو یہ شادی نہیں ہو سکتی۔"

"ہم لوگوں کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔" نور بانو نے کہا۔ خود اس کی والدہ تو اعجاز پر جان دیتے ہوئے ہیں اور اعجاز کی والدہ بھی طاہرہ ہی کو بہو بنانے کا فیصلہ کر چکی ہیں۔

"انسان کوشش کرے تو کیا نہیں ہو سکتا ہے۔"

"ہم لوگ کیوں کوشش کریں۔" نور بانو نے کہا۔ وہ جانے اور اُن کا کام لیکن ہاں ہم لوگ خوش نہیں ہیں۔"

"اگر فرصت ہو تو کل اسی وقت میرے یہاں آئیے۔ ہاں اطمینان کے ساتھ باتیں ہونگی۔"

"آپ کے والدین کو تو اعتراض نہ ہو گا۔"

"بالکل نہیں ——" میرے والدین نے مجھ کو ان لڑکیوں کی طرح پٹاری کا انگور بنا کر نہیں رکھا ہے۔"

"میں جہاں چاہتی ہوں جاتی ہوں۔"

"میں کل آؤں گی ——" نور بانو نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ اب ذرا ان لوگوں سے بھی باتیں کر لوں۔ ورنہ شکایت کریں گی۔"

نور بانو کچھ دیر طاہرہ وغیرہ کے پاس بیٹھ کر اور احمدی بیگم سے باتیں

کرکے چلی گئی اور دوسرے روز گیارہ بجے رضوانہ کے یہاں پہنچی۔
"کیا آپ وہاں سے ہو کر آرہی ہیں؟" رضوانہ نے پوچھا۔
"نہیں آج وہاں تو نہیں گئی اور نہ جاؤں گی"
رضوانہ نے اس کو اپنے کمرے میں بٹھایا۔ اس کا کمرہ بہت آراستہ تھا۔ اس کے والد کی انگریزی دواؤں کی دوکان تھی۔ اور گھر میں پیسے کی کمی نہ تھی وہ والدین کی آنکھوں کا تارہ تھی اس لئے اس کی ہر خواہش پوری کی جاتی تھی۔ اس نے نور بانو کو چائے پلائی اور دونوں بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں۔ نور بانو نے کہا۔
"کل میں نے منہاج سے بھی ذکر کیا تھا۔"
"اپنے شوہر سے۔" اس نے پوچھا۔
"جی ہاں!"
"آپ ان کا نام لیتی ہیں۔" رضوانہ نے مسکرا کر کہا۔
"تو کیا ہوا۔ اسلام نے اس کی اجازت دی۔ شوہر بیوی کا اور بیوی شوہر کا نام لے سکتا ہے۔"
"مجھے کیا معلوم ——" اس نے مسکرا کر کہا۔
"آپ کی شادی کب تک ہوگی۔"
"میں کیا بتا سکتی ہوں۔" اس نے شرما کر کہا۔
"میں آپ کی والدہ سے تذکرہ کروں گی۔"
رضوانہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور اس سے ملتجیانہ لہجے میں کہا

نہیں بہن ان سے کچھ نہ کہے گا۔ کئی پیغامات آئے لیکن جب میری رائے معلوم کی گئی تو میں نے انکار کر دیا۔"

"کیوں ——— ؟" نور بانو نے دریافت کیا۔

رضوانہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ نور بانو نے مسکرا کر دریافت کیا۔

"کس کی طرف خیال ہے ۔"

اس نے طویل ٹھنڈا سانس لیا۔ نور بانو نے تدبیر کارگر ہوتے ہوئے دیکھ کر کچھ دیر بعد اس سے اس کے دل کا حال معلوم کر لیا اور دونوں اسی موضوع پر باتیں کرنے لگیں۔

"نور بانو نے کہا" اعجاز تو خود بھی چاہتے ہیں کہ ان کی شادی طاہرہ سے ہو۔"

"خیر اللہ مالک ہے۔" اس نے بہت اطمینان کے ساتھ کہا۔ "میں بھی خاموش بیٹھنے والی نہیں ہوں۔ اعجاز پر پہلا حق میرا ہے۔"

"کیا انہوں نے تم سے وعدہ کیا تھا ؟"

" وعدہ تو نہیں کیا تھا لیکن گفتگو کا انداز کچھ ایسا ہی تھا۔ اس نے پُر جوش لہجے میں کہا۔

نور بانو نے اس کو اور زیادہ اشتعال دلایا اور اس نے اپنی اور عائشہ کی ملاقات اور رباب سے گفتگو کا حال بتا دیا۔ نور بانو نے کہا۔

"خیر اس طرح اس کا تو امکان ہے کہ آپ کی طرف سے کوشش کی

جائے اور اعجاز سے آپ کی شادی ہو جائے۔ لیکن رباب ظاہر ہے، کیسے شادی کر سکتا ہے۔"

"جیسے اعجاز کر سکتے تھے۔" رضوانہ نے کہا۔ "وہ بھی روپے پیسے میں بیٹے نہیں ہیں رباب، کے باپ چمڑے کا کاروبار کرتے ہیں۔ جب طاہرہ کی بدنامی ہو گی تو ان کی والدہ فوراً رباب سے ان کی شادی کر دینگی۔"

"مجھے یہ بیل منڈھے چڑھتی نظر نہیں آتی ہے۔" نور بانو نے منہ بنا کر کہا۔ "تدبیر تو اچھی کی گئی ہے لیکن منصوبہ کے مطابق عملی جامہ پہنانا آپ کے اور ان کے دونوں کے بس کی بات نہیں ہے۔"

"آپ دیکھ لیجئے گا۔"

رضوانہ نے کہا۔ "میرے پاس طاہرہ کی تحریر ہے۔ اس سے کام لیا جائیگا۔ انہوں نے مجھ کو ایک بہن کا خط دوسری بہن کے نام کے عنوان سے ایک مضمون لکھ کر دیا تھا۔ اس مضمون میں میں نے کچھ ایسی بھی باتیں لکھائی ہیں۔ میں اسی سے کام لوں گی۔"

"محبت اور جنگ میں ہر بات جائز رہتی ہے۔"

نور بانو اس خوفناک انکشاف سے پریشان ہو گئی۔ اس کے قلب کی حرکت تیز ہو گئی لیکن اس نے اپنی حالت اس پر ظاہر نہ ہونے دی اور کچھ دیر بعد اس سے کہا۔

"رباب کس حد تک مدد کریں گے۔"

"آج سے کل تک جواب آ جائے گا۔" نور بانو نے کہا۔ "میں آپ کو

ان کا خط دکھاؤں گی۔"

نور بانو ساڑھے بارہ بجے واپس چلی گئی۔ اس وقت منہاج بھی کہیں سے واپس آیا تھا۔ اس نے نور بانو کو کمرے میں بلاکر ایک لفافہ دیتے ہوئے کہا۔

"یہ خط پانی پت سے رضوانہ کے نام آیا ہے۔"

نور بانو نے خط کھول کر پڑھا رباب نے رضوانہ کو لکھا تھا کہ وہ اسی ہفتہ دہلی آئے گا۔ اور دونوں مشورہ کرنے کے بعد طاہرہ کے خلاف افتخار اور اعجاز کو بذریعہ خط مطلع کریں گے کہ اس کا چال چلن مشتبہ ہے۔ پانی پت میں اس نے رباب سے دوستی کے پینگ بڑھائے تھے اور دونوں چھپ چھپ کر ملتے تھے اور وہ اپنی کسی سہیلی کے ذریعہ اس سے خط وکتابت کرتی ہے۔

"اگر یہ خط اس حرامزادی تک پہنچ گیا تو طاہرہ آپا بے موت مر جائیں گی۔"

"میں نے نقل کر لیا ہے۔ اور اس کا فوٹو بھی لے لیا گیا ہے۔" منہاج نے کہا۔

"کیا یہ غائب نہیں کیا جا سکتا۔" نور بانو نے دریافت کیا۔

"اگر یہ خط غائب کر دیا گیا تو سازش نامکمل رہ جائے گی۔ تو پھر ہم ثبوت کس طرح پیش کر سکیں گے۔"

"اس کی نقل اور عکسی فوٹو سے۔" منہاج نے جواب دیا۔

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا ہے کہ ایسا ہی دوسرا خط لکھ کر لفافے میں رکھ دیا جائے۔"

"نہیں ـــــ دوسرے کے خطوط غائب کر دینا بھی تو جرم ہے نقل کے متعلق تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ رضوانہ کے کمرے میں نقل کیا گیا خیر تم اس کی فکر نہ کرو ـــــ اور اب یہ کوشش کرو کہ وہ اس کا جواب تمہارے ہی سامنے لکھے۔ اور اگر تمہارے سامنے نہ لکھے تو یہ تو ضرور معلوم کر لو کہ وہ کس وقت سپردِ ڈاک کرے گی۔ اور کس لیٹر بکس میں چھوڑے گی۔"

"حامد بھائی جان نے بھی یہ خط دیکھا؟"

"ہاں اُن کو دکھا دیا ہے۔ اور اسی وقت انہوں نے اعجاز کے والد صاحب کو بھی دکھا دیا۔ وہ ایک محکمہ کے ڈپٹی ڈائرکٹر ہیں۔ اگر پولیس کو مطلع کر دیں تو چند گھنٹوں بعد رضوانہ بھی بندھی بندھی پھریں اور رباب بھی جیل میں سڑا دیا جائے لیکن عزت کا معاملہ ہے۔ خیر تم اگر طاہرہ کی وہ تحریر وہاں سے اڑا دو تو کام بن جائے۔"

"میرے خیال میں یہ تو ممکن نہ ہوگا۔" نور بانو نے کہا۔ اس نے وہ تحریر مجھ کو بھی نہیں دکھائی ہے۔ خیر میں کوشش کروں گی۔"

منہاج نے کہا۔ خدا کو کچھ اچھا کرنا منظور تھا کہ یہ خط تمہارے ہاتھ آ گیا۔"

"خدا غارت کرے اس کو ـــــ" نور بانو نے کہا۔ بہت تیز ہے کہاں سے کہاں سلسلہ ملایا ہے۔ اور وہ کم بخت رباب بھی بہت تیز ہے

منہاج نے کہا۔ اس سے تیز اس کی بہن ہے جس نے صدہا مہمان عورتوں میں رضوانہ کو منتخب کیا اور اس کو اپنا ہمراز بنا لیا۔

"حامد بھائی کل یہاں نہیں آئے۔"

"آج آئیں گے —— وہ واقعی بہت پریشان ہیں۔" منہاج نے کہا۔ "ہونا بھی چاہیئے اس لیئے کہ بہن کا معاملہ ہے اور بہن بھی ایسی کہ اللہ میاں کی گائے۔"

"طاہرہ آپا تو واقعی صبیحہ آپا سے بھی زیادہ سیدھی ہیں۔" نور بانو نے کہا۔ "صبیحہ تو کسی وقت کسی بات کا جواب بھی دے دیتی ہیں لیکن وہ تو منہ دیکھتی رہ جاتی ہیں۔"

منہاج نے کہا۔ خیر دیکھا جائے گا۔ قدرت بھی دونوں سے ایسا انتقام لے گی کہ یاد کریں گے۔"

"اچھا میں یہ خط واپس کرنے جا رہا ہوں۔"

منہاج اسی وقت چلا گیا۔

۳۱

حامد نے گلی کی نکڑ سے سڑک کی طرف دیکھا۔ رضوانہ ایک ٹانگے پر بیٹھ کر جا رہی تھی۔ افتخار صاحب اور منہاج بھی دوسری گلی سے قدم اٹھاتے ہوئے آ گئے۔ افتخار نے حامد سے کہا۔

"تم منہاج کے ساتھ فراش خانہ جاؤ اور ادھر اُدھر سے دیکھتے رہو کہ رباب کس وقت آتا ہے۔ میں رضوانہ کے باپ کی دوکان سے کچھ فاصلے پر سڑک پر ٹہلتا ہوا ملوں گا۔"

"سوا دس کا وقت ہے۔" حامد نے گھڑی دیکھ کر کہا۔ "پانی پت والی ٹرین ٹھیک ساڑھے دس پر آتی ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ رباب گیارہ سوا گیارہ بجے تک فراش خانہ پہنچے گا۔"

"ہاں!" افتخار صاحب نے کہا۔ "اور اس کو دیکھتے ہی تم میرے پاس

آجانا۔"

"میں وہیں رہوں گا۔" منہاج نے کہا۔ رضوانہ کی سہیلی کا نام منیر ہے۔ وہ اس کی رازدار ہے۔ منیر کے مکان کے برابر ہی ہے۔"

وہیں حمید صاحب کا مکان ہے میں ان ہی کے کمرے میں آپ لوگوں کا انتظار کروں گا۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" افتخار احمد نے کہا۔ کمرے میں انتظار کرنا۔

وہ دونوں ایک تانگہ پر بیٹھ کر چلے گئے۔ افتخار صاحب ٹہلتے ہوئے آگے بڑھے۔ ایک چوراہے پر پہنچ کر ایک تانگے پر بیٹھے اور کچھ دیر بعد رضوانہ کے والد کی دوکان کے سامنے پہنچ گئے۔ رضوانہ کے والد غیاث احمد دوکان پر تھے۔ افتخار احمد سے اُن کی پرانی سلام دعا تھی اور جہاں دونوں ایک دوسرے کو مل جاتے تھے ٹھہر کر خیریت ضرور دریافت کر لیتے تھے وہ بھی وضع کے پابند تھے۔ افتخار صاحب عمداً ان کی نگاہوں کے سامنے نہیں پڑے اور کچھ دور آگے بڑھ کر سڑک کے کنارے کھڑے ہو گئے۔ وقت کاٹے نہیں کٹ رہا تھا۔ سڑک کی چہل پہل ٹرافک کی آواز ٹرام کی گڑگڑاہٹ اور تانگے والوں کی چیخ پکار سے اس وقت کان پڑی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ ان سے کچھ فاصلے پر چند جھلی والے فٹ پاتھ پر کھڑے ہوئے آپس میں لڑ رہے تھے اور قریب ہی کھڑی ہوئی ٹیکسیوں کے ڈرائیور اُن کی لڑائی سے تفریح لے رہے تھے۔

اس جگہ کا شور شغف اور چہل پہل غرضیکہ ہر چیز ان کو اپنی طرف

متوجہ کر رہی تھی۔ لیکن طاہرہ کی مظلومیت ان کا سکون غارت کئے ہوئے تھی۔ اور اس کا معصوم پیکر ان کی نگاہوں کے سامنے پھر رہا تھا۔ انہوں نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھی ۱۱ بجنے میں بیس منٹ باقی تھے۔ انہوں نے مسجد کے میناروں کی طرف دیکھا اور ٹھنڈا سانس لے کر پھر سڑک کے کنارے ٹہلنے لگے۔ وقت کاٹے نہیں کٹ رہا ہے۔

افتخار صاحب نے ایک بار پھر اسٹیشن سے آتے ہوئے تانگوں کی طرف دیکھا۔ سڑک پر ٹریفک کا تانتا بندھا ہوا تھا اور وہ اپنے خیالات میں کھوئے ہوئے تھے۔ وہ دو ایک منٹ کے لئے بجلی کے ایک کھمبے کے پاس کھڑے ہو گئے اور پھر کمر پر ہاتھ باندھ کر ٹہلنے لگے۔ جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا تھا ان کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ ان کے قریب سے ایک شخص گزرا۔ وہ اس کو جانتے تھے اس لئے آواز دے کر ٹھہرایا اور اس سے باتیں کرنے لگے۔ اس طرح دس منٹ اور گزر گئے۔ اس کے جانے کے بعد انہوں نے جیب سے سگریٹ کیس نکال کر سلگایا اور دو چار کش لینے کے بعد پھر اسٹیشن سے آنے والے ٹریفک کی طرف دیکھا۔

سڑک اتنی مصروف تھی کہ اسٹیشن سے آنے والے تانگوں کا اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا تھا۔

افتخار صاحب نے دو چار قدم آگے بڑھ کر غیاث احمد کی دوکان کی طرف دیکھا۔ وہ ایک ملازم سے ایک پیٹی کھلوا رہے تھے۔

"کیا دنیا ہے ——" افتخار صاحب نے اپنے دل میں کہا۔ باپ

شب روز ایک کے چار بنانے کی دھن میں پاگل ہو رہا ہے۔ اور بیٹی اپنے حصول مقصد کے لئے ایک خود غرض آوارہ لڑکے سے ساز باز کر رہی ہے۔

ٹانگوں کے پہیئے آپس میں ٹکرائے اور ان کی مڈبھیڑ دیکھ کر وہ اس طرف متوجہ ہو گئے۔ دونوں ٹانگے والے ایک دوسرے کو صلواتیں سنانے لگے اور سواریاں دونوں کو بُرا بھلا کہنے لگیں۔

ٹانگے پیچھے ہٹے اور پھر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے اور دو چار منٹ اس طرح اور گزر گئے۔ گیارہ بج کر دس منٹ پر انہوں نے پھر ایک سگریٹ سلگایا اور اس کے کش پینے لگے۔ سوا گیارہ بجے حامد ایک ٹانگے پر آیا اور ان کو اسی ٹانگے پر بٹھا کر پھر واپس ہوا۔

"ابھی آئے رباب صاحب ———" حامد نے راستے میں کہا۔ قمیص اور پینٹ پہنے ہوئے ہیں اور ہاتھ میں ایک سفری بیگ ہے۔

"یعنی وہ آج ہی واپس بھی چلا جائے گا"

"کہاں بیٹھا ہے ——— ؟"

"کمرے میں ———" حامد نے کہا۔ اور دروازے بند کر لئے گئے ہیں۔

"ٹانگے والے ———" افتخار صاحب نے ٹانگے والے کو مخاطب کیا۔ ٹانگہ اس طرف واپس لے چلو۔ جہاں سے میں بیٹھا ہوں"

ٹانگہ غیاث احمد کی دوکان کے سامنے پہنچ گیا۔ غیاث احمد صاحب

کسی گاہک سے پیسے وصول کر رہے تھے۔ افتخار اتر کر دوکان میں داخل ہوئے۔ غیاث احمد سلام کا جواب دیتے ہوئے ان کے پاس آ گئے۔

"آیئے ڈپٹی صاحب! کیسے زحمت کی اس وقت——"

"ایک ضروری کام سے آپ کے پاس آیا ہوں——" افتخار احمد نے کہا۔ آپ سے کچھ تعلقات ہیں کہ مجھے آپ کی خاطر سے اس وقت آنا پڑا۔"

غیاث احمد نے گھبرا کر دریافت کیا۔

"خیریت تو ہے۔ کیا بات ہے۔"

"آپ کی صاحبزادی بہت غلط راستے پر پڑ گئی ہیں——" افتخار صاحب نے کہا۔

غیاث احمد کا چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ افتخار صاحب نے کہا——"

میرے آگے بھی لڑکیاں ہیں۔ میں اپنی ہی طرح دوسروں کی عزت اور ناموس کا خیال رکھتا ہوں۔ رضوانہ میرے ایک رشتہ دار سے خط و کتابت کرتی ہیں اس کا نام رباب ہے۔ وہ پانی پت میں رہتا ہے اور یہاں آتا رہتا ہے۔ وہ اس وقت بھی آیا ہے۔"

"کہاں ہے وہ مستفنی——" غیاث احمد نے پوچھا۔

"فراش خانہ میں——" افتخار احمد نے جواب دیا۔ وہاں رضوانہ کی ایک سہیلی منیر رہتی ہے۔ اتفاق سے ایک خط میرے ہاتھ پڑ گیا۔

تو مجھ کو اس کا علم ہوا۔ اس وقت وہ دونوں وہیں ہیں۔"

غیاث احمد نے دوکان پر بیٹھے ہوئے ایک شخص سے کہا۔

"شفیع گاہکوں کو دیکھتے رہنا۔ میں ابھی آیا۔"

وہ افتخار احمد کے ساتھ باہر آ گئے اور تانگے پر بیٹھ کر اسی وقت فراش خانے پہنچے۔ حامد نے ایک مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

"اس مکان میں ہیں۔ یہ سامنے جو کمرہ ہے اسی میں دونوں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے ہیں۔

افتخار احمد ملحقہ مکان کے کمرے میں چلے گئے۔ حامد نے تانگے کا کرایہ دیا اور وہ چلا گیا۔ غیاث احمد کمرے کے دروازے پر دستک دینے کے بجائے ڈیوڑھی میں پہنچے کمرے کے تین دروازے سڑک پر کھلتے تھے۔ اور ایک ڈیوڑھی میں۔ سڑک پر کھلنے والے دروازے بند تھے ڈیوڑھی کے دروازے کا ایک پٹ بالکل بند تھا اور دوسرا پٹ نصف سے کچھ کم کھلا ہوا تھا۔

غیاث احمد دروازے کے پاس کھڑے ہو گئے اور کان لگا کر اندر کی باتیں سننے لگے۔ اور اپنی لڑکی کی آواز پہچانتے ہی دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہو گئے۔

"ابا میاں ——!"

اُن کو دیکھتے ہی رضوانہ نے گھبرا کر کہا۔ رباب بھی گھبرا کر کھڑا ہو گیا

کمرے میں ایک پلنگ پڑا ہوا تھا اور دونوں اسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اپنی لڑکی کو ایک نامحرم نوجوان کے ساتھ بیٹھا ہوا دیکھ کر وہ آپے سے باہر ہو گئے۔ اور جھپٹ کر رباب سے گتھ گئے۔ لیکن اول تو وہ ان سے ہاتھ پیروں میں اچھا تھا دوسرے وہ عمر رسیدہ تھے اور رباب چوبیس پچیس سال کا نوجوان۔ اس نے بہت جلد خود کو ان کی گرفت سے نکال کر اُن کو پلنگ پر گرا دیا اور دروازہ کھول کر بھاگ نکلا۔ رضوانہ نے جھپٹ کر دروازہ بند کر لیا اور اپنے باپ کے پیروں سے لپٹ کر گڑگڑانے لگی۔

"ابو خدا کے لئے پہلے میری بات سن لیجئے۔"

غیاث احمد غیظ میں تھر تھر کانپ رہے تھے اور ان کے منہ سے پوری بات نہیں نکل رہی تھی۔ اس وقت تک رضوانہ کی سہیلی کے گھر والوں کو بھی یہ نہیں معلوم ہوا تھا کہ کمرے میں کیا واقعہ ہوا ہے۔ رضوانہ نے اپنے والد کا جواب سنے بغیر کہا۔

"رباب بھائی! طاہرہ کے لئے آئے تھے۔"

غیاث احمد نے فوراً چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ طاہرہ کے بھائی حامد ہی کے ساتھ وہاں تک پہنچے تھے۔ اس لئے انہوں نے فوراً سنبھل کر دریافت کیا۔

"طاہرہ کے لئے، طاہرہ سے اور تجھ سے کیا مطلب۔"

"گھر پر چلئے تو اطمینان کے ساتھ بتاؤں۔" رضوانہ نے تیر نشانے پر لگتا ہوا دیکھ کر کہا۔ آپ میری عزت یا میرے چال چلن پر شک نہ

کیجئے۔ ابّا میاں میں حلف اٹھانے کے لئے تیار ہوں۔"
"اچھا چلو میرے ساتھ ——" غیاث احمد نے اس سے کہا۔
وہ اندر جانے لگی۔ انھوں نے کہا۔
"اندر جانے کی ضرورت نہیں۔ آواز دے کر برقع مانگ لو اور کوئی بہانہ کر کے میرے ساتھ چلو۔"
رضوانہ نے منیر کو آواز دے کر برقع منگایا اور اس سے کہا۔
"ابّا میاں بلانے آئے ہیں۔ جا رہی ہوں پھر کسی وقت آؤں گی۔"
اور رباب —— منیر نے پوچھا۔
"وہ بھی ہیں —— رضوانہ نے جواب دیا۔" میری خالہ کی طبیعت ناساز ہو گئی ہے۔ ان ہی کو دیکھنے جا رہی ہوں۔"
"وہ برقع پہن کر کمرے میں آئی۔"
"یہ بیگ ——" غیاث احمد نے پوچھا۔
"رباب بھائی کا ہے۔" اس کے منہ سے دھوکے میں نکل گیا۔
غیاث احمد نے بیگ ہاتھ میں اٹھا لیا اور ڈیوڑھی سے ہوتے ہوئے رضوانہ کے ساتھ باہر ہو گئے۔ افتخار احمد، منہاج اور حامد سڑک کے موڑ پر کھڑے ہوئے تھے۔ رضوانہ کو پسینہ آ گیا اور چلنے میں اس کے پیر کانپنے لگے۔ غیاث احمد نے افتخار احمد کے پاس پہنچ کر کہا۔"
"وہ حضرت کہاں گئے۔"
وہ تو نکل گیا۔ افتخار احمد نے کہا۔ ہم لوگ کمرے میں تھے۔

اس کو بھاگتا ہوا دیکھ کر ہی تو میں باہر نکلا اور ان لوگوں کو اس کے پیچھے دوڑا۔ لیکن وہ نکل گیا۔ خیر وہ جائے گا کہاں۔ میں اس کو پاتال سے بلاؤں گا۔"

"یہ کہتی ہیں کہ وہ طاہرہ کے لئے آیا تھا۔"

"بالکل صحیح کہتی ہیں۔ انہوں نے اس کو اسی لئے بلایا تھا۔ افتخار احمد نے کہا۔ لیکن اس پہلو پر بھی تو غور کیجئے کہ ان کی ملاقات اس سے کیسے ہوئی اور یہ ایک نامحرم نوجوان سے یہاں ملنے کیوں آئیں اور کمرے کے دروازے بند کر کے اس سے کیا گفتگو کر رہی تھیں۔"

غیاث احمد کا سر ندامت سے جھک گیا۔ انہوں نے اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیر کر سڑک کی طرف دیکھا اور کچھ سوچنے لگا۔

اب ان کو مکان لے جا کر پہلے ان سے دریافت کیجئے کہ انہوں نے اس سے دوستی کیوں کی اور خط و کتابت کیوں کرتی رہیں ——" افتخار احمد نے غیاث سے کہا۔ اس بیگ میں بھی چند خطوط ہوں گے۔ نکال لیجئے اور ان سے بازپرس کر کے میرے پاس آئیے میں اپنے کمرے میں ہوں۔ میرے پاس بھی ایک اہم تحریر ہے اور اگر وہ تحریریں پولیس کے حوالے کر دوں تو یہ بھی اسی وقت گرفتار ہو جائیں اور رباب بھی بندھے بندھے پھریں۔

غیاث احمد کی آنکھوں میں آنسو جھلک آئے اور انہوں نے گڑگڑا کر کہا۔

"مجھے کچھ وقت دیجئے۔ میں ان کو مکان پر پہنچا کر آپ کے پاس آتا ہوں۔"

"میرے سامنے بیگ کھول کر تلاشی لیجئے۔" افتخار احمد نے کہا۔ "شاید کوئی مفید چیز ہاتھ آجائے۔"

غیاث احمد نے اس وقت بیگ کھول کر دیکھا۔ اس میں خطوط کا ایک بنڈل نکلا۔ وہ خطوط رضوانہ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے۔ حامد نے بنڈل لے کر خطوط کو شمار کیا۔ اس میں بارہ لفافے تھے۔

"غیاث احمد صاحب! آپ میری نیت پر شک نہ کریں۔ میرے آگے بھی لڑکیاں ہیں جیسے میری عزت ویسے آپ کی ——" یہ خطوط آپ یا تو مجھ کو دے دیں یا اپنے قبضے میں رکھیں۔ اگر یہ آپ کی صاحبزادی کو مل گئے تو یہ اسی وقت ان کو ضائع کر دیں گی۔"

مجھ کو آپ پر اعتماد ہے۔ غیاث احمد نے کہا۔ آپ یہ بیگ اپنے پاس ہی رکھ لیجئے۔ میں جا کر اسی وقت اُن کے کمرے کی تلاشی لیتا ہوں۔ وہاں بھی کچھ خطوط ضرور ہوں گے۔ میں وہ خطوط لے کر ابھی آپ کے پاس آتا ہوں۔ پھر آپ جیسا مشورہ دیں گے۔ ویسا کیا جائے گا۔"

حامد نے بیگ ان کے ہاتھ سے لے کر اس میں خطوط کا بنڈل رکھا اور اسے بند کر کے اٹھاتے ہوئے کہا۔

میں تانگہ بلاتا ہوں۔ آپ تانگے پر لے جائیے۔

منہاج نے ایک تانگہ بلایا اور غیاث احمد رضوانہ کے ساتھ تانگے

پر بیٹھ گئے۔ افتخار احمد نے ان سے کہا۔

"میں مکان پر ملونگا۔"

تانگہ حوض قاضی کی طرف روانہ ہوا۔ افتخار احمد، حامد اور منہاج کے ساتھ آگے بڑھے کچھ دور چل کر ان کو بھی ایک تانگہ مل گیا اور وہ لوگ بھی تانگے پر بیٹھ گئے۔

عنایت احمد صوم و صلوٰۃ کے پابند قدیم وضع کے آدمی تھے دَور حاضرہ کی تعلیم سے نابلد تھے۔ لیکن ایک قدیم مدرسہ میں دینی تعلیم حاصل کی تھی۔ گھر کا ماحول بھی شرفا دہلی کی اکثریت کی طرح بالکل مشرقی تھا بیوی کے کہنے سننے سے رضوانہ کو ایک زنانہ اسکول میں چھٹی تک تعلیم دلائی تھی۔ قدیم وضع کے عام مسلمانوں کی طرح ان کا بھی یہی خیال تھا کہ لڑکیاں اسکول میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد بے راہ روی اختیار کر لیتی ہیں۔ اور اگر برے راستے پر نہیں پڑتی ہیں تو بھی اسلاف کی روش سے ہٹ جاتی ہیں۔

انہوں نے رضوانہ کو جس بے تکلفی کے ساتھ رباب کے ساتھ بیٹھے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ ان کا خون کھولا دینے کے لئے کافی تھا اور اگر وہ دور اندیش اور معاملہ فہم نہ ہوتے تو اس وقت اس کو مارنے پیٹنے یا اگر زیادہ آپے سے باہر ہو جاتے قتل بھی کر دیتے لیکن انہوں نے ضبط و صبر سے کام لیا اور خاموشی کے ساتھ اس کو اس کی سہیلی کے مکان سے اپنے گھر لے گئے۔

غیاث احمد کی اہلیہ بتول دالان میں بیٹھی ہوئی کچھ سی رہی تھیں رضوانہ کو باپ کے ساتھ صحن میں دیکھتے ہی اُن کا ماتھا ٹھنکا اور انہوں نے فوراً پوچھا۔

"یہ کہاں مل گئیں"

"جہاں تم نے میری اور میرے خاندان کی ناک کٹانے کے لئے بھیجا تھا" انہوں نے نتھنے پھلا کر کہا۔ بس میرا اور تمہارا اتنے ہی دنوں کا ساتھ ہے۔ میں اس سے زیادہ اور کچھ نہ کہوں گا۔ اس ناخلف اور بدکار لڑکی کو لے کر اپنے بھائی کے پاس چلی جاؤ۔ میں خرچ دیتا رہوں گا۔ اب اس گھر میں ایک اور تمہارے لئے جگہ نہیں ہے"

بتول سکتے کے عالم میں کھڑی رہ گئیں۔ غیاث احمد نے رضوانہ سے کہا۔

میں تم سے باز پرس کر کے یہ بات دوسروں تک نہیں پہنچانا چاہتا۔ ڈپٹی صاحب اور اُن کے خاندان والے بہت شریف ہیں میں اُن کے ہاتھ پیر جوڑ لوں گا اور خوشامد کر کے ان کو خاموش کرا دوں گا۔ تم اپنے اور اپنی ماں کے کپڑے لو اور اسی وقت چلی جاؤ۔

ضرورت کی چیزیں بعد میں بھیج دی جائیں گی۔

رضوانہ اپنی ماں کے پاس پہنچ کر ان سے لپٹ گئی اور رونے لگی انہوں نے کہا۔ ہٹ کم بخت کہہ کر دونوں ہاتھوں سے اپنا سینہ اور منہ پیٹ لیا اور بے ہوش ہو کر کھڑے قد سے گر گئیں۔

غیاث احمد بیوی کو سنبھالنے کے بجائے دوڑ کر دروازے پر پہنچے اور اندر سے زنجیر لگا دی۔ رضوانہ نے اپنی ماں کو اٹھایا اور سہارا دے کر بٹھایا۔ لیکن ان کا سر پھر ڈھلک گیا۔

رضوانہ! منہ سے آواز نہ نکلے ورنہ ابھی وقت استرے سے گلا کاٹ کر خودکشی کر لوں گا۔" ان کے تیور دیکھ کر رضوانہ سہم گئی اور سسکیاں لینے لگی ——" غیاث احمد بیوی کے پاس جانے اور ان کو دیکھنے کے بجائے صحن میں پڑی چوکی پر بیٹھ گئے اور آسمان کی طرف دیکھنے لگے۔ ان کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ نتھنے پھولے ہوئے تھے اور وہ زور زور سے سانس لے رہے تھے۔

رضوانہ کی ماں کو چند منٹ بعد ہوش آیا اور انہوں نے آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھا۔ غیاث احمد پر نظر پڑتے ہی انہوں نے ہلکی سی جھرجھری لی اور سنبھل کر بیٹھ گئیں۔ ان کے چہرے کا رنگ اُڑا ہوا تھا۔ غیاث احمد نے بیوی کی طرف دیکھا۔ اٹھ کر گھڑے سے کٹورے میں پانی انڈیلا اور چوکی پر بیٹھ کر پانی پینے کے بعد رضوانہ سے کہا۔

"میں نے تم سے کیا کہا ہے۔ کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں مشتعل ہو کر کوئی ایسی حرکت کر گزروں کہ جو بات ابھی تک ڈھکی چھپی ہے اس کا سب کو علم ہو جائے۔"

"ابا میاں مجھے کہنے کا موقع دیجئے۔" رضوانہ نے گڑگڑا کر کہا۔

"تم نے مجھ کو موقع دیا ہے۔"

"ہائے اللہ ——" اس نے انتہائی بے بسی کے عالم میں کہا۔
"رضوانہ! میں پھر کہہ رہا ہوں کہ میرے صبر کو نہ آزماؤ ——"
میرے لئے یہ دنیا تاریک ہو چکی ہے۔ تم نے مجھے اپنے پرائے میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رکھا ہے اور مجھے کسی ایسے کام کے لئے مجبور نہ کرو میں خدا کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہ رہوں۔"
"مجھے تو کچھ بتایئے ——" رضوانہ کی والدہ نے منت کرتے ہوئے کہا۔
"تمہاری لڑکی تمہارے سامنے موجود ہے۔ اب اطمینان کے ساتھ اس سے دریافت کر لینا۔"
"میرے خدا! یہ کیا ہو گیا۔" رضوانہ کی والدہ نے دبی آہ کے ساتھ کہا۔
"رضوانہ چہرے کو گھٹنوں میں چھپائے فرش پر بیٹھی ہوئی تھی ——" غیاث احمد نے کہا۔
"کاش مجھے اس وقت سے پہلے موت آجاتی۔"
رضوانہ کی والدہ نے اٹھنے کا ارادہ کیا لیکن در کے ستون کا سہارا لے کر بیٹھ گئیں۔
غیاث احمد اسی طرح چوکی پر بیٹھے ہوئے کچھ سوچتے رہے۔ چند منٹ کے سکوت کے بعد رضوانہ کی والدہ ستون کا سہارا لے کر اٹھیں۔ اور صحن میں اپنے شوہر کے پاس پہنچ گئیں۔ وہ اپنے خیالات میں کھوئے

ہوئے تھے۔ ان کو بیوی کے آنے کی خبر بھی نہ ہوئی۔ رضوانہ کی والدہ نے شوہر کے پیر پکڑ لئے اور اسی جگہ بیٹھ کر گڑگڑانے لگیں۔

خدا کے لئے کچھ تو بتا دیجئے —— آپ جو حکم دیں گے میں وہی کروں گی۔ میں اس کو زہر دے کر سلا دوں گی۔ لیکن آپ —— آپ خود کو سنبھالیے۔

"اس کو منیر کے یہاں سے پکڑ کر لایا ہوں —— وہاں کمرے میں ایک رباب نامی ایک نوجوان کے پاس بیٹھی ہوئی اس سے باتیں کر رہی تھی۔"

انھوں نے چند جملوں میں سب کچھ بتا دیا۔

"ماجی ——" کسی نے دروازے پر آواز دی۔

غیاث احمد نے بیوی کے ہاتھوں سے پیر چھڑا لئے۔ اور دروازے پر پہنچے۔

باہر افتخار احمد کا ملازم کھڑا ہوا تھا۔ اس نے ان سے کہا۔

"صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔"

"تم چلو میں ابھی آتا ہوں۔"

افتخار احمد کا ملازم چلا گیا۔ غیاث احمد نے اندر آ کر کہا۔

"میں اپنا فیصلہ سنا چکا ہوں۔ اگر تم یہ چاہتی ہو کہ بات آگے نہ بڑھے اور اس کی بو نہ پھیلے تو اس بدبخت کو لے کر اسی وقت چلی جاؤ۔"

وہ دروازے کی طرف بڑھے۔ لیکن دو چار قدم چل کر واپس آ گئے

جیب سے کنجیوں کا گچھا نکال کر ایک کوٹھری کا قفل کھولا اور اس قفل کو رضوانہ کے کمرے کے دروازے میں لگا کر کہا۔

"میں ابھی آتا ہوں رجب تک تم اس سے دریافت کرو کہ اس کی ابتدا کب سے ہوئی ہے"

وہ مکان سے نکل کر باہر آئے اور سر جھکائے ہوئے افتخار صاحب کے مکان کی طرف چلے۔ افتخار احمد کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے دروازے پر آکر غیاث احمد کا ہاتھ مصافحے کے انداز میں اپنے ہاتھ میں لے لیا اور ان سے برادرانہ ہمدردی کے ساتھ کہا۔

"آئیے حاجی صاحب تشریف لائیے"

غیاث احمد کمرے میں پہنچے۔ افتخار احمد نے ان کو اپنے پاس گدے پر بٹھایا اور ان سے دریافت کیا۔

"آپ نے رضوانہ پر زیادتی تو نہیں کی ہے"

غیاث احمد نے گھر میں داخل ہونے کے بعد سے باہر آنے کے وقت تک کی سب باتیں تفصیل کے ساتھ بتا کر کہا۔

"ڈپٹی صاحب!" میرا سر پھٹا جا رہا ہے۔

افتخار احمد نے اپنے ملازم کو آواز دے کر بلایا اور اس سے دو گلاس شربت لانے کے لئے کہا۔

ملازم چلا گیا۔ افتخار احمد نے غیاث احمد کی پریشانی اور ان کے رنج و غم کا اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔

میں آپ کے ضبط و صبر اور آپ کی دور اندیشی کی داد دیتا ہوں۔ اگر آپ وہاں رضوانہ سے باز پرس کرتے تو اس کے گھر والوں کو بھی معلوم ہو جاتا یا اگر آپ مکان پر لانے کے بعد اس کو مارتے پیٹتے تو پاس پڑوس والوں کو خبر ہو جاتی۔ یہ آپ نے بہت اچھا کیا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔ میں نے بھی حامد اور منہاج کو منع کر دیا ہے۔ وہ اپنے گھر میں بھی کسی سے تذکرہ نہ کریں گے۔"

"یہ تو ٹھیک ہے ڈپٹی صاحب!" لیکن میں اب کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔ میرا ضمیر مجھ کو ملامت کر رہا ہے۔ غیرت کا تقاضہ تو یہ ہے کہ میں جان دے دوں۔"

"خدا کو کیا منہ دکھائیے گا۔" افتخار احمد نے کہا۔ "آپ تو ماشاءاللہ پڑھے لکھے اور دیندار مسلمان ہیں۔ خودکشی حرام موت ہے۔ خودکشی کرنے والے کی بخشش نہیں ہوتی۔"

"میری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آ رہا ہے۔"

"مجھ کو موقع دیجئے کہ میں کچھ سمجھا سکوں۔" افتخار احمد نے کہا۔ "انسان کو کسی حالت میں بھی ہراساں نہ ہونا چاہیئے۔ ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ خدا غفار اور قہار بھی ہے۔ اور رحمان اور رحیم بھی ہے۔ اس کی ذات پر بھروسہ رکھیے۔ وہ صبر کرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے۔"

غیاث احمد افتخار احمد کی طرف رحم طلب نگاہوں سے دیکھنے لگے۔

ملازم شربت لے کر آگیا۔ افتخار احمد نے غیاث احمد کو اصرار کر کے شربت

پلایا اور چند منٹ بعد ان سے کہا۔

حاجی صاحب! میرے خیال میں آپ ابھی تک اس واقعہ کی نوعیت کو نہیں سمجھ سکے ہیں۔ لیکن میرے پاس ایک خط کی نقل پہنچی ہے۔ اس کو پڑھنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ رضوانہ اور عبدالوہاب نے مل کر حامد میاں کی ہمشیرہ طاہرہ کے خلاف ایک سازش کی تھی۔ اور دونوں اس کو بدنام کرنا چاہتے تھے۔

"لیکن وہ ایسا کیوں کرنا چاہتے تھے؟" حاجی غیاث احمد نے پوچھا۔

"اب آپ واقعی معاملہ کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ دراصل مقصد یہ ہے کہ عبدالوہاب میرا رشتہ دار ضرور ہے۔ وہ پانی پت میں رہتا ہے۔ اس کا چال چلن اچھا نہیں ہے۔

ابھی کچھ عرصہ قبل پانی پت میں میرے چھوٹے بھائی کی لڑکی کی شادی میری بہن کے لڑکے سے ہوئی۔ طاہرہ بھی میری اہلیہ اور لڑکیوں کے ساتھ دس پندرہ روز قبل وہاں گئی اور شادی کے دس پندرہ روز بعد آئی۔ یعنی وہ وہاں تقریباً ایک ماہ رہی۔"

"جی ——!" غیاث احمد نے آہستہ سے کہا۔

افتخار احمد نے اُن کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "رباب نے کسی طرح اس کو دیکھ لیا۔ اور اس سے بات چیت کرنے کی کوشش کی۔ طاہرہ بہت شریف اور سیدھی لڑکی ہے اور اس کے متعلق آپ بھی جانتے

ہیں۔

"صاحب وہ تو دوسری لڑکیوں کے لئے ایک مثال ہے۔"

"میں یہی عرض کر رہا ہوں" افتخار احمد نے کہا۔ "جب رباب کو اس کی طرف سے مایوسی ہوئی تو اس نے اپنی بہن کے ذریعہ اس کو ورغلانا چاہا لیکن اس میں بھی اس کو کامیابی نہیں ہوئی۔ ان ہی دنوں میرے ہم زلف نے اپنے لڑکے کی شادی کے سلسلہ میں میرے ہی مکان پر ولیمہ کی دعوت کی۔"

"جی ہاں" مجید کو معلوم ہے میں خود بھی اس تقریب میں شریک ہوا تھا۔

"جی ہاں!" اس تقریب میں پانی پت سے بھی رشتہ دار آئے۔ رباب بھی آیا اور اس کی بہن عائشہ بھی آئی۔ وہ بھی اچھی لڑکی نہیں ہے۔ رباب نے اس کو پہلے ہی سے سکھا پڑھا رکھا تھا میرے یہاں رضوانہ اور عائشہ کی ملاقات ہوئی۔ میری صاف گوئی پر برا نہ مانیے گا۔ رضوانہ کا خیال اعجاز میاں کی طرف تھا۔ رباب طاہرہ سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ دونوں کو اس کا بھی علم تھا۔ کہ طاہرہ کی شادی اعجاز سے ہوگی۔ اس لئے عائشہ نے اپنے بھائی کی طرف سے رضوانہ سے سمجھوتہ کر لیا کہ دونوں مل کر طاہرہ کو بدنام کر دیں تاکہ اعجاز سے اس کی شادی نہ ہو سکے۔ اس کے بعد کوشش کر کے رباب طاہرہ سے شادی کر لے اور وہ ہم لوگوں کو ہموار کر کے اعجاز کی شادی رضوانہ سے کر دے۔"

غیاث احمد دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑے ہوئے بیٹھے تھے۔
افتخار احمد نے رضوانہ اور رباب کی ملاقات' عائشہ کا ان کے گھر جانا اور شام کو رضوانہ اور عائشہ کا پکچر دیکھنے جانا وغیرہ بتا کر کہا۔
اس طرح دونوں کی ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ رباب نے رضوانہ کو جو خطوط لکھے وہ رضوانہ کے پاس ہوں گے اور رضوانہ کے خطوط آپ دیکھ چکے ہیں میں بھی وہ خطوط دکھاتا ہوں۔ آپ اپنی لڑکی کی تحریر پہچان لیں گے۔ ان خطوط سے بھی اس سازش کی تصدیق ہوتی ہے۔"
"خدا مجھ پر رحم کرے۔" غیاث احمد نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔
انسان کو اس کی ذات سے مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ وہ ضرور رحم کرتا ہے افتخار احمد نے کہا۔
بہر حال ان جملہ باتوں کے باوجود رضوانہ کا چھپ کر رباب سے ملنا قابل عفو نہیں ہے۔ وہ اچھے کردار کا لڑکا نہیں ہے۔ ایک سمجھدار باپ کی حیثیت سے آپ کا فرض ہے۔ کہ آپ پہلے اچھی طرح چھان بین کر لیں پھر کوئی فیصلہ کریں۔"
"اس وقت میں کیا کروں؟"
دوکان جائیے۔ اور یہ سمجھ لیجئے کہ ایسا کوئی واقعہ ہوا ہی نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار ہی نہیں ہے۔ میں ہر وقت ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ میرے لئے جیسے میری لڑکیاں صبیحہ اور فاطمہ ہیں ویسے ہی رضوانہ ہے اگر اس نے غلطی کی ہے تو اس کو درگزر کیجئے

کیونکہ عافیت اسی میں ہے اور اس کی اصلاح کیجئے۔ اس کی زندگی کو سنوار دیجئے۔ اگر مناسب سمجھئے تو مجھ سے مشورہ کر لیا کیجئے۔ غیاث احمد نے افتخار احمد کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے اور ان کو آنکھوں سے لگا کر انہوں نے روتے ہوئے کہا۔

"ڈپٹی صاحب! میری عزت آپ کے ہاتھ میں ہے۔"

"آپ اطمینان رکھیئے۔ آپ کی عزت آپ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ اطمینان رکھیئے۔ آپ کی عزت میری عزت ہے۔ میں رُباب کو بھی بلواؤں گا اور یہاں نہیں بلکہ کہیں اور اس سے سب کچھ دریافت کرکے اس کو سزا دوں گا۔"

غیاث احمد افتخار احمد کے سمجھانے پر مکان گئے اور دو چار منٹ بیٹھ کر دوکان چلے گئے۔

۳۱

افتخار احمد نے اس واقعہ کا اپنے گھر پر بھی کسی سے تذکرہ نہیں کیا اور منہاج اور حامد سے منع کر دیا کہ وہ کسی سے کچھ نہ کہیں۔ انہوں نے منہاج کو خاص طور پر سمجھا دیا کہ وہ نور بانو تک سے تذکرہ نہ کرے اور اگر وہ دریافت کرے تو وہ اس سے کہہ دے کہ رباب اس روز نہیں آیا۔ رضوانہ کے والد کو بھی دونوں کی ملاقاتوں کی بھنک مل گئی ہے اس لئے اس پر پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں اور اب وہ کسی سے مل نہیں سکتی ہے اس لئے نور بانو بھی اس کے یہاں نہ جائے۔

غیاث احمد کو رضوانہ کے کمرے میں جو خطوط دستیاب ہوئے وہ دوسرے روز صبح افتخار احمد کے پاس لے آئے۔ افتخار احمد نے ہر خط اور اس کے جواب کو غیاث احمد کی موجودگی میں پڑھا اور اس خیال کی

تصدیق ہوگئی کہ رباب اور رضوانہ مل کر طاہرہ کو بدنام کرنا چاہتے تھے بعض خطوط میں دونوں کی خفیہ ملاقاتوں کا بھی اشارہ اور استعارہ دل میں تذکرہ تھا اور اس سے دونوں کے چال چلن پر حرف آتا تھا رباب نے اپنے ایک خط میں لکھا تھا :۔

اگر ہم اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکے اور طاہرہ کی شادی اعجاز سے ہوگئی تو مجھ کو کوئی غم نہ ہوگا۔ کیونکہ آپ سے ملاقات کے بعد سے اب میں ایک گونہ سکون محسوس کرنے لگا ہوں۔ یہی کیا کم ہے کہ اس بہانے سے ہم دونوں ایک دوسرے سے اس قدر قریب ہوگئے۔

ایک اور خط میں اس نے رضوانہ کو لکھا تھا۔

میں صرف طاہرہ کا غرور توڑنا چاہتا تھا ورنہ آپ ہر اعتبار سے اس سے کہیں زیادہ بہتر ہیں۔ آپ کی زمزمہ بار آواز میرے کانوں میں گونجتی رہتی ہے۔

رضوانہ نے اپنے ایک خط میں رباب کو لکھا تھا —— میں جب تنہائی میں بیٹھتی ہوں تو آپ کے بعض جملوں پر غور کرتی ہوں اور مجھ کو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی بہت دور پر بیٹھا ہوا بانسری بجا کر میرے خفتہ جذبات کو بیدار کر رہا ہے —— آخر یہ سب کیا ہے ؟

ایک خط میں رضوانہ نے لکھا تھا۔

کل رات کو مجھے اس خیال سے بہت دیر نیند نہیں آئی کہ آپ آکر واپس نہ چلے گئے ہوں۔

خدا کرے ایسا نہ ہوا ہو ——— !

مضمون کو پڑھ کر افتخار احمد نے غیاث احمد سے کہا۔

"حاجی صاحب اگر آپ میرے مشورے پر عمل کریں تو میں بھی یہی کہوں گا کہ عجلت میں کوئی فیصلہ نہ کیجیے۔ میں کل پانی پت جاؤں گا اور اس مردود کو تلاش کر کے اس سے دو چار باتیں کروں گا۔

میں صرف آپ ہی کے مشورہ پر عمل کروں گا۔ غیاث احمد نے کہا۔ "اس ناہنجار لڑکی نے رو رو کر اپنی آنکھیں سجالی ہیں اور میری اہلیہ کی حالت بھی کچھ ایسی ہی ہے لیکن مجھے اب ان دونوں سے کوئی ہمدردی نہیں۔ کل سے گھر میں چولہا نہیں جلا ہے۔ ان دونوں نے ابھی تک کچھ بھی نہیں کھایا ہے اور میری بھی بھوک پیاس اڑی ہوئی ہے۔"

"لیکن اس سے تو کچھ حاصل نہ ہوگا۔" افتخار نے کہا۔ "اس کا کفارہ تو صرف اسی صورت میں ادا کیا جا سکتا ہے کہ رضوانہ کی اصلاح کی جائے اس کے لئے نفسیاتی علاج کی ضرورت ہے اور وہ صرف اس کو متاثر کرنے ہی سے ہو سکتا ہے۔"

"ڈپٹی صاحب! میں ان باتوں کو کیا سمجھوں۔"

"میں آپ کو سمجھانے کی کوشش کروں گا۔" افتخار احمد نے کہا "سب سے پہلے تو آپ یہ کیجیے کہ اپنی روش بدل دیجیے اور دونوں کو یعنی رضوانہ اور ان کی والدہ کو یقین دلا دیجیے ....

.... کہ آپ نے کوئی اثر اس واقعہ کا نہیں لیا

ہے۔ آپ نے کل جو کچھ بھی کیا تھا وہ محض کسی وقتی جذبہ کے ماتحت کیا تھا۔ اس سے یہ ہوگا کہ آپ کی طرف سے اطمینان ہو جانے کے بعد ان کے دل سے خوف اور ڈر نکل جائے گا اور پھر وہ اطمینان کے ساتھ حالات کا تجزیہ کر سکیں گی۔ اس تجزیہ کے بعد ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوگا۔ اور وہی احساس اصلاح کی طرف اُن کی رہنمائی کرے گا۔"

حاجی غیاث احمد نے سر جھکا لیا۔

پھر کچھ سوچنے لگے۔

"آپ اپنے دماغ پر زیادہ زور مت دیجئے۔"

"آپ کو مجھ پر اعتماد ہے۔"

"ہاں!"......

تو آپ اس پر عمل شروع کر دیجئے۔

افتخار صاحب کے سمجھانے پر حاجی صاحب کو بھی اپنی لڑکی اور بیوی کا بے بسی اور بے چارگی کے عالم میں رونا یاد آیا اور اُن کے دل پر ایک گھونسہ لگا۔ ان ہی لوگوں کو آرام اور آسائش سے رکھنے کے لئے وہ شب و روز دوڑتے تھے اور اب وہی دونوں اٹھارہ گھنٹے سے بے آب و دانہ پڑی ہوئی تھیں۔ وہ افتخار احمد سے رخصت ہو کر اپنے مکان پہنچے۔ ان کی اہلیہ صحن میں اس طرح سوگوار بیٹھی ہوئی تھیں گویا کچھ دیر قبل گھر سے میت نکل گئی ہے اور رضوانہ دالان میں پلنگ پر پڑی ہوئی تھی۔

غیاث احمد نے صحن میں پہنچتے ہی کہا۔

"کب تک سوگ مناؤ گی۔ اب گھر کا کام دھندا دیکھو۔ چولہا جلاؤ اور کچھ پکاؤ ـــــــ میں دوکان سے لڑکے کے ہاتھ گوشت، سبزی وغیرہ بھیجتا ہوں۔"

وہ اسی وقت باہر آ گئے۔ دوکان پہنچ کر ایک ملازم کے ہاتھ گوشت اور سبزی بھیجی اور دوپہر کو مکان پہنچے کھانا تیار ہو چکا تھا۔ بیوی نے فوراً دستر خوان بچھایا۔

"اس نے کچھ کھایا؟" انہوں نے بیوی سے دریافت کیا۔

"ابھی نہیں ـــــ"

"کسی کا انتظار ہے؟" غیاث احمد نے کہا "تم نے بھی کھایا؟"

"اب ہم لوگ کھائیں گے" ان کی اہلیہ نے مری ہوئی آواز میں جواب دیا۔

حاجی صاحب نے کھانا کھایا اور شانے پر ایک بڑا رومال ڈال کر ہاتھ میں چھتری لئے ہوئے مکان سے باہر نکلے سڑک پر افتخار احمد مل گئے اور دونوں کنارے کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگے۔ افتخار احمد نے کہا۔

"حاجی صاحب پہلے اپنے دل پر سے غم کا بادل دور کیجئے غلطی انسان ہی سے ہوتی ہے۔ پھر وہ تو ابھی ایک ناتجربہ کار لڑکی ہے۔"

"ڈپٹی صاحب خدا نے آپ کو میرے لئے فرشتہ رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

"میں تو اس کا ایک گناہگار بندہ ہوں" افتخار صاحب نے کہا "۔ اس نے آپ پر کرم کیا ہے۔ ورنہ خدا معلوم آگے چل کر یہ فتنہ کیا گل کھلاتا۔"

غیاث احمد دو چار باتیں کر کے چلے گئے اور شام کو جب مکان پہنچے تو رضوانہ اور ان کی اہلیہ دالان میں نماز عشا پڑھ رہی تھیں۔ حاجی صاحب نے چھتری ٹوپی اور صدری کھونٹی پر لٹکائی اور وضو کر کے نماز پڑھنے لگے۔ بعد نماز انہوں نے کھانا کھایا۔

رضوانہ نے حقہ بھر کر ان کے پاس رکھ دیا۔

"شاید پانی بدلنا بھول گئی ہو" غیاث احمد نے خواہ مخواہ ایک پخ نکالی۔

اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ رضوانہ سمجھ لے کہ وہ اب ناراض نہیں ہیں۔ اس نے فوراً حقے کا پانی بدلا اور بیوی نے پان لگا کر دیا۔

"کل صبح یاد کر کے محمد حسن، محمد صدیق کے یہاں سے چھالیتن منگا لینا۔ وہی چھالیتن آئی ہے۔ جو تم کو پسند ہے۔ آج صدیق خود کہنے آئے تھے۔"

"دوکان سے کسی کو بھیج دیجئے گا۔ پانچ روز سے نہ تو عثمان کی ماں آئی ہیں اور نہ عثمان" رضوانہ کی والدہ نے کہا۔

"ان کے یہی نخرے رہتے ہیں" حاجی صاحب نے حقے کے کش لے کر کہا ——— "دوسری عورت تلاش کر لو۔ مہینے کے پندرہ لیتی ہیں اور دونوں وقت ایک آدمی کا کھانا ——— اور مشکل سے

بیس دن آتی ہیں۔ کیا کھانا اور روپے پھونک کے ہیں۔"
"بہت پریشان کر رکھا ہے عثمان کی ماں نے۔"
"اور تم ویسی ہی پریشان ہونے والی ہو بھی۔" غیاث احمد نے کہا۔ سختی سے کام بنتیں تو یہ بی بی ایک ناغہ نہ کرتی۔ ایسی عورتیں تو شفیع کی بیوی سے خوب خوش رہتی ہیں۔"

دو چار ہمت افزا باتیں کر کے غیاث احمد پلنگ پر دراز ہو گئے ان کی اہلیہ بھی اپنے بستر پر لیٹ گئیں۔ حاجی صاحب نے ان کے انداز سے سمجھ لیا کہ وہ کچھ کہنا چاہتی ہیں لیکن ہمت نہیں پڑ رہی ہے۔ وہ خود بھی بستر پر کچھ دیر تک کروٹیں بدلتے رہے اور سو گئے۔ وہ صبح کو اٹھے اور وضو کر کے نماز فجر ادا کی اور تلاوت کرنے لگے۔ رضوانہ بھی دالان میں بیٹھی ہوئی تلاوت کر رہی تھی۔ اور حاجی صاحب کی بیوی باورچی خانے میں تھیں۔ کہ کسی نے آواز دے کر کہا۔

"حاجی صاحب!" آپ کو ڈپٹی صاحب یاد کر رہے ہیں۔

غیاث احمد دس منٹ بعد افتخار احمد کے پاس پہنچے۔

افتخار احمد نے حاجی صاحب سے مشورہ کر کے ان کو کرسی پر بٹھایا اور وہ ان سے کہنے لگے۔

"کل رات کو رباب کے والد کا تار آیا ہے۔ وہ کم بخت اسی روز سے غائب ہے۔"

"تو پھر آپ پانی پت بھی نہ جائیں گے؟"

"اب جا کر کیا کروں گا"

غیاث احمد کچھ سوچنے لگے۔ افتخار احمد نے کہا۔

"غالباً کہیں چلا گیا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی والدہ سے سو روپیہ لایا تھا۔"

"تو پھر اب میرے لئے کیا حکم ہے!"

"حاجی صاحب! میں اور آپ کو حکم دوں گا" افتخار احمد نے مسکرا کر کہا "میں نے کل آپ سے عرض کیا تھا کہ اپنی روش بدل دیجئے" لوہے کو اسی وقت موڑا جاتا ہے جب وہ سرخ ہو کر ملائم ہو جاتا ہے"

میں اسی مشورے پر عمل کر رہا ہوں"

حاجی صاحب کے ایک دوست مل گئے اور وہ افتخار احمد کو سلام کر کے چلے گئے۔ افتخار صاحب مکان پہنچے۔ کمرے میں حامد بیٹھا ہوا ایک کتاب دیکھ رہا تھا۔

"اس وقت تنہا بیٹھے ہو" افتخار نے کہا۔ اعجاز کہاں گئے ہیں۔

"ابھی ایک کتاب لینے گئے ہیں"

" افتخار صاحب اندر چلے گئے۔ دس منٹ بعد فاطمہ نے آکر کہا"

"بھائی صاحب!" آپا بھی کہہ رہی ہیں کہ آج شام تک چوٹی

کے لئے میاں تانگہ لا دیجئے گا۔"

"اچھا ——" حامد نے کہا۔ "پوچھ لو کتنا تانگہ لیا جائے۔"

"ایک بڑی مجھی لینے آئیے گا۔"

دروازے کے اس طرف سے صبیحہ کی آواز آئی اور حامد اس طرف متوجہ ہو گیا۔

"آپ نے ذرا سے کچھ کہا ہے ——" حامد نے صبیحہ سے دریافت کیا۔

وہ اٹھ کر دروازے کے پاس پہنچ گیا۔

"جی ہاں! آپ لوگوں نے رباب کے سلسلے میں کیا کیا؟" صبیحہ نے کہا۔

"سب ٹھیک ہو گیا ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔"

"طاہرہ بہت پریشان ہیں۔"

"میں نے اُن کو سمجھا دیا ہے۔" حامد نے کہا۔ "چاند پر خاک اُڑانے کی کوشش کرنے والا خود ہی گرد میں اَٹ جاتا ہے۔"

"کل امی پانی پت جائیں گی ——" صبیحہ نے کہا "میں بھی جاؤں گی"

"آپ کیا کیجئے گا جا کر۔ خالہ جان سے کہہ دیجئے کہ تنہا چلی جائیں اور وہ ایک روز بعد واپس آجائیں۔"

"وہ کہہ رہی تھیں کہ تم بھی چلنا۔"

"کہہ دیجئے گا کہ مدرسے میں امتحانات ہونے والے ہیں۔"

صبیحہ نے کہا: "اگر انہوں نے اصرار کیا تو جانا ہی پڑے گا۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔"

صبیحہ چلی گئی۔ اور چند منٹ بعد اعجاز آگیا۔ اس نے آتے ہی کہا۔

"میں نے ابھی رباب کو لال بابو کے ساتھ دیکھا ہے۔"

"لال بابو ——!" یہ کون بزرگ ہیں؟"

"دلی کا ایک مشہور بدمعاش ہے۔" اعجاز نے کہا: "میں تو اس کو پہچانتا نہیں ہوں منہاج بھائی نے بتایا کہ اس کا نام لال بابو ہے اس وقت بھی میرے ساتھ تھے۔"

"خالو جان سے کہہ دو۔" حامد نے کہا: "وہ کوئی نئی شرارت کرنے والا ہے۔"

اعجاز نے اندر جا کر اپنے والد سے کہا اور وہ اٹھ کر اسی وقت کمرے میں آگئے۔ حامد نے ان کو دیکھتے ہی کہا۔

"خالو جان ——!" رباب ابھی دہلی میں ہیں۔ اب ہم کو خاموش نہ بیٹھنا چاہیئے ورنہ وہ پھر کوئی شرارت کرے گا۔"

"اس وقت منہاج کہاں ملیں گے؟"

"آج مکان پر ہوں گے۔" حامد نے جواب دیا۔

دونوں اسی وقت منہاج کے یہاں پہنچے۔ وہ اپنے کمرے میں تھا۔ افتخار احمد نے اس کو تانگے ہی پر بلا لیا، اور دونوں کو دریا گنج کے ایک ہوٹل

میں لا کر بٹھایا اور ان کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھ کر کہا۔

ہاں!

"مجھے رباب کی طرف سے پہلے ہی اطمینان نہیں تھا۔ وہ اس سے پہلے بھی پانی پت میں ایک ایسی حرکت کر چکا ہے۔"

"بہت خطرناک ہے۔" منہاج نے کہا۔ "اس کو قابو میں لانا آسان نہ ہوگا!"

"میں نے تم کو اس لئے بلایا ہے کہ لالی بابو کے متعلق کچھ دریافت کروں۔"

"منہاج نے کہا۔" وہ بلند شہر کی ایک طوائف لالی کا بھائی ہے۔"

"لالی تو بہت مشہور طوائف ہے۔"

"نام تو بہت ہے۔" منہاج نے کہا۔ "اس کے زعم میں لالی بابو غنڈہ گردی کرتا ہے اور جب کسی معاملہ میں پھنستا ہے تو لالی اپنے اثر و رسوخ سے اس کو صاف بچا لیتی ہے۔"

"لالی بابو رہتا کہاں ہے۔"

"مجھے اس کے متعلق زیادہ معلومات نہیں ہیں۔" منہاج نے کہا۔ "میرے محلے میں لبشن نامی ایک شخص رہتا ہے وہ اس کو جانتا ہے۔"

"وہ شخص اس وقت کہیں مل سکتا ہے۔"

"ضرور مل جائے گا۔"

"جی ہاں وہ اس وقت مینا محل میں ملے گا۔

تینوں چائے پی کر مینا محل پہنچے۔ افتخار اور حامد ایک رستوران میں بیٹھ گئے اور منہاج بشن کو تلاش کرنے سے آیا۔

بشن ایک تیس سالہ خوبرو جوان تھا۔ اس کے قوی مضبوط اور قد لانبا تھا۔ وہ اس وقت قمیض اور پاجامہ پہنے ہوئے تھا۔ منہاج نے اس کو اپنے پاس بٹھایا اور افتخار صاحب سے کہا

"یہی بشن ہیں۔ میرے محلے میں رہتے ہیں۔"

افتخار صاحب نے بشن سے فوراً دریافت کیا۔

"بشن میاں کیا منگاؤں آپ کے لئے۔"

"جی نہیں زحمت نہ کیجئے۔ میں کھانا کھانے ہی جا رہا تھا کہ منہاج بھائی مل گئے۔"

"تو اس وقت یہیں کھا لیجئے۔ ہم لوگ بھی کھائیں گے۔"

حامد نے افتخار صاحب کو بغور دیکھا۔ اس نے ان کو کبھی ہوٹل میں کھانا کھاتے نہیں دیکھا تھا۔ اب تو انھوں نے اس کی طرف دیکھا اور وہ سمجھ گیا کہ وہ اس وقت محض بشن کی وجہ سے ہوٹل میں کھانا کھا رہے ہیں۔ بشن معمولی انکار کے بعد کھانا کھانے پر تیار ہو گیا۔ اور افتخار صاحب نے سب کے لئے کھانے کا آرڈر دیا۔

"بشن نے ان سے کہا۔" منہاج ابھی کہہ رہے تھے کہ آپ لال بابو کے متعلق کچھ دریافت کرنا چاہتے ہیں۔

"ہاں میاں ——" افتخار صاحب نے کہا "مقصد یہ ہے کہ میرا

ایک رشتہ دار پانی پت سے بھاگ کر آیا ہے۔ وہ تین روز سے دہلی میں ہے اور آج اس شخص کے ساتھ دیکھا گیا ہے۔ جس کو سب لال بابو کہتے ہیں۔"

"شاید اس کا نام رب ہے ——— عبدالوہاب" بشن نے کہا۔

"میں ——— میں اس کو تلاش کرنا چاہتا ہوں اس کے والدین بہت پریشان ہیں۔ آج اُن کا خط آیا ہے۔"

"لال بابو اجمیری گیٹ کے قریب پنا نامی ایک طوائف کے یہاں رہتا ہے۔" بشن نے کہا۔" اور اس نے عبدالوہاب کو وہیں ٹھہرایا ہے۔ لیکن وہ جگہ ایسی نہیں ہے کہ آپ وہاں تشریف لے جائیں وہاں ہر وقت غنڈے اور بدمعاش جمع رہتے ہیں ———"

میز پر کھانے کی پلیٹیں آگئیں۔ افتخار صاحب نے کہا۔

اچھا پہلے کھانا کھا لیجئے پھر باتیں ہوں گی۔

ان سب نے کھانا کھایا اور وہیں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

بشن نے کہا

"لال بابو نے گروہ بنا رکھا ہے اور جو لوگ طوائفوں کے یہاں آتے جاتے ہیں۔ اُن کو ڈرا دھمکا کر پیسے وصول کرتا رہتا ہے۔ اگر شہر میں کسی سے ٹکراؤ ہوتا ہے تو ہم لوگوں کو بلاتا ہے۔"

"تو گویا وہ ٹھیک آدمی نہیں ہیں۔"

"بہت ناقص آدمی ہے بشن نے کہا۔" نوجوانوں کو پھانس کر انکے

پاس جو کچھ ہوتا ہے وہ لے لیتا ہے۔ رباب کو بھی دو چار روز میں چلتا کر دے گا۔"

"مجھے لال بابو سے کوئی غرض نہیں۔ میں صرف رباب کو پکڑ کر ماں باپ کے پاس بھیج دینا چاہتا ہوں۔"

"یہ تو ممکن ہو سکتا ہے۔" بشن نے کہا۔ "لیکن اس کے پاس جو کچھ ہو گا ——— وہ بدمعاش چھین جھپٹ لیں گے۔"

"خیر وہ لے لیں لیکن وہ کسی طرح وہاں سے نکل آئے۔ میں دس پانچ اور دے دوں گا۔ لیکن اس شرط پر کہ عبدالوہاب کو میرے حوالے کر دیا جائے۔"

"میں آپ کو چار بجے تک بتاؤں گا۔" بشن نے کہا۔ "آپ جہاں ملیں میں وہیں آجاؤں۔"

"میں ساڑھے چار بجے اسی ہوٹل میں ملوں گا۔ افتخار احمد نے کہا۔

افتخار احمد نے ہوٹل کا بل ادا کیا اور وہ باہر آگئے۔ بشن اسی وقت سلام کر کے چلا گیا۔ اور افتخار احمد اور حامد، منہاج کو اس کے مکان کے قریب چھوڑ کر اپنے گھر چلے گئے۔ افتخار احمد ساڑھے چار بجے حامد کے ساتھ اس ہوٹل میں داخل ہوئے اسی وقت منہاج بھی آگیا۔ ان کو بشن کا زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا وہ بھی آکر ان کے پاس بیٹھ گیا اور افتخار صاحب کے دریافت کرنے پر اس نے کہا

"ڈپٹی صاحب! وہاں تو معاملہ ہی کچھ اور ہے۔"

"یعنی ـــــــ؟" انہوں نے دریافت کیا۔

"رباب صاحب کہیں سے کسی لڑکی کو زبردستی اٹھوانا چاہتے ہیں۔"

"ہوں ۔" افتخار صاحب نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

حامد اور منہاج کے چہرے فرط غیظ سے سرخ ہو گئے لیکن وہ خاموش بیٹھے رہے۔ افتخار احمد نے چند سیکنڈ بعد بشن سے کہا۔

"بشن میاں میں تم کو دس کا ایک نوٹ دوں گا بشرطیکہ تم رباب یا لال بابو سے یہ معلوم کرلو کہ وہ لڑکی کہاں رہتی ہے اور کون ہے۔"

"یہ تو میں چٹکی بجاتے معلوم کرلوں گا ـــــــ"

"کب ـــــ؟"

"آج رات کو آٹھ نو بجے تک بتا دوں گا آپ مجھے جامع مسجد پر مل جائیے ۔"

"ایک کتب خانے میں ملوں گا ۔" انہوں نے پتہ بتاتے ہوئے کہا۔ ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے میں وہاں پہنچ جاؤں گا ۔"

بشن ان لوگوں کے ساتھ چائے پی کر چلا گیا۔ افتخار احمد نے حامد اور منہاج سے کہا۔

"تم لوگ گھوم پھر آؤ۔ میں یہاں ساڑھے آٹھ بجے آؤں گا ۔" حامد منہاج کے ساتھ چلا گیا۔ افتخار صاحب اسی وقت اپنے دوست خورشید علی خاں کے پاس پہنچے اور انہوں نے کل واقعات بتا کر ان سے کہا۔

"آپ اس سلسلہ میں میری کیا مدد کر سکتے ہیں ۔"

"لال بابو اپنی بہن کی وجہ سے پولیس کو خاطر میں نہیں لاتا ہے۔ لیکن آپ اطمینان رکھیے۔ میں اس کا چرسا کھینچ لوں گا۔"

"کیا آپ اُسے آج تلاش کریں گے ——" افتخار احمد نے پوچھا۔

"شام کو بلواؤں گا۔" خورشید علی نے کہا۔ "بہت چلتا ہوا ہے۔"

"میں کل صبح آؤں گا۔"

افتخار احمد اپنے ایک دوست سے ملتے ہوئے ساڑھے آٹھ بجے جامع مسجد کے سامنے پہنچ گئے۔ حامد اور منہاج ایک کتب فروش کی دوکان کے سامنے کھڑے ہوئے بشن سے باتیں کر رہے تھے۔ افتخار کو دیکھتے ہی وہ اُن کے پاس آ گئے اور بشن نے اُن سے کہا "کسی سوداگر کی لڑکی ہے۔"

"سوداگر کی لڑکی۔" افتخار کچھ سوچنے لگے۔

جی ہاں۔ لال بابو نے بھی بتایا ہے اور بعد میں عبدالوہاب نے بھی بتایا۔ وہ اپنے گھر سے زیورات اور نقدی لے کر آئے گی۔ عبدالوہاب نے اس کو ہجڑی دی ہے کہ وہ دونوں بمبئی چل کر فلم میں کام کریں گے۔"

"کیا وہ آج بھی اس سے ملا تھا؟"

"جی ہاں ——" بشن نے کہا۔ "اور کل بھی ملے گا۔ دو تین روز بعد وہ اس لڑکی کو لے جائے گا۔"

"وہ لڑکی کہاں رہتی ہے؟"

"یہ تو اس نے نہیں بتایا۔"

افتخار احمد نے اس کو دس روپیہ کا نوٹ دے کر کہا۔

"بشن میاں تم اس کے ساتھ لگے رہو اور جو کچھ بھی معلوم کر سکتے ہو معلوم کر لو۔ میں تم کو خوش کر دوں گا۔ اور اگر کسی بہانے سے اس کو کل تک گلی قاسم جان کی طرف لے آؤ تو کام بن جائے۔"

"کوشش کروں گا۔"

بشن سلام کر کے چلا گیا۔ حامد اور منہاج خاموش کھڑے ہوئے تھے۔ حامد نے افتخار احمد سے کہا۔

"خالو جان! معاملات الجھتے چلے جا رہے ہیں۔ یا تو آپ عبدالوہاب کے والد کو تار دے کر بلا لیں یا اس کے خلاف پولیس میں رپورٹ درج کرا دیجئے۔"

"کل صبح تک انتظار کرو۔" افتخار احمد نے کہا۔ "بدمعاش کر بھی کیا سکتے ہیں۔ ایک اشارے میں تو حوالات میں بند ہو جائیں گے۔ لیکن مصلحتاً کوئی کارروائی نہیں کرنا چاہتا ہوں۔ رباب کے والد کو اسی وقت تار پر مطلع کرتا ہوں کہ فوراً آ جائیں۔ اگر پانی سر سے اونچا ہو گیا تو پھر قانونی کارروائی کرنا ہی پڑے گی۔"

منہاج وہیں سے اپنے مکان چلا گیا اور افتخار صاحب حامد کے ساتھ غیاث احمد کی دوکان پر پہنچے اور ان سے کچھ دیر تک باتیں کرنے کے بعد مکان کی طرف روانہ ہوئے۔

راستے میں حامد نے کہا۔ "میں احتیاطاً دو تین روز تک مکان ہی پر رہوں گا۔"

"ہاں اعجاز کو بھی وہیں بٹھا لینا۔ حالانکہ بشن کی باتیں قابل یقین نہیں ہیں۔ لیکن پھر بھی انسان کو اپنی جگہ پر ہوشیار رہنا چاہیئے۔"

"کیا رباب نے رضوانہ سے رابطہ قائم کر لیا ہے؟"

"نہیں یہ بات بھی قیاس میں نہیں آتی ہے۔" افتخار نے کہا۔ وہ بہت سہمی ہوئی ہے۔"

"اگر وہاب کسی کو وہاں بھیجتا تو حاجی صاحب کو معلوم ہو جاتا۔"

"تو پھر اس نے رضوانہ کی سہیلی منیر کو ورغلایا ہو گا۔" حامد نے کہا منیر کے گھر والوں کو تو اس کا علم ہے نہیں کہ وہاں کیا واقعہ پیش آیا۔ رباب بہت تیز اور چالاک ہے۔ وہ کسی وقت وہاں پہنچا ہو گا اور اس کو اپنے ساتھ بمبئی لے جانے کی ترغیب دی ہو گی۔"

"یہی میرا بھی خیال ہے۔" افتخار نے کہا۔ اور میں نے اس وقت حاجی صاحب سے یہی کہا ہے کہ وہ صبح منیر کے والد سے کہہ دیں کہ وہ اپنے یہاں وہاب کو نہ آنے دیں اور منیر پر نظر رکھیں۔

"خالو جان!" وہ لڑکی منیر کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔" حامد نے کہا۔

دونوں مکان پہنچ گئے۔ افتخار احمد نے حامد کو اپنے ساتھ کھانا کھلایا اور وہ دس بجے اپنے مکان پہنچا۔ احمدی بیگم اسی وقت عشا پڑھ کر اٹھی تھیں۔ طاہرہ بھی اس وقت تک جاگ رہی تھی۔

احمدی بیگم نے حامد کو دیکھتے ہی اس سے پوچھا۔

"بیٹا! تم اپنے خالو جان کے ساتھ کہاں چلے گئے تھے؟"

"امی امتحانات کے سلسلہ میں ابھی سے دوڑ دھوپ کر رہا ہوں خالو جان بھی آج میرے ساتھ پریشان ہوئے۔"

"خدا تم لوگوں کی محنت ٹھکانے لگائے۔ آج میرے دل میں طرح طرح کے خیالات آ رہے ہیں۔ سُنا ہے کہ رباب آج کل دلی آیا ہوا ہے۔"

"آپ نے کس سے سنا ہے؟" حامد نے دریافت کیا۔

"شفیق بھائی نے آج دیکھا ہے۔ وہ اسی طرف آیا تھا لیکن ان کو دیکھتے ہی کسی گلی میں غائب ہو گیا۔"

حامد کی پریشانی بڑھ گئی۔ لیکن اس نے اپنی والدہ پر کچھ نہ ظاہر ہونے دیا اور دالان میں پہنچ کر طاہرہ سے کہا۔

"تم اس روز کچھ کاپیاں دیکھنے کے لئے کہہ رہی تھیں۔ کل صبح دے دینا۔ میں دیکھ لوں گا۔ اعجاز بھی کل کمرے میں بیٹھ کر پڑھیں گے کچھ کاپیاں وہ بھی دیکھ لیں گے۔

"کیا آپ لوگ کل کالج نہیں جائیں گے؟"

"نہیں ——"

"تو پھر کل میں تر کی مچھے پکاؤں؟" اس نے مسکرا کر دریافت کیا۔

"ضرور پکاؤ، میں حبیب منہاج بھائی اور سلیم کو بھی بلا لوں گا۔"

احمدی بیگم گھڑونچی کے پاس کھڑی ہوئی پانی انڈیل رہی تھیں۔
انہوں نے دونوں کی گفتگو سُن کر حامد سے کہا۔
تو پھر مختار احمد معز الدین اور اپنے دو ایک دوستوں کو اور بُلالو
ہانڈی پکے تو پھر ہانڈی کی طرح پکے۔"
"کل شاید وہ لوگ نہ آسکیں۔"
احمدی بیگم باورچی خانے کی طرف چلی گئیں۔

۳۳

افتخار احمد صبح خورشید علی خاں کے پاس پہنچے۔ وہ اپنے دفتر میں بیٹھے ہوئے کسی کو ڈانٹ رہے تھے۔ افتخار احمد کا کارڈ دیکھتے ہی انہوں نے ان کو اندر بلا لیا۔ وہ اپنی میز کے سامنے کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور ایک طویل القامت شخص کرتا پہنے اور تہہ بند باندھے میز سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہوا تھا۔ خورشید علی خاں نے افتخار صاحب کو کرسی پیش کی اور رسمی گفتگو کے بعد ان سے معذرت کر کے پھر اس شخص کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"میرے پاس چھ درخواستیں ہیں۔ تمہارے خلاف ۔ کان کھول کر سن لو لال بابو —— مار تے مارتے دم لگا کر لنگور بنا دوں گا۔ اور منہ کالا کر کے بازاروں میں پھراؤں گا۔ میرا نام خورشید علی خاں ہے۔

"ڈپٹی صاحب، مجھ سے چاہے جیسی قسم لے لیجئے۔ جس روز سے آپ نے کہا ہے میں نے سب کام چھوڑ دیا ہے۔"

"لونڈا بنتا ہے بے ——" ڈپٹی صاحب نے کڑک کر کہا۔ "ابھی اتنے ڈھینچوں لگواؤں گا کہ چھ مہینے تک چلنے پھرنے کے قابل نہ رہے گا۔"

ڈھینچوں خورشید علی خاں کی ایک خوفناک جدت تھی۔ وہ جس کسی کو بری طرح پریشان کرنا چاہتے تھے اس کو سیدھا کھڑا کر کے پیچھے سے اس کے دونوں گھٹنوں پر ایک ساتھ ضرب لگاتے تھے اور وہ ایک ہی ضرب میں چیخ کر گر پڑتا تھا۔ ضرب بہت معمولی ہوتی تھی لیکن کمر پر گھٹنوں پر ایسا جھٹکا پڑتا تھا کہ آدمی بلبلا اٹھتا تھا اور تین چار ضربوں کے بعد مضبوط سے مضبوط آدمی گر پڑتا تھا۔

لال بابو ڈھینچوں کی دھمکی سے لرز گیا اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا۔

"ڈپٹی صاحب! آپ حکم دیں تو میں دلی چلا جاؤں۔"

"دیکھو جی! ان باتوں سے کام نہ چلے گا —— میرے پاس اس کا ثبوت موجود ہے کہ تم نے پنا کی چھوٹی بہن کو ایک دوسری طوائف کے یہاں پہنچا دیا اور پھر خود ہی پنا کی طرف سے اس طوائف کے سازندوں سے فوجداری کی۔ رتلام کے مارواڑی کو ایک طوائف کے یہاں لے گئے اور اس کو ڈرا دھمکا کر اس سے پانچ سو کی رقم لے لی —— اور —— اور کہاں تک بتاؤں —— اب تم نے عبدالوہاب نامی ایک شخص کو اسامی بنایا ہے اور اس کے ذریعہ ایک شریف لڑکی کا اغوا کرنا چاہتے

ہو۔ لیکن یاد رکھو کہ کھال کھنچوا کر بھس بھروا دوں گا۔"

لال بابو خاموش کھڑا ہوا ہاتھ ملتا رہا۔ خورشید علی خاں نے کہا۔

"لچوں اور لفنگوں کو چھوڑ اب شرفا کی طرف متوجہ ہوئے ہو۔ یاد رکھو میں بہت ظالم آدمی ہوں بڑے بڑے بدمعاش مجھ سے پناہ مانگتے ہیں۔"

"حضور میں نے عبدالوہاب سے کچھ نہیں کہا ہے۔ اس نے مجھ سے خود ہی بتایا کہ وہ ایک لڑکی بمبئی لے جانا چاہتا ہے۔"

"میں تم لوگوں کے ہتھکنڈوں سے واقف ہوں۔ اسی لڑکی کے زیور اور نقدی اپنے قبضے میں کرو گے اس کی عزّت برباد کرو گے۔ اور دوسروں کو دعوت دو گے اور دو چار روز بعد اس کو کسی دوسری جگہ لے جا کر فروخت کر دو گے۔"

لال بابو نے کچھ کہنے کا ارادہ کیا لیکن خورشید علی خاں نے اس کو ڈانٹ دیا اور ایک سب انسپکٹر کو بلا کر اس سے کہا۔

"اس حرامزادے کے ساتھ جاؤ اور جہاں یہ رہتا ہے وہاں جو بھی ملے اس کو پکڑ لاؤ۔ اس کو بھی اپنے ساتھ لانا۔ میں اس کو سبق دینا چاہتا ہوں۔"

لال بابو گڑگڑانے لگا۔ ڈپٹی خورشید علی خاں نے اس سے کہا۔

"اچھا باہر جا کر بیٹھو۔ میں کچھ دیر بعد تم سے گفتگو کروں گا۔"

لال بابو سب انسپکٹر کے ساتھ چلا گیا۔ خورشید علی خاں نے افتخار احمد سے کہا۔

"چائے پی لیجئے پھر گفتگو کروں گا۔"

"نہیں ــــــ میں چائے نہ پیوں گا۔" افتخار احمد نے کہا۔ "مجھ کو فتح پوری بھی جانا ہے۔"

"یہی لال بابو ہے۔ یہ کہتا ہے کہ وہاب اس کے یہاں مقیم ضرور ہے لیکن یہ اس کی سازش میں شریک نہیں ہے۔"

"آپ کا کیا خیال ہے۔"

"یہ لوگ دنیا میں جھوٹ بول سکتے ہیں۔ عدالت میں جھوٹا حلف اُٹھا سکتے ہیں لیکن اس کمرے میں ان کے منہ سے جو لفظ بھی نکلے گا حقیقت پر مبنی ہو گا۔"

"اس کا یہ مطلب ہے کہ بشن نے مجھ کو بے وقوف بنایا۔"

"یہ تو میں نہیں کہہ سکتا ــــــ" خورشید علی نے کہا۔ "بشن نے جو کچھ سنا وہ آپ سے کہہ دیا۔ شاید وہاب نے لال بابو کو اس سازش میں نہ شریک کیا ہو۔ بہر حال اگر ایسا ہونے والا بھی تھا تو اب نہ ہو گا۔"

"کسی صورت سے رباب کو دہلی چھوڑنے پر مجبور کر دیجئے۔"

"میں نے اسی لئے اس کو ٹھہرا لیا ہے۔ آپ کے جانے کے بعد اس کو بلا کر اس سے کہوں گا۔ کہ وہ رباب کو یہاں لائے۔"

"اچھا تو پھر مجھ کو اجازت دیجئے۔"

افتخار احمد نے خورشید علی خاں سے ہاتھ ملایا اور باہر آگئے۔ تانگہ اُن کے انتظار میں کھڑا ہوا تھا وہ تانگے پر بیٹھے اور دریا گنج کی طرف چلے گئے۔

حامد کو اس کا قطعی علم نہیں تھا کہ افتخار احمد نے رباب کے متعلق کیا کارروائی کی ہے۔ اس لئے صبح اٹھتے ہی منہاج اور حبیب سے کہہ آیا تھا کہ وہ دوپہر کا کھانا اس کے یہاں کھائیں۔ وہ نو بجے اپنے مکان واپس آگیا۔ اعجاز کمرے میں بیٹھا ہوا کاپیاں دیکھ رہا تھا۔

"مل گئیں کاپیاں ——" اس نے مسکرا کر پوچھا۔

"تمہاری وجہ سے اس بیگار میں پھنس گیا۔"

"اور ہم لوگ جو گھر کا کام دھندا کرتے ہیں۔"

پردے کے پیچھے سے طاہرہ کی آواز آئی۔

"اس روز میں نے اور نعیمہ نے بھی تو تمام دن آپ دونوں کے لئے گراف بنائے ہیں۔"

"چاکلیٹ بھی تو کھائے ہیں۔"

"آپ لوگ بھی تو آج نہ کچھ کھائیں گے۔"

حامد نے پوچھا۔

"اور کیا کھلاؤ گی —— ؟"

"شیر خرمہ ——"

"نہیں ـــــ" وہی پڈنگ کھلاؤ ـــــ" حامد نے کہا۔ مغلئی پڈنگ واقعی بہت لذیذ تھی۔"

"آج تو ناممکن ہے ـــــ" طاہرہ نے کہا۔ اس کی تیاری میں بہت وقت صرف ہوتا ہے۔"

خیر پھر کسی دن سہی ۔ اعجاز نے کہا۔ آپ تو ہر دوسرے تیسرے ایک نہ ایک چیز کھلاتی رہتی ہیں۔

"اب اُمید نہ رکھیئے، ہم لوگ بہت بیوقوف بن چکے ہیں ـــــ" طاہرہ نے کہا۔ اس روز بلا وجہ صبیحہ کے دس بارہ روپے خرچ ہو گئے۔"

"ہم لوگ چندہ کر کے دے سکتے ہیں۔" حامد نے کہا۔

"پہلے قرض تو بیباق کر دیجئے۔" آپ پر پورے بیس روپے ہیں طاہرہ نے حامد سے کہا۔

اعجاز نے فوراً کہا "یار یہ چیز ٹھیک نہیں۔ قرض فوراً ادا کر دینا چاہیئے۔"

طاہرہ نے اعجاز سے کہا "آپ بھی تو صبیحہ کے مقروض ہیں پچیس روپے تو گھڑی کی خریداری کے سلسلے میں لئے تھے اور دس روپے اس ماہ خالہ جان کی چوری سے لئے ہیں۔"

"اعجاز یہ تمہاری کیا حرکت ہے۔" حامد نے اعجاز سے کہا "تم تو کہتے ہو کہ ہر ماہ دو چار روپے صبیحہ کو دیتے ہو۔"

"دس پانچ روپے لیتے ہیں۔" طاہرہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اگر ہم لوگ وقتاً فوقتاً قرض نہ دیتے رہیں تو آپ لوگوں کے اخراجات نہ پورے ہوں۔"

"طاہرہ!" حامد نے کہا۔ "بعض وقت تم بہت شرمندہ کر دیتی ہو۔"

"بھائی جان!" کیا واقعی آپ بُرا مان گئے۔"

"اگر آپ نے ان کی خاطر تواضع نہ کی تو ضرور بُرا مانیں گے۔"

صبیحہ نے دوسرے کمرے سے آواز دے کر طاہرہ کو بلا لیا۔ احمدی بیگم باورچی خانے کے سامنے کھڑی ہوئی آبادی کو کچھ سمجھا رہی تھیں۔ طاہرہ نے ان کے پاس پہنچکر ان سے کہا۔

"میں نے پچھے گودکر اور مسالہ لگا کر رکھ دیا ہے۔"

"کیسے گودا ہے ——؟" احمدی بیگم نے پوچھا۔

"رائی نمک، سیاہ مرچ اور کباب چینی کو وزن کے مطابق پیس کر لیموں کے ساتھ گوشت پر ملتی اور گوشت کو کانٹے سے گودتی رہی۔"

"اب کھٹے انار کے دانوں کا سفوف، کشمش اور جوز پیس کر مچھوں پر لگا دو۔"

"انڈے کی زردی بھی تو ملائی جائے گی" صبیحہ نے کہا۔

"ہاں مسالہ چکھ کر دیکھ لینا۔ اگر نمک کم ہو تو ملا دینا۔"

"کیا آپ خالہ جان کے یہاں جا رہی ہیں؟" طاہرہ نے پوچھا۔

"نہیں، دالان میں بیٹھ کر تفسیر پڑھوں گی ——" احمدی بیگم نے

کہا۔ پندرہ بیس منٹ بعد پیاز اور لہسن کا عرق نکال کر گوشت پر ڈال دینا اور پورے ایک گھنٹہ چار دیگچی میں رکھ کر اور گھی ڈال کر آٹے کی لوئی سے سرا اپنی دیگچی پر دبا کر رکھ دینا ــــــ اور بہت ہلکی آنچ پر پکانا۔"

"چلانے کی ضرورت تو نہ ہو گی۔" صبیحہ نے دریافت کیا۔

"نہیں!" احمدی بیگم نے چلتے ہوئے کہا۔

"امی ــــــ لونگ، الائچی وغیرہ بھی تو پڑے گی۔"

"الائچی، جلوتری اور لونگ آبادی نے پیس کر چینی کے پیالے میں رکھ دیا ہے۔ گوشت چڑھاتے وقت وہ چیزیں چھوڑ دینا۔"

احمدی بیگم دالان کی طرف چل گئیں۔ صبیحہ اور طاہرہ باورچی خانے میں آبادی کے پاس بیٹھ گئیں۔ اور آپس میں باتیں کرنے لگیں۔ صبیحہ نے طاہرہ سے کہا۔

"کسی روز چوبی کباب پکاؤ ــــ"

"بی بی وہ تو سیخ پسندے کہلاتے ہیں۔"

"سیخ پسندوں کا مسالہ کچھ اور ہوتا ہے۔" صبیحہ نے کہا۔ ہوتے یہ بھی پسندے ہی ہیں۔ لیکن یہ تہہ تہہ سرخ کیے جاتے ہیں ــــــ اور ہر مرتبہ تہہ پر گھی کا پچارا پھیرا جاتا ہے۔"

"اس روز پکائے تو تھے۔"

طاہرہ نے کہا۔ "تم کسی دوسرے کام میں مصروف تھیں۔"

"آپ کتابوں سے نئی نئی ترکیبیں پڑھ کر ایسی چیزیں پکاتی ہیں۔"

طاہرہ نے کہا۔ "اوزان عموماً غلط ہوتے ہیں۔ میں کتابی نسخوں کی قائل نہیں۔ مسالے ہر کھانے کے تقریباً یکساں ہوتے ہیں۔ کسی میں کوئی چیز زیادہ ہوتی ہے کسی میں کوئی چیز کم"۔

"مجھ کو چوبی کباب، بہت پسند ہیں"۔ صبیحہ نے کہا۔

"کہہ تو دیا کہ کسی روز پکاؤں گی اور تم ہی سے تیار کراؤں گی"۔

"پرسوں میرے یہاں چل کر پکانا"۔ صبیحہ نے کہا "میں پسندے منگا لوں گی"۔

کچھ دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد طاہرہ نے گوشت چولہے پر چڑھا دیا۔ حامد اور اعجاز کمرے میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ گیارہ بجے منہاج اور حبیب آ گئے ان کے ساتھ سلطانہ اور نور بانو بھی تھیں وہ دونوں طاہرہ اور صبیحہ کے پاس پہنچ گئیں۔

"تم لوگ خوب آ گئیں۔ آؤ یہیں بیٹھو۔ طاہرہ نے کہا۔

"میں تو بن بلائے مہمان ہوں"۔ نور بانو نے طاہرہ کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا "میں نے سنا کہ طاہرہ آپا ترکی مجھے پکار رہی ہیں۔ اس لئے آ گئی۔ لیکن کوئی میٹھی چیز بھی کھلائے گا"۔

"خوب!" سلطانہ نے کہا۔ یہ تو وہی مثل ہوئی کہ مان نہ مان میں تیرا مہمان۔ یعنی اول تو بن بلائے آئیں اور اس پر طرہ کہ کوئی میٹھی چیز بھی کھلائیے گا"۔

"اے ہاں نورا"۔ صبیحہ نے کہا "میں نے سنا ہے کہ تم کسی روز

رضوانہ کے یہاں آئی تھیں اور اسی طرف سے واپس چلی گئیں ۔"

"خیر یہ تو ناممکن ہے ۔" طاہرہ نے پورے یقین کے ساتھ کہا ۔

" طاہرہ آپا " اور نور بانو نے بھی بہت سنجیدگی کے ساتھ کہا ۔" اب اس دنیا میں کوئی بات ناممکن کہی نہیں جا سکتی ——— واقعی میں آئی تھی اور اسی طرف سے واپس چلی گئی ۔"

" خیر میں تو یقین نہ کروں گی ۔" طاہرہ نے پھر کہا ۔

" تو پھر مجبوری ہے ۔"

صبیحہ نے نور بانو سے کہا " میں نے کل ہی یہ بھی سنا ہے کہ حاجی صاحب نے رضوانہ کو ایک طرح سے بند کر دیا ہے ۔ اب اس کو دروازے تک آنے کی بھی اجازت نہیں ہے ۔"

" لڑکی تو اچھی نہیں ہے بی بی ۔" آبادی نے کہا ۔" ہر وقت دروازے پر کھڑی رہتی ہے ۔"

" اب تو نظر نہیں آتی ہے ۔" طاہرہ نے کہا ۔ طیبہ کل مجھ سے کہہ رہی تھی کہ اس کو دروازے پر نہ دیکھ کر طیبہ کو خیال ہوا ۔ کہ شاید وہ بیمار ہے لیکن جب وہ اس کو دیکھنے گئی تو رضوانہ کی والدہ نے کہا کہ اُن کے والد نے منع کر دیا ہے ۔ کہ کوئی مکان میں نہ آئے اور نہ رضوانہ کسی سے بات کرے ۔"

صبیحہ نے کئی بار نور بانو سے رضوانہ کے متعلق دریافت کیا لیکن اس نے اس کو کچھ نہ بتایا ۔

طاہرہ دو ایک بار باورچی خانے میں گئی اور پھر واپس آ کر ان کے پاس بیٹھ گئی۔ اس کو بھی رضوانہ کے متعلق لڑکیوں سے کچھ معلوم ہوا تھا لیکن وہ صحیح طور پر نہیں سمجھ سکی تھی کہ اس پر اس کے والدین نے کیوں پابندیاں عائد کی ہیں۔

ساڑھے بارہ بجے سب نے کھانا کھایا اور تین بجے حبیب اور منہاج سلطانہ اور نور بانو کو لے کر چلے گئے۔ افتخار احمد نے بھی حامد ہی کے یہاں کھانا کھایا تھا اور اسی وقت کہیں چلے گئے تھے انہوں نے چار بجے حامد کو اپنے یہاں بلا کر کہا۔

رباب پولیس کی باز پرس سے بچنے کے لئے دہلی سے فرار ہو چکا ہے۔ وہ آج صبح منیر کے یہاں گیا تھا لیکن اسی وقت حاجی صاحب بھی وہاں پہنچ گئے۔ ان کے ساتھ منیر کے دو ماموں بھی تھے۔ وہ ان لوگوں کو دیکھتے ہی کمرے سے نکل کر بھاگا ——— اور منیر کے والد نے اس کو کمرے میں بند کر دیا۔"

غالباً وہ آج ہی بھاگنے والے تھے۔ حامد نے کہا۔

"ہاں! حاجی صاحب مجھ سے بتا رہے تھے کہ منیر نے اپنی پیٹی میں اپنے کپڑے اور زیورات کے علاوہ اپنی والدہ کے صندوق سے آٹھ سو روپیہ بھی نکال کر رکھ لئے تھے۔ اسی پر تو ان کے باپ نے اس کو بہت مارا اور کوٹھری میں مقفل کر دیا۔"

"خالو ——— میرے خیال میں تو رباب کے ساتھ رعایت نہ کرنا

چاہیئے۔ ورنہ وہ اس طرح معلوم نہیں کتنی زندگیاں تباہ کردے گا۔ اور یہ بھی نہیں ممکن ہے کہ وہ دہلی ہی میں ہو اور پولیس کے ڈر سے کہیں چھپ گیا ہو۔ جو شخص چند گھنٹوں میں لال بابو جیسے بدمعاش سے دوستی کر سکتا ہے۔ وہ اسی طرح کسی دوسرے بدمعاش کی پناہ میں بھی جا سکتا ہے۔"

"ان کے والد کو تار دے دیا گیا ہے وہ آئیں گے ضرور۔"

حامد اُٹھ کر کمرے سے باہر آیا ہی تھا کہ عبدالوہاب کے باپ ایک ٹانگے پر آ گئے۔ حامد ان کو پانی پت میں دیکھ چکا تھا۔"

افتخار صاحب بھی باہر آ گئے اور ان کو لے جا کر کمرے میں بٹھایا ملازم نے ان کا سامان اُتار کر کمرے میں پہنچایا۔ حامد اس وقت تک کمرے کے باہر ہی کھڑا ہوا تھا۔ افتخار احمد نے اس کو بھی بلا لیا اور ملازم سے چائے لانے کے لئے کہا۔

"افتخار بھائی چائے نہیں پانی منگائیے۔ میں چائے کا عادی نہیں ہوں۔" عبدالستار نے کہا۔

"پانی بھی پی لیجئے گا۔"

ملازم نے پانی لا کر پلایا اور چائے لینے چلا گیا۔ افتخار صاحب نے عبدالستار سے کہا۔

"پرسوں سے وہاب کے لئے دوڑ دھوپ کر رہا ہوں۔ انھوں نے تو یہاں ایسے گل کھلائے ہیں کہ میں تو دنگ رہ گیا۔"

افتخار احمد نے شروع سے آخر تک سب واقعات بتانے کے بعد کہا

"آج صبح تک تو وہ دہلی کے مشہور بدمعاش لال بابو کے ساتھ تھے لیکن پولیس نے اس کو بلا کر ڈرایا دھمکایا اور ایک سب انسپکٹر ان کی تلاش میں گیا تو وہاں سے بھی فرار ہو گئے۔ اور حاجی صاحب اور منیر کے والد بھی ان کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔"

"عبدالستار نے سر جھکا لیا اور کچھ دیر بعد افتخار احمد کی طرف دیکھ کر کہا۔"

"اس مردود کے لئے کیا کیا جائے۔"

"اس کو تلاش کر کے پانی پت لے جائیے۔ اور اس کی اصلاح بھی کیجئے۔"

"اب ان کی نہیں بلکہ ان کے ہاتھوں اور پیروں کی اصلاح ہو گی۔ اس ننگ خاندان نے پانی پت میں بھی مجھے منہ دکھانے کے قابل نہیں رکھا اور اب یہاں تک اپنی بداعمالیوں کا دائرہ وسیع کر لیا۔"

"یہ سب آپ کی لاپرواہی کا نتیجہ ہے۔ آپ نے ان کو ان کے راستے پر چلنے دیا۔ کبھی بازپرس نہ کی۔ ان کو دس کی ضرورت ہوئی تو دس دے دیئے اور پچاس کی ضرورت ہوئی تو پچاس دیئے۔ مگر یہ کبھی نہ پوچھا۔ کہ صاحبزادے یہ رقم کرتے کیا ہو۔"

"مجھ سے زیادہ تو اُن کی ماں نے اُن کو برباد کیا۔ اس قدر سر چڑھا رکھا تھا کہ اگر میں کچھ کہتا تھا تو مجھ سے لڑنے لگتی تھیں۔"

"اب ان ہی کو زیادہ دکھ ہو گا۔" افتخار نے کہا۔ "بچے والدین

ہی کے بے جا لاڈ و پیار سے برباد ہوتے ہیں۔ بہر حال اگر وہ دہلی میں رہے تو کل تک ضرور گرفتار ہو جائیں گے۔ اور اگر پولیس کے ہتھے نہ لگے۔ تو منیر کے رشتہ داران کو تلاش کر کے ماریں پیٹیں گے۔ وہ بہت بپھرے ہوئے ہیں اور بات ہی ایسی ہے۔ اگر میں ان کی سازش کا پولیس سے تذکرہ کروں تو وہ سزایاب ہو جائیں۔"

عبدالستار بڑی آن بان کے تھے۔ لیکن بیٹے کے کارناموں پر ان کا سر ندامت سے جھک گیا اور اس کو خطرات میں گھرا ہوا دیکھ کر وہ رونے لگے۔ افتخار اور حامد نے ان کو سمجھایا اور شام کو وہ افتخار کے ساتھ چاندنی چوک گئے۔ فتح پوری کے قریب ان کو غیاث احمد مل گئے۔ افتخار احمد نے ان سے عبدالستار کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"آپ عبدالوہاب کے والد ہیں اور ان کو تلاش کرنے آئے ہیں۔"

"بھائی میرے!" حاجی غیاث احمد نے کہا۔ آپ کے صاحبزادے تو بڑی خوبیوں کے مالک ہیں۔ میں ابھی منیر کے یہاں سے آرہا ہوں۔ منیر نے اپنے والدین کو بتا دیا ہے کہ رباب اس کو ورغلا کر بمبئی لے جانے والے تھے۔ ابھی وہ لوگ ایک وکیل کے یہاں گئے ہیں اور اس سے مشورہ کر کے پولیس میں رپورٹ لکھائیں گے۔ میں نے بہت سمجھایا لیکن وہ لوگ ابھی تک یہی کہہ رہے ہیں کہ رضوانہ کا نام نہیں بتائیں گے۔ لیکن پولیس میں رپورٹ ضرور لکھائیں گے۔"

"حاجی صاحب ان کو باز رکھنے کی کوشش کیجیے۔" افتخار احمد نے

فوراً کہا۔" ورنہ رضوانہ کا نام ضرور آئے گا اور اس کو بھی تھانے اور عدالت تک گواہ کی حیثیت سے جانا پڑے گا۔ اور اس طرح وہ راز جو تین چار روز سے چھپایا جا رہا ہے طشت از بام ہو جائے گا۔"

حاجی غیاث احمد کی سمجھ میں بھی یہ بات آ گئی اور انہوں نے افتخار صاحب سے کہا۔

"ڈپٹی صاحب آپ ہماری رہنمائی کیجئے اور ہماری طرف سے ان لوگوں کو سمجھائیے۔"

عبدالستار نے بھی افتخار احمد سے کہا۔

"ہاں افتخار بھائی بہر حال اب کسی نہ کسی طرح اس قصے کو ختم کرائیے میں سو دو سو خرچ کرنے کے لئے تیار ہوں۔ بلاوجہ ہم سب کی بدنامی ہو گی۔"

"میں تو عجیب شش و پنج میں پڑ گیا ہوں۔ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ کیا کروں۔"

"سب سے پہلے تو ان لوگوں کو سمجھانا چاہیئے۔" عبدالستار نے کہا۔ "اگر ان لوگوں نے پولیس میں رپورٹ لکھا دی تو پھر حالات پر قابو پانا دشوار ہو جائے گا۔"

"وہ لوگ کس وکیل کے یہاں گئے ہیں ——" افتخار احمد نے دریافت کیا۔

"بانکے بہاری ماتھر کے یہاں ——"

افتخار صاحب، غیاث احمد اور عبدالستار کے ساتھ وہاں پہنچے۔

منیر کے ماموں کہیں جا چکے تھے لیکن اس کے باپ وہاں وکیل کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔

حاجی غیاث احمد نے ان کو بلا کر افتخار احمد کے متعلق بتایا اور کہا وہ تانگے پر بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

منیر کے والد بھی حاجی غیاث احمد کی طرح قدیم وضع کے انسان تھے وہ اٹھ کر ان کے ساتھ افتخار احمد کے پاس آئے۔ انہوں نے تانگے سے اُتر کر ان سے مصافحہ کیا اور دو چار باتیں کر کے کہا۔

"قبلہ اگر آپ مناسب سمجھیں تو تانگے پر بیٹھ کر میرے ساتھ چلیں۔ تاکہ میں آپ سے اطمینان کے ساتھ گفتگو کر سکوں۔ جہاں تک رپورٹ اور قانونی کارروائی کا تعلق ہے۔ وہ آپ کل صبح بھی کر سکتے ہیں۔"

"ڈپٹی صاحب میری عزت اور میرے خاندان کی ناموس پر حملہ کیا گیا ہے۔ میں خاموش نہ بیٹھوں گا۔ کسی شریف کی عزت سے کھیلنا مذاق نہیں ہے۔"

"میرے آگے بھی لڑکیاں ہیں۔" افتخار احمد نے کہا۔ "میرے دل میں خدا کا خوف ہے۔ آپ حاجی صاحب سے دریافت کر سکتے ہیں کہ میں نے دلّی میں کیسی زندگی گزاری ہے اور کس خیال کا انسان ہوں۔ اگر بات پڑ جائے تو میں اپنے لڑکے کے خلاف بھی گواہی دے سکتا ہوں۔"

افتخار احمد کے سمجھانے پر وہ تانگے پر بیٹھے اور چاروں فتح پوری آگئے۔ افتخار احمد نے اُن کو ایک ہوٹل میں بٹھایا اور ان سے باتیں کرنے

لگے۔ انہوں نے اس وقت تک منیر کے والد سے عبدالستار کا تعارف نہیں کرایا تھا۔ غیاث احمد بہت پریشان تھے۔ افتخار نے منیر کے والد سے کہا۔

"میں کچھ عرض کروں۔ آپ برا تو نہ مانیں گے۔"

"فرمائیے!"

"دیکھئے قبلہ اس میں آپ کی غلطی بھی ہے۔"

"میری کیا غلطی ہے جناب؟" انہوں نے بگڑ کر کہا۔

"کسی لڑکی کو اپنے ساتھ لے جانے کے لئے ایک دن میں رضامند نہیں کیا جا سکتا ——" افتخار احمد نے ان کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"عبدالوہاب وہاں ایک بار سے زیادہ گیا ہے۔ کیا میں اب آپ سے یہ دریافت کر سکتا ہوں کہ آپ نے اس کی آمد و رفت پر اعتراض کیوں نہیں کیا۔"

"مجھ کو تو آج حاجی صاحب سے معلوم ہوا۔"

"آپ واقعی بہت بھولے اور سیدھے انسان ہیں۔" افتخار صاحب نے کہا۔ "خیر! آپ کے گھر میں تو سب کو علم ہو گا کہ کوئی شخص آتا ہے اور منیر اس سے گفتگو کرتی ہے۔"

حاجی صاحب کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ کیونکہ ان کی لڑکی کا تذکرہ ہونے ہی والا تھا۔

افتخار صاحب بھی ان کی پریشانی کو محسوس کر رہے تھے اس لئے

انہوں نے ڈپٹی صاحب سے گفتگو کا رُخ بدل دیا اور سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

" آپ کی اہلیہ کا فرض تھا کہ وہ اپنی لڑکی کو منع کرتیں۔ لیکن شاید وہ بھی آپ ہی کی طرح سیدھی ہیں۔ انہوں نے ان ملاقاتوں پر تعرض نہ کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ عبدالوہاب کی ہمت بڑھتی گئی اور اس نے آپ کی صاحبزادی کو ہموار کر لیا۔"

منیر کے والد کے چہرے کا رنگ اڑنے لگا۔

" پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" افتخار صاحب نے کہا "میں صرف قانونی نقطۂ نظر سے آپ سے گفتگو کر رہا ہوں۔ اگر یہ معاملہ عدالت تک پہنچا تو ان ہی باتوں پر بحث ہو گی۔ اور جرح میں ایسے ایسے سوالات کیے جائیں گے کہ آپ پریشان ہو جائیں گے۔ اور بہت ذلت اور رسوائی ہو گی۔"

" آپ ایک طرفہ بات کہہ رہے ہیں۔" منیر کے والد نے کہا۔ "قطعی نہیں۔ افتخار نے جواب دیا۔" کیا اس بدمعاش کی یہ زیادتی نہیں تھی؟"

" تھی ــــ! اور واقعی تھی۔ اور اگر آپ کی طرف سے عدالت میں ثابت کر دیا گیا تو اس کو سزا ہو جائے گی۔ لیکن جب یہ باتیں عدالت میں دریافت کی جائیں گی۔ اور آپ کی صاحبزادی سے جرح کی جائے گی تو وہ گھبرا جائے گی ــــــ اور آپ کو یہ ثابت کرنا دشوار ہو جائے گا اور واقعہ صحیح ہوتے ہوئے بھی وکیل لڑکی کی رضامندی ثابت کر کے عبدالوہاب کو بچا لے جائے گا ــــــ اور آپ کی عزت بلاوجہ خاک،

میں مل جائے گی۔"

"تو کیا اس واقعہ پر خاک ڈال دی جائے اور یہ بے عزتی برداشت کر لی جائے"۔

منیر کے والد نے غصہ میں دریافت کیا۔

"قبلہ بگڑنے کی ضرورت نہیں۔ خدا بھی تو کوئی چیز ہے۔ اس کے انصاف پر بھی نظر رکھیے۔ عبدالوہاب کی یقیناً زیادتی ہے۔ اور میں اس سے زیادہ یقین کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ خدا اس کو اس زیادتی کی سزا دے گا اس نے جو کچھ کیا اس کی سزا اس کو اسی دنیا میں مل گئی۔ اگر نہ ملے تو آپ مجھے کتے کے برتن میں کھانے کو دیجئے گا"۔

حاجی غیاث احمد نے اطمینان کا سانس لے کر کہا۔

"ڈپٹی صاحب آپ بہت صحیح فرما رہے ہیں۔ قدرت ضرور انتقام لے گی۔"

"مہربان من!" افتخار احمد نے منیر کے والد سے کہا "خدا کی لاٹھی میں آواز نہیں ہوتی۔"

"اچھا صاحب!" منیر کے والد نے کہا۔ "میں اس کا فیصلہ خدا پر چھوڑتا ہوں۔"

افتخار احمد اور حاجی صاحب کے چہرے مسرت سے کھل اٹھے لیکن عبدالستار لرز گئے اور ان کے چہرے سے وحشت ٹپکنے لگی۔

افتخار صاحب نے کہا "مجھ کو بھی ایک روز مرنا ہے۔ میرے

ساتھ صرف میرے اعمال جائیں گے۔ یہاں میں اپنے جاہ و منصب، اپنی ثروت اور اپنے اثر و رسوخ اور اپنی چرب زبانی سے آپ کو خاموش کرا سکتا ہوں۔ لیکن خدا کے حضور میں کسی کی نہ چلے گی۔ اور اسی دنیا میں ایک روز دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو کر رہے گا۔"

"میں پولیس میں رپورٹ نہ لکھاؤں گا۔" منیر کے والد نے کہا۔ "اب اس کا فیصلہ خدا کرے گا۔"

"خدا آپ کے ایمان کو سلامت رکھے۔" افتخار احمد نے کہا۔ "مجھے قوی اُمید ہے کہ خدا ایک روز مجھے سرخرو کرے گا اور آپ دیکھیں گے کہ اس نے کیا سزا دی۔"

عبدالستار کی پیشانی پر پسینے کے قطرے جھلکنے لگے۔ افتخار صاحب نے حاجی صاحب اور منیر کے والد کو اصرار کر کے چائے پلائی اور وہ لوگ ہوٹل سے باہر آ گئے اور کچھ دور تک باتیں کرنے کے بعد غیاث احمد اپنی دوکان اور منیر کے والد اپنے مکان کی طرف چلے گئے۔

۳۴

عشا کی نماز پڑھ کر عبدالستار نے افتخار احمد اور زبیدہ بیگم کے اصرار پر کھانا کھایا اور مردانے کمرے میں آ کر بیٹھ گئے۔ افتخار احمد بہت تھکے ہوئے تھے لیکن اس کے باوجود ان کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔

عبدالستار نے ان سے کہا "رباب مل جائے تو میں کل چلا جاؤں جہاں تک قانون اور دنیا کے معاملات کا تعلق ہے یہ قصہ تو بخیر و خوبی ختم ہو گیا۔ لیکن یہ معاملہ اب خدا پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ بتائیے بھائی اب کیا کیا جائے"۔

"اگر آپ خدا کی نظر میں امی کو بے گناہ ثابت کر سکتے ہیں تو کوشش کیجئے"۔

"ان کے لہجے میں طنز تھا۔ عبدالستار نے جھرجھری لے کر کہا۔"

"اس وقت سے میرے دل کی عجیب حالت ہو رہی ہے"۔

" غلطی آپ کی بھی ہے۔ قدرت آپ سے بھی انتقام لے گی"۔

افتخار احمد نے بغیر کسی جھجک کے کہا۔ "عبدالوہاب نے طاہرہ کو بدنام کرنے کے لئے جو کوشش کی جب میں اس کے متعلق غور کرتا ہوں تو میرا خون کھولنے لگتا ہے۔ ابھی تک یہ باتیں میں نے کسی پر ظاہر نہیں کی ہیں۔ صرف حامد اور منہاج کو ان واقعات کا علم ہے اور منہاج کی دلہن کے علم میں بھی چند باتیں آ گئی ہیں۔ یہ سب اس کی کوشش اور کارکردگی کا نتیجہ ہے ورنہ مجھ کو تو آپ کے فرزند ارجمند نے کہیں کا نہیں رکھا تھا"۔

"میں خود شرمندہ ہوں۔ عبدالستار نے کہا۔ اور اس کا کفارہ ادا کرنے کے لئے تیار ہوں"۔

" اب کفارہ ادا کرنے کے بجائے سب سے پہلے آپ اپنی صاحبزادی کا کسی سے نکاح کر دیجئے۔ آثار اچھے نہیں ہیں —— آپ کی کوئی اولاد قرینے کی نہیں نکلی۔ اب یہ اور بات ہے کہ کسی نے اب تک آپ سے کچھ کہا نہیں ہے، لیکن جانتے سب ہی ہیں۔

عبدالستار خاموش بیٹھے ہوئے سنتے رہے۔ افتخار احمد نے حقّہ کے دو چار کش لئے اور پھر عبدالستار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"میں اپنی زبان سے اس سے زیادہ اور کچھ نہ کہوں گا کہ خاندان میں آپ کی بہت بدنامی ہوئی ہے۔ اور ہو رہی ہے۔ مارنے والے کا ہاتھ سب ہی پکڑ لیتے ہیں لیکن کوئی کسی کی زبان نہیں پکڑ سکتا"۔

"عائشہ کے لئے عبدالمنان نے کئی آدمیوں سے کہلایا ہے۔"

"کون عبدالمنان ؟" افتخار نے حافظہ پر زور دیتے ہوئے کہا اچھا وہ عبدالمنان کے لڑکے وہ شاید پولیس میں ہیں۔ اور پہلی بیوی کا مرچکی ہے۔"

"جی ہاں! پہلی بیوی سے تین بچے بھی ہیں۔ بہت ظالم انسان ہے میں آنکھیں بند کر کے عائشہ کو وہیں جھونک دوں گا وہ ہر وقت جوتا سیدھا کئے گا اور اس کو سیدھا کرے گا۔ رہ گیا عبدالوہاب تو آپ ہی بتایئے کہ اس کے لئے کیا کیا جائے۔"

"گستاخی معاف!" افتخار احمد نے کہا۔ اس کے متعلق مجھ سے کچھ نہ دریافت کیجئے میں ایسے لوگوں کا ساتھ نہ دوں گا۔ میرے آگے بھی بچے ہیں اس کے لئے تو بس آپ ہی دعا کیجئے۔ وہی اس کی اصلاح کر سکتا ہے۔ انسان تو قاصر ہے۔"

"افتخار بھائی! بہرحال مجھ کو تو کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ اولاد کی محبت بری ہوتی ہے۔"

"ضرور کیجئے۔ آپ کا فرض ہے لیکن اس نے جو کچھ کیا ہے قدرت کی طرف سے اس کو اس کی سزا ضرور ملے گی۔ طاہرہ جیسی فرشتہ صفت لڑکی کے لئے اس نے جو جال بچھایا تھا۔ اس میں وہ اب خود پھنس گیا ہے اور یہ سب منجانب اللہ ہوا ہے۔ میں آپ کی ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں لیکن اب آپ برائے خدا عبدالوہاب کے سلسلے میں مجھ سے کچھ نہ کہیں۔ میں اس

کے لیے جو کچھ کرسکتا تھا میں نے کیا۔

"بیشک مجھ کو اس کا احساس ہے۔" عبدالستار نے کہا۔ "اگر آپ دوڑ دھوپ نہ کرتے تو وہ اب تک حوالات میں ہوتا۔"

"مجھے تو اب بھی شک ہے۔" افتخار نے کہا۔ "اگر وہ دہلی سے بچ گیا تو کوئی فتنہ اُٹھ کھڑا ہوگا۔ وہ ان انسانوں میں سے نہیں ہے جو حالات سے ڈر کر اپنی روش بدل دیتے ہیں۔ ذیل کی تین مثالیں آپ کے سامنے موجود ہیں۔ وہ بمبئی کے مکان پر حاجی صاحب کو دیکھ کر بھاگا۔ لیکن اس کے بعد ان کے مکان کے گرد چکر لگاتا ہوا دیکھا گیا۔ آخر یہ سب ڈھٹائی نہیں تو اور کیا ہے۔"

"لیکن اب کیا کیا جائے ؟"

"کل وہاب کو تلاش کیجئے اور لے جائیے۔" افتخار احمد نے کہا "لیکن یہ یاد رکھیئے کہ وہ پانی پت میں رہیگا نہیں جہاں تک میرا خیال ہے۔ وہ اپنی والدہ یا بہن کے زیور یا آپ کی تجوری سے روپیہ لے کر سیدھا بمبئی جائے گا۔"

عبدالستار پیسے کے معاملے میں بہت لالچی تھی۔ انہوں نے کچھ سوچ کر کہا۔

"تو کیا اس کو اس کی حالت پر چھوڑ دوں ؟"

"چھوڑیئے یا نہ چھوڑیئے۔ لیکن وہ کرے گا ضرور کوئی حرکت۔"

"خدایا! تیرا شکر ہے۔"

عبدالستار نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ افتخار احمد کے لبوں پر طنزیہ تبسم نمودار ہوا اور انہوں نے کہا۔

"یہ آپ کی تربیت کا نتیجہ ہے آپ صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں۔ بظاہر خدا کے نافرمان بندے بھی نہیں ہیں۔ لیکن خدا نے اپنے محبوب یعنی رسول کریم صلعم کے ذریعہ انسان کے سامنے جو ضابطہ حیات پیش کیا۔ آپ نے اس سے روگردانی کی —— آپ عبادت کا مفہوم نہ سمجھ سکے۔ صرف پانچ وقت ٹکر مار لینے سے انسان کی نجات نہیں ہوتی ہے۔"

"بات ہی پر بات نکل آتی ہے۔ آپ ہر سال زکوٰۃ نکال لیتے ہیں۔ لیکن کیا آپ نے کبھی اس پہلو پر بھی غور کیا کہ وہ رقم ان ہی لوگوں کو دی جاتی ہے۔ جو صحیح معنوں میں اس کے مستحق ہیں۔"

عبدالستار نے کوئی جواب نہیں دیا۔ افتخار صاحب نے چند سیکنڈ بعد پھر کہا۔

"حالانکہ اس سلسلہ میں انسان کو بہت زیادہ محتاط ہونا چاہیئے۔ علاوہ ازیں تعلیم کے لئے ہمارے رسول صلعم نے فرمایا کہ علم حاصل کرو۔ خواہ چین تک جانا پڑے۔ لیکن آپ نے چھٹی یا ساتویں جماعت اس کو پڑھانے کے بعد اسکول تک بھیجنے کی زحمت نہ گوارا کی۔ حالانکہ آپ اس کو اعلیٰ تعلیم دلا سکتے تھے۔ آپ کے پاس پیسہ تھا۔ آپ کے پاس ذرائع تھے۔ لیکن آپ نے اپنے کسی بچے کو بھی اعلیٰ تعلیم نہیں دلائی۔ اور اس کا سبب غالباً یہ تھا کہ آپ کو اپنی دولت پر زعم تھا۔ آپ سمجھتے تھے کہ

آپ کے بچوں کو ملازمت تو کرنا نہیں ہے۔ گھر میں دولت بھری پڑی ہے"
افتخار کے الفاظ تیرو نشتر بن کر عبدالستار کے دل میں اتر رہے تھے لیکن وہ ان کی تردید نہیں کر سکتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ افتخار احمد جو کچھ بھی کہہ رہے ہیں وہ حرف بحرف صحیح کہہ رہے ہیں۔
افتخار احمد نے جماہی لے کر کہا۔
"میں کس کس بات کا حوالہ دوں۔ مولوی ہدایت علی نے بچوں کے مدرسے کی تعمیر کے لئے آپ سے زمین مانگی۔ آپ ایک قطع اراضی دے سکتے تھے لیکن آپ نے اُن سے کہہ دیا کہ آپ کو مدرسے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ بعد میں انہوں نے چندہ کر کے روپیہ فراہم کیا اور آپ سے وہ قطع اراضی خریدنا چاہا لیکن آپ نے انکار کر دیا اور تین ماہ بعد وہی زمین لالہ نیت رام کے ہاتھ فروخت کر دی اور اُس نے وہاں اپنے باپ کے نام سے اُن کی یادگار میں ایک اسکول قائم کر دیا۔ یہ میری سمجھ میں نہیں آتا ہے۔ یہ سب کیا ہے۔ ایک طرف تو آپ پانچوں وقت کی نماز پابندیٔ وقت کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور دوسری طرف آپ اسلامی تعلیم کو فراموش کئے ہوئے ہیں"
عبدالستار کے پاس ان باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔ افتخار احمد کو ان کے متعلق جو کچھ بھی معلوم ہوا تھا۔ وہ ان کے معمولات اور خیالات کا عشر عشیر بھی نہیں تھا۔ دوسروں کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا ان کی فطرت ثانیہ تھی۔ اُن کی آنکھوں میں مروت نام کو نہ تھی۔ اپنے مفاد پر دوسرے کے مفاد کو قربان کر دینا ان کی سرشت میں داخل تھا۔ وہ عیب کو عیب نہ

سمجھتے تھے۔ دوسروں کا پیسہ دبا کر اپنا کاروبار بڑھانا ان کے زریں اصولوں میں سے ایک تھا۔ داڑھی پر ہاتھ پھیر کر جھوٹ بولنے ہی کو وہ کامیابی کا گر سمجھتے تھے۔

افتخار صاحب نے ان کو خاموش دیکھ کر چند سکنڈ بعد کہا۔

"بتلایئے کیا ان حالات میں آپ کی عبادت مقبول بارگاہ اللہ ہوئی ہو گی ——— ؟ ہرگز نہ ہوئی ہو گی۔ میرے خیالات میں تو اب آپ کی نماز آپ کے معمولات میں داخل ہو گئی ہے۔ اس لئے آپ اس کے افادی پہلوؤں پر کبھی دوسرے لفظ' نظر سے غور کرنے کی کوشش ہی نہیں کرتے ہیں۔"

وہ ایک ساعت کے لئے خاموش ہوئے اور انہوں نے پھر کہنا شروع کیا۔

"معاف کیجئے گا۔ میری باتیں تلخ ضرور ہیں۔ لیکن جب آپ ان پر ٹھنڈے دل سے غور کریں گے تو ان کی افادیت سمجھ میں آئے گی۔ آپ نمازی ہیں۔ پرہیزگار ہیں۔ لیکن آپ کے دل میں حق پرستی کا شائبہ تک نہیں ہے یہ جذبہ آپ کے دل میں ہوتا تو آپ پانی پت میونسپل بورڈ کے الیکشن میں ایک ایماندار کے مقابلے میں ایک بے ایمان کا ساتھ نہ دیتے اور جائز، ناجائز میں تمیز کرتے"

"بس افتخار بھائی بس ——— آپ نے بہت کچھ کہہ لیا۔" عبدالستار نے برا مانتے ہوئے کہا۔ اب تو مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ آپ کے دل میں میرے خلاف غبار بھرا ہوا تھا۔"

"اگر غبار ہوتا تو اب تک معلوم نہیں کیا ہو چکا ہوتا" افتخار صاحب نے کہا۔ "میں طبیعت کا انسان ہی نہیں ہوں۔ یہ باتیں تو میں نے محض برادرانہ ہمدردی میں کہہ دیں۔ تاکہ آپ کی آنکھیں کھل جائیں اور صحیح معنوں میں کفارہ ادا کرنے کے قابل ہو سکیں"

زبیدہ بیگم بھی کمرے میں آگئی تھیں۔ انہوں نے اپنے شوہر سے کہا۔

"اچھا بس اب اس قصے کو ختم کیجیے"

"میں لڑ نہیں رہا ہوں صرف سمجھا رہا ہوں" افتخار احمد نے کہا۔

"اگر وہاب پر آنچ آئے گی یا وہ کسی کیس میں پھنسے گا تو کیا میری بدنامی نہ ہو گی"

"خیر اب صبح سمجھائیے گا۔ چل کر آرام کیجیے۔ آپ بھی آج تھکے ہوئے ہیں۔ ستار بھائی بھی آرام کرنا چاہتے ہیں"

عبدالستار نے کہا۔ "افتخار بھائی مجھ کو غور کرنے کا موقع دیجیے"

"ذرا غور کیجیے ——" افتخار احمد نے کہا۔ "لیکن ذرا ٹھنڈے دل سے"

افتخار صاحب اٹھے اور عبدالستار بھی ان کے ساتھ کھڑے ہو گئے زبیدہ بیگم نے عبدالستار سے کہا۔

"دوسرے کمرے میں آپ کا بستر لگا دیا گیا ہے۔ گلاس صراحی اور لوٹا بھی رکھ دیا گیا ہے"

افتخار احمد ان کو شب بخیر کہہ کر اپنی اہلیہ کے ساتھ چلے گئے۔
عبدالستار دوسرے کمرے میں پہنچ کر بستر پر دراز ہو گئے۔ لیکن ان کو بہت دیر تک نیند نہ آئی۔ ان کا ضمیر ان کو ملامت کر رہا تھا۔

صبح جب نماز فجر کے لئے بیدار ہوئے۔ افتخار صاحب مسجد جا چکے تھے۔ عبدالستار نے کمرے ہی میں نماز فجر ادا کی اور وظیفہ پڑھنے لگے۔ افتخار صاحب کا معمول تھا کہ نماز فجر مسجد میں با جماعت ادا کرتے تھے وہیں سے چہل قدمی کے لئے چلے جاتے تھے اور طلوع آفتاب ہوتے وقت واپس آ جاتے تھے۔

وہ جس وقت واپس آئے عبدالستار وظیفہ پڑھ رہے تھے۔ افتخار صاحب نے اندر جا کر کہا کہ ان کے اور عبدالستار کے لئے ناشتہ باہر کمرے میں بھیج دیا جائے اور کمرے میں آ کر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد عبدالستار بھی آ گئے۔

"آپ بہت دیر تک وظیفہ پڑھتے ہیں۔" افتخار احمد نے مسکرا کر کہا۔

"جی ہاں!" انہوں نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "پیر مرشد کا بتایا ہوا وظیفہ ہے۔ میرے پاس جو کچھ بھی ہے سب اسی کا فیض ہے۔"

"پھر تو واقعی! یہ ایک عجیب نعمت ہے آپ کے پاس!"
اعجاز اور حامد بھی واپس آ گئے اور انہوں نے کمرے میں قدم رکھتے

ہی دونوں کو سلام کیا۔ اور ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔ افتخار صاحب ان دونوں سے دو چار باتیں کر کے پھر عبدالستار صاحب کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس وقت وہ بہت مسرور نظر آرہے تھے۔

"ہاں! تو یہ آپ کے پیر و مرشد نے آپ کو بتایا تھا" افتخار صاحب نے عبدالستار سے کہا۔

"جی ہاں، افتخار بھائی عجیب تاثیر ہے اس کی پیر مرشد کا کہنا ہے کہ جو شخص اس کا ورد کرے اگر وہ میدان جنگ میں جائے تو گولیوں کی بوچھاڑ میں بھی محفوظ رہے۔ آگ میں گھر جائے تو گزند نہ پہنچے۔ جس کشتی پر بیٹھا ہوا ہو وہ غرق آب نہ ہو"

"اوہو ——" افتخار صاحب بول اُٹھے۔ "پھر تو واقعی آپ کے ہاتھ ایک ایسی چیز آگئی ہے کہ آپ لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں پیدا کر سکتے ہیں۔"

"اسم اعظم ہے ——" عبدالستار نے فخریہ لہجے میں کہا۔

"وہی اسم اعظم تو نہیں جو ایک بزرگ نے حاتم طائی کو دشت ہویدا میں بتایا تھا"

"یہ تو میں نہیں بتا سکتا" عبدالستار نے افتخار صاحب کے طنز کو نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

حامد اور اعجاز مسکرا دیئے۔

"افتخار بھائی! ٹیکسی والے کیس کا تو آپ کو علم ہوگا ہی جو دو بھائی

قبل مجھ پر چلا تھا۔ سب کہتے تھے کہ پائی پائی وصول کر لی جائے گی۔ میں نے عدالت میں قدم رکھتے ہی اس کا ورد شروع کر دیا۔ میرے حق میں فیصلہ ہو گیا۔"

"اگر ایسا ہے تو آپ صرف عدالت ہی سے ہزار دو ہزار روپے ماہوار پیدا کر سکتے ہیں اور اگر کہیں حکومت کے محکمہ فوج یا جہاز ران کمپنیوں کو یہ اسم اعظم معلوم ہو جائے تو فوجیں جس طرف رخ کریں ملک پر ملک فتح کرتی چلی جائیں اور جہاز ران کمپنیاں جہازوں کا بیمہ کرانا چھوڑ دیں۔"

اعجاز کے دل میں آیا کہ وہ کہہ دے کہ اس کا ملک کی اقتصادیات پر بھی اثر پڑ سکتا ہے اور بیمہ کمپنیاں فیل ہو سکتی ہیں۔ لیکن بزرگوں کی بات میں دخل دینا اس کے نزدیک ایک بہت بڑا عیب تھا اس لئے وہ صرف حامد کے کان میں کچھ کہہ کر خاموش رہ گیا۔ عبدالستار بھی فوج اور جہازوں کی رائے پر چونکے اور انہوں نے اپنی پوزیشن صاف کرنے کے خیال سے کہا۔

"افتخار بھائی! آپ شاید مذاق کر رہے ہیں۔"

"اس میں مذاق کی کیا بات ہے۔" افتخار نے کہا۔ "ابھی آپ ہی نے فرمایا ہے کہ اسے پڑھنے سے آدمی میدان جنگ میں گولیوں کی بوچھاڑ سے محفوظ رہ سکتا ہے اور وہ جس کشتی پر ہو بفضل خدا محفوظ رہے۔"

"جی ہاں! اس سے تو آپ بھی انکار نہیں کر سکتے کہ خدا کے نام میں

بڑی تاثیر ہوتی ہے۔" عبدالستار نے کہا۔" ہندوستان میں کیسے کیسے بزرگ ہیں۔ پیر مرشد فرمایا کرتے ہیں کہ ان کو یہ مرتبے اسی کی بدولت حاصل ہوئے۔"

اعجاز اُٹھ کر اندر چلا گیا۔ افتخار صاحب نے مسکرا کر کہا۔

تو گویا ان کی عبادت اور ریاضت محض بیکار ہی گئی۔ جب ان کو اس اسم اعظم کا علم ہوا تو وہ اس مرتبے پر پہنچ گئے۔"

" آپ میرا مطلب نہیں سمجھے۔" عبدالستار نے کہا۔

" اور نہ کبھی سمجھ سکوں گا۔" افتخار احمد نے کہا۔" بھائی صاحب ان ہی باتوں اور ایسے ہی عقائد نے مسلمانوں کو یہ روزِ بد دکھایا۔ اسلام نے عمل کی تعلیم دی اور پیروں اور مرشدوں نے اُن کو ایسی باتوں میں پھنسا دیا نبی کریم صلعم نے اپنی لختِ جگر تک سے یہ کہا کہ اے فاطمہ! تمہاری بخشش صرف تمہارے اعمال پر ہو گی۔ اپنے دل میں یہ خیال نہ کرنا کہ تم رسول کی بیٹی ہو اور آپ کے ہاتھ ایک ایسا نسخہ آ گیا جو دنیا اور عقبیٰ دونوں کو سنوارنے کے لئے کافی ہے۔"

عبدالستار نے کچھ کہنے کا ارادہ کیا لیکن افتخار صاحب نے ان کو بولنے کا موقع نہ دیا۔ اور سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

" ذرا اس پہلو پر بھی تو غور کیجئے۔ کہ اگر اوراد وظائف ہی سے انسان کو سب کچھ حاصل ہو جاتا تو پھر اسلام عمل پر کیوں زور دیتا۔ ذرا مجھ کو یہ بتائیے کہ ہمارے نبی صلعم کونسا وظیفہ پڑھتے اور صحابہ کرام کے اوراد کیا تھے۔ رات کو میرے اسی سمجھانے پر آپ ناراض ہو گئے تھے۔"

"اسلام عمل کی تعلیم دیتا ہے۔ اور آپ وظائف کے فضائل کی تلقین کر رہے ہیں۔ کیا قرآن کریم سے بڑھ کر مسلمانوں کے لیئے کوئی چیز ہو سکتی ہے"

عبدالستار کے جواب سے قبل ناشتہ آ گیا۔ اعجاز بھی ملازم کے ساتھ آ گیا اور اس نے ایک بڑی گول میز لا کر اپنے والد اور عبدالستار کے قریب رکھ دی۔

"اچھا اب پہلے ناشتہ کر لیجئے" افتخار احمد نے عبدالستار سے کہا۔

عبدالستار کے پاس کوئی جواب نہیں رہ گیا تھا اس لئے انہوں نے اسی کو غنیمت سمجھا اور خاموش ہو گئے۔ لیکن افتخار صاحب ان کو بری طرح جھنجھوڑنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ اس لئے ناشتہ ختم ہوتے ہی انہوں نے کہا۔

"ہاں! تو آپ کا یہ خیال ہے کہ آپ کے پاس جو کچھ بھی ہے سب اسی کا فیض ہے۔"

"خیال کیسا ——!" عبدالستار نے پورے جوش کے ساتھ کہا۔ "مجھے یقین ہے۔"

"تو گویا اس میں نہ تو آپ کی ذاتی صلاحیتوں کو دخل ہے۔ نہ موروثی اندوختہ آپ کے کام آیا ہے۔ اور نہ بڑے لوگوں سے آپ کے تعلقات آپ کے کاروبار پر اثر انداز ہوئے ہیں۔"

"ان چیزوں کا اس سے کیا تعلق ــــــ" عبدالستار نے کہا۔

"جو چیز آپ کی زندگی پر اثر انداز ہو اس کا آپ کی ذات سے تعلق ہونا ضروری ہے۔" افتخار احمد نے کہا۔ "بہرحال میں نہ تو اس عقیدے کا ہوں۔ اور نہ ایسی مغوبیتوں میں پڑتا ہوں۔"

"افتخار بھائی! خدا کے نام کے متعلق تو نہ کہیئے۔"

"نعوذ باللہ!" افتخار احمد نے فوراً کہا۔ "میری کیا مجال ہے۔ جو اسمائے ذات باری تعالیٰ کے متعلق لب کشائی کی جرات کر سکوں۔ میں تو آپ کے عقائد کے متعلق کہہ رہا ہوں۔ ذرا غور تو کیجیے کہ اگر ایسا ہی ہوتا تو ہمارے نبی کریم کو غزوات میں کیوں جانا پڑتا اور قرون اولیٰ کے مسلمان چین سے اسپین تک کیوں جہاد کرتے۔"

عبدالستار صاحب محو حیرت بنے بیٹھے ہوئے افتخار احمد کی طرف دیکھ رہے تھے اور افتخار صاحب جوش میں کہتے چلے جا رہے تھے۔

"تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمانوں کی فتوحات بہت شاندار تھیں وہ جس طرف رُخ کرتے تھے کامیابی ان کے قدم چومتی تھی۔ اور فتح و نصرت ان کی جلو میں ہوتی تھی۔ اگر وہ ایسے اسمائے اعظم کے چکر میں پڑ جاتے۔ تو آج اسلام مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ ہی تک محدود ہوتا اور ہم کتابوں میں صرف یہ پڑھتے کہ عرب کے ریگستان میں وہ شہر ہیں جہاں کچھ لوگ آباد ہیں وہ خود کو مسلمان کہتے ہیں، اور بس ــــــ"

عبدالستار صاحب جز بز ہو کر رہ گئے۔ ان کے پاس ان باتوں کا کوئی

جواب نہیں تھا۔ افتخار احمد نے ملازم کو آواز دے کر حقہ لانے کو کہا۔

اور پھر عبدالستار کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"اسلام کو سمجھنے کی کوشش کیجئے۔"

"اپنے خیال میں تو میں نے اسلام کو صحیح معنوں میں سمجھا ہے۔" عبدالستار نے کہا۔ "ہاں یہ بات ضروری ہے کہ میں نے آپ کے برابر نہیں پڑھا ہے۔ اور نہ انگریزی سے واقف ہوں۔"

"اگر آپ نے اسلام کو ذرا بھی سمجھنے کی کوشش کی ہوتی تو آج یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا۔ اسلام کے معنی ہیں سلامتی کے۔ پرسکون اور پرامن ماحول میں زندگی گزارنے کے۔"

وہ چند سیکنڈ کے لئے خاموش ہوئے اور پھر ان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"آپ نے جس توجہ کے ساتھ میری گفتگو سنی ہے۔ اگر صرف اسی توجہ کے ساتھ کلام ربانی سننے اور سمجھنے کی کوشش کرتے تو آج حالات بالکل مختلف ہوتے۔"

"یہ تو نہ کہئے۔ میں کلام ربانی پڑھتا بھی ہوں اور سنتا بھی ہوں۔" عبدالستار نے کہا۔ گزشتہ سال ماہ صیام میں بخار آ گیا۔ لیکن میں نے روزے نہیں چھوڑے۔ اور تراویح بھی سنی۔"

"سمجھنے کی بھی کوشش کی۔"

"جس حد تک سمجھ سکتا ہوں۔ اسی حد تک سمجھ سکا۔"

افتخار احمد نے فوراً ایک آیتہ کریمہ پڑھ کر اس کا مطلب پوچھا
عبدالستار نے فوراً کہا۔
"میں عالم فاضل نہیں ہوں"
"اسلام کو سمجھنا تو ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اگر وہ نہیں سمجھتا ہے۔
تو مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں۔ آپ عربی نہیں جانتے ہیں۔ تو اپنی مادری
زبان میں اس کو سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ نیز با معنی حدیث پڑھیئے"
اعجاز اور حامد خاموش بیٹھے ہوئے سن رہے تھے۔ حامد نے پہلی بار
افتخار صاحب کو مخاطب کیا۔
"خالو جان!" کیا میں کچھ عرض کر سکتا ہوں۔
"ضرور — !" انہوں نے جواب دیا۔
"قرآن شریف کے تراجم، مقامی زبانوں میں نہ ہونے کی وجہ سے
بھی مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصانات اٹھانا پڑے ہیں"
"یقیناً —" میرا بھی یہی خیال ہے۔ افتخار صاحب نے کہا۔
مثال کے طور پر ہندوستانی مسلمانوں ہی کو دیکھ لو۔ اگر ہندوستان میں
کلام پاک کے اچھے اور بامحاورہ تراجم عام ہوتے اور مسلمانوں کو ان کی
تلاوت کی تلقین کی جاتی تو یقیناً ہمارے حالات مختلف ہوتے۔ لیکن ہمارے
علمائے کرام نے کبھی اس طرف توجہ نہیں کی۔ اور وہ بھی محض اس لئے
کہ اول تو اب جذبہ عمل نہیں رہ گیا ہے اور دوئم یہ کہ وہ ڈرتے ہیں کہ
مسلمان مذہب سے واقف ہو جانے کے بعد ان کو بالائے طاق نہ رکھ دے

حالانکہ یہ اُن کا وہم ہے۔ اگر عام ہندوستانی مسلمان اپنے دین سے واقف ہوجائیں تو علماء کی قدر و منزلت اور بڑھ جائے۔"

حامد نے کہا "میں نے ایک امریکن مسلمان کا ایک مضمون پڑھا ہے اس نے لکھا ہے کہ دنیا میں صرف چین ہی ایک ایسا ملک ہے۔ جہاں مسلمان اپنی زبان میں قرآن حکیم کی تلاوت کرتا ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ وہ دنیا کے دیگر ممالک کے مسلمانوں سے زیادہ اسلام کو سمجھتا اور احکام خدا کی پابندی کرتا ہے۔ اسی لئے چین میں اس کا وجود ہے اور سینتیس کروڑ غیر مسلموں میں تین کروڑ مسلمانوں کو ایک خاص فضیلت حاصل ہے۔ ان کی درس گاہیں ان کی آبادی کے تناسب سے کہیں زیادہ ہیں۔ مساجد بہت شاندار ہیں اور دلہن کی طرح سجی رہتی ہیں۔ ہر مسجد میں قرآن حکیم کے چالیس پچاس نسخے موجود رہتے ہیں۔ مساجد میں پردیسیوں کے لئے ابھی دو چار کمرے ہوتے ہیں۔"

"واقعی ؟" عبدالستار نے تعجبانہ لہجے میں کہا۔

"جی ہاں ! فوج پولیس اور سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی تعداد ان کے تناسب سے زیادہ ہے۔"

ملکی سیاست میں بھی وہ اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ملک کی آزادی کے لئے بھی انہوں نے بیش بہا قربانیاں دی ہیں اور ایسے کارنامے نمایاں انجام دیئے ہیں کہ دنیا انگشت بدنداں رہ گئی ہے۔ چین کے شمالی صوبے جیبول چاہار کانسو اور شانسی میں چینیوں اور جاپانیوں میں شدید ترین لڑائیاں

ہوئی ہیں اور اپنے قبضے کے دوران میں جاپانیوں نے ان ہی صوبوں میں چینیوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے ہیں لیکن کانسو اور شانسی ہی میں جاپانیوں کو ناقابل تلافی نقصانات برداشت کرنا پڑے ہیں —— اور آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ کانسو اور شانسی میں ساٹھ اور ستر فیصدی تک مسلمان آباد ہیں ——"

حامد کی معلومات اور چین میں مسلمانوں کی حالت کے ذکر پر عبدالستار کی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں اور کچھ دیر بعد انہوں نے حامد سے کہا۔

"میاں ——! تم نے عجیب داستان سنائی۔

"قبلہ یہ داستان نہیں حقیقت ہے۔"

"واقعی یہ باتیں سُن کر بہت خوشی ہوئی کہ چینی مسلمانوں کی حالت بہت اچھی ہے۔"

"جی ہاں ——!" حامد نے کہا۔ "اور اس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کو سمجھ لیا ہے۔"

"حامد میاں! اور اس سے زیادہ خوشی اس بات پر ہوئی کہ تمہاری معلومات بہت وسیع ہیں۔"

"یہ معمولی باتیں ہیں ——" افتخار احمد نے کہا۔ "اگر ہمارے گھر کی لڑکیوں سے دریافت کریں گے تو ایسی باتیں وہ بھی بتا دیں گیں۔"

"سچ ہے میاں ——" عبدالستار نے باہر کی طرف دیکھتے ہوئے سر ہلا کر کہا۔ "علم بڑی دولت ہے۔"

وہ ٹھنڈا سانس لے کر خاموش ہو گئے۔ حامد نے اعجاز سے کہا
"چچا میاں کو شاید انڈونیشیا کے مسلمانوں کے متعلق بھی کچھ علم نہیں ہے۔"

"کہاں کے مسلمانوں کے متعلق ——؟" عبدالستار نے دریافت کیا۔

"انڈونیشیا ——!" اعجاز نے کہا۔ "برما اور سنگاپور سے آگے ایک مجموعہ الجزائر ہے، بہت سے جزیروں کا مجموعہ۔ اسے انڈونیشیا کہتے ہیں۔"

"عجیب نام ہے۔" عبدالستار نے کہا۔ "کیا وہاں بھی مسلمان آباد ہیں؟"

"جی ہاں ——!" افتخار احمد نے کہا۔ "صرف پچانوے یا چھیانوے فی صدی۔"

عبدالستار صاحب چونک پڑے۔

"یعنی تقریباً سو فیصدی؟" عبدالستار نے کہا۔ "اور ان کی آبادی کتنی ہے۔"

"دس کروڑ! دنیا کا سب سے بڑا اسلامی ملک۔" اعجاز نے کہا۔
"اس کے قدرتی وسائل بہت وسیع ہیں۔ وہ جزیرے معدنیات سے پُر ہیں۔"

"مجھے ان ملکوں کا علم ہی نہیں تھا۔" عبدالستار نے کہا۔

"آپ نے معلوم کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔"

افتخار احمد نے کہا۔ "حالانکہ حکم ہے کہ علم چین تک حاصل کرو۔ یعنی زندگی حصولِ علم ہی میں گزاری جا سکتی ہے۔"

"افتخار بھائی! واقعی میری معلومات بہت محدود ہیں۔ اور وہاں ذرائع بھی نہیں ہیں کہ اب میں کچھ حاصل کر سکوں۔"

یہ تو آپ غلط کہہ رہے ہیں۔ حافظ یحییٰ صاحب آپ کے پڑوس میں رہتے ہیں۔ وہ فاضل دیوبند ہیں۔ اور بلادِ اسلامیہ کا سفر بھی کر چکے ہیں۔"

"ہاں سنا تو ہے کہ عراق اور شام گئے تھے ـــــ" عبدالستار نے کہا۔

حامد نے اعجاز سے آہستہ سے کچھ کہا اور افتخار صاحب سے اجازت لے کر چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد اعجاز بھی مکان کے اندر چلا گیا۔ عبدالستار نے افتخار احمد سے کہا۔

"دونوں بہت ذہین اور ہونہار ہیں۔"

"ذہین اور ہونہار عموماً سب ہی بچے ہوتے ہیں۔ ان کی ذہانت کو بروئے کار لانا والدین کا کام ہوتا ہے۔"

افتخار احمد اس سلسلے میں بھی کچھ کہتے۔ لیکن ان کے ایک ملنے والے آ گئے۔ اور وہ ان سے باتیں کرنے لگے۔

۳۵

عتیق کسی ضرورت سے اپنی دلہن سبل کے ساتھ حیدر آباد گیا ہوا تھا وہ دس بجے آ گیا۔ اس کو جب وہاب کی حرکات کا علم ہوا تو وہ آگ بگولا ہو گیا اور چیخ کر اپنی خالہ سے کہا۔

"خالہ امی! آپ نے اس مردود کے ساتھ رعایت کیوں کی۔ میں اس کو آج تلاش کروں گا اور اسی وقت پولیس کے حوالہ کر دوں گا۔"

"نہیں بیٹا ——" زبیدہ بیگم نے کہا۔ اس کو درگزر کرو۔ تمہارے خالو ابا نے بھی معاف کر دیا ہے۔ وہ چاہتے تو جیل میں سڑا دیتے لیکن خدا اس کو نیک توفیق دے۔"

سبل نے کل واقعات سن کر کہا۔" اس نے بھی کمال کر دیا یعنی ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری حرکت۔ اور پھر دہلی میں آپ لوگوں

کی چھاتی پر مونگ دلنے کے لئے تیار ہے"۔

افتخار صاحب اپنے کمرے سے باہر آ گئے، اور انہوں نے عتیق سے کہا۔

" عتیق میاں! ان کے والد صاحب کا یہ حال ہے کہ اس دور میں بھی وظیفے پڑھتے ہیں"۔

" خدا معلوم اسلام میں یہ بدعت کب سے داخل ہوئی"۔ عتیق نے کہا" اگرچہ میری دینی معلومات بہت محدود ہیں۔ لیکن کم از کم اس قدر تو جانتا ہی ہوں کہ اسلام نام ہے عمل کا۔ اور اچھے عمل کا"۔

" بیشک! عمل ہی سے زندگی بنتی ہے"۔ افتخار احمد نے کہا" پرانے زمانے کی باتیں چھوڑ دو۔ دور حاضرہ کی شخصیتوں کو دیکھو۔ اتاترک مصطفےٰ کمال محمد رضا نامی ایک ترک کاشتکار کے لڑکے تھے لیکن عمل نے اُن کو اپنے وقت کا دنیا کا عظیم ترین انسان بنا دیا"۔

" خالو ابا ——! میں تو عبدالوہاب کو ضرور پولیس کے حوالے کر دونگا"

" میں نے اس کو ایک موقع اور دیا ہے۔ اس کے باپ اس کی تلاش میں گئے ہیں۔ اگر وہ دہلی میں ہے تو ضرور مل جائے گا"۔

" باہر سے نوکر نے آواز دے کر کہا" خط آیا ہے۔

فاطمہ جا کر لفافہ لائی۔ افتخار احمد نے اس کے ہاتھ سے خط پکڑ کر کھولا اور پڑھ کر اپنی بیوی سے کہا۔

" صاحبزادے نے ایک اور حرکت فرمائی ہے"۔

"کس نے ـــــــ ؟" زبیدہ بیگم نے کہا۔

"وہاب نے ـــــــ" افتخار نے کہا۔ اپنی والدہ کی طرف سے خط لکھوایا ہے کہ آپ لوگ کوشش کرکے وہاب کی شادی طاہرہ سے کرا دیں اعجاز کے لئے تو ایک سے ایک اچھی لڑکی مل سکتی ہے۔"

"اب خالو ابّا۔ کیا خیال ہے" عتیق نے کہا۔

"اس کی خاصیّت بچھو کی سی ہے ـــــــ" افتخار احمد نے کہا۔ "اور کسی روز اس کو کوئی مسل کر پھینک دے گا۔"

زبیدہ بیگم نے خط لے لیا اور پڑھنے لگیں۔ افتخار احمد نے عتیق سے کہا۔

"عبدالستار بارہ بجے تک آئیں گے میں اُن کو یہ خط دکھا کر کہوں گا۔ کہ اب وہ کیا کہتے ہیں۔"

افتخار صاحب باہر چلے گئے۔ کچھ دیر بعد احمدی بیگم اور طاہرہ آگئیں اور سنبل سے گلے مل کر اس کے پاس بیٹھ گئیں۔ زبیدہ بیگم نے احمدی بیگم کو خط دکھا کر کہا۔

"ان لوگوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ صبیحہ کے ابو بہت بگڑے ہوئے ہیں۔ آج عبدالستار کی خبر لیں گے۔"

"بکنے دیجئے ان لوگوں کو۔" احمدی بیگم نے ان کو خط واپس کرتے ہوئے کہا۔ "ان کے کہنے سے کیا ہوتا ہے۔"

"ذرا اپنی حیثیت اور بچوں کی تعلیمی حالت تو دیکھیں۔"

"اتنی عقل ہوتی تو ایسی باتیں کیوں کرتے۔"

طاہرہ سنبل کے ساتھ اٹھ کر صبیحہ کے کمرے میں چلی گئی۔ زبیدہ بیگم نے احمدی بیگم کو شروع سے آخر تک سب کچھ بتا دیا۔

احمدی بیگم کی پیشانی پر پسینہ آگیا۔ اُنھوں نے دوپٹے کے آنچل سے پسینہ پونچھ کر کہا۔

"رضوانہ کی طرف سے تو میں پہلے ہی مشکوک تھی اور صبیحہ سے برابر کہتی رہتی تھی کہ اس سے زیادہ ربط وضبط نہ بڑھانا۔"

"کیا منیر کو آپ نے دیکھا ہے۔" زبیدہ بیگم نے دریافت کیا۔

"جی ہاں! وہ ایک بار رضوانہ کے ساتھ آئی تھی۔" احمدی بیگم نے کہا "صورت شکل کی بری نہیں ہے۔"

"وہ بھی بال بال بچی۔"

"ہاں اس میں کیا شک ہے۔ اگر بھائی صاحب پہنچ کر حاجی صاحب کو وہاں نہ بھیجتے تو وہ اپنا کام کر گیا تھا۔"

زبیدہ بیگم نے کہا۔ "ذرا ڈھٹائی تو دیکھیئے کہ رضوانہ کے لئے پھر بھی چکر کاٹ رہا تھا۔ دولہا بھائی نے دیکھ لیا اور ان کو دیکھتے ہی وہ بھاگ کھڑا ہوا۔"

"واقعی بہت ڈھیٹ ہے۔" احمدی بیگم نے کہا۔ "یہ جانتے ہوئے بھی کہ آپ لوگوں کو ان واقعات کا علم ہے اس نے پھر پانی پت پہنچ کر خط لکھوا دیا۔"

"بے غیرتی اسی کو کہتے ہیں ——" زبیدہ بیگم نے کہا۔ "چکنا گھڑا ہے

پانی کی بوند پڑی اور پھسل گئی۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ والدہ صاحبہ اب تک اپنے ہونہار بیٹے کی مداح ہیں۔ اور سب سے کہتی ہیں۔ کہ ان کا عبدالوہاب بہت ذہین اور تیز ہے۔"

"میرے خیال میں اس کی بربادی کا سبب وہی ہیں۔"

"بالکل ——" زبیدہ بیگم نے کہا۔ "جب کبھی بھی روپے پیسے کی ضد کرتا ہے نکال کر دے دیتی ہیں۔"

"باپ پائی پائی جوڑتے ہیں اور بیٹا اللّے تللّے کے ساتھ خرچ کرتا ہے۔"

"لڑکیوں کو بھی کچھ سن گن مل گئی ہے۔" احمدی بیگم نے کہا۔ "پرسوں نور بانو سے دریافت کر رہی تھیں۔"

"مجھے تو رات کو صبیحہ کے ابو نے کل واقعات بتائے۔" زبیدہ بیگم نے کہا۔ "وہ کہہ رہے تھے کہ انہوں نے اس سے پہلے اس لئے نہیں کہا تھا کہ ہم لوگ پریشان نہ ہو جائیں۔ اس سلسلہ میں نور بانو اور منہاج نے بھی بہت کام کیا اور حامد بھی اپنے خالو کے ساتھ بہت دوڑے۔"

"حامد نے بھی تذکرہ نہیں کیا۔"

"ان کے خالو نے ان سے کہہ دیا تھا کہ ابھی تذکرہ نہ کریں۔"

"خیر! رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت۔ معلوم نہیں، کس وقت کی نیکی ہم لوگوں کے آڑے آئی۔"

"خدا نے بڑی خیر کی ——" زبیدہ بیگم نے کہا۔ "ورنہ اس کم بخت

نے بدنام کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔"

"خدا بھی تو دیکھتا ہے۔" احمدی بیگم نے کہا۔ مدعی لاکھ برا چاہے تو کیا ہوتا ہے۔"

"کل سے صبیحہ کے ابو بھی عبدالستار کو خوب خوب سُنا رہے ہیں۔"

زبیدہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔" دوسرا ہوتا تو فوجداری کر بیٹھتا۔ لیکن انہوں نے ایک لفظ بھی نہ کہا۔"

"کہتے کیا۔ کوئی بات غلط ہوتی تو کہتے بھی۔"

عبیدہ بیگم بھی کوٹھے سے اتر کر آ گئیں اور احمدی بیگم کے پاس بیٹھ کر انہوں نے کہا۔

"بہن آپ نے کچھ اور بھی سنا۔"

"کس سلسلے میں ——؟"

"عبدالوہاب کے کرتوت۔"

"جی ہاں ابھی بہن نے سب باتیں بتائی ہیں۔"

سنا ہے کہ رضوانہ کے والد بہت شریف ہیں۔ عبیدہ بیگم نے کہا۔

دو بار حج کر آئے ہیں۔ احمدی بیگم نے کہا، دینی معاملات میں پیش پیش رہتے ہیں۔ ابھی مسجد کی مرمت کے لئے ایک ہزار روپے دیئے تھے۔

خدا نے ان پر اپنا فضل کیا ورنہ وہ بیچارے تو بے موت مر جاتے زبیدہ بیگم نے کہا۔ حاجی صاحب نے رضوانہ پر پابندی عائد کر دی ہے

کہ وہ کسی سے ملے جُلے نہیں۔"

"خیر، یہ تو انہوں نے بہت اچھا کیا۔" عبیدہ بیگم نے کہا۔"لیکن وہ اب اپنی آنی بانی سے نہیں چوکے گا۔ وہ بہت خطرناک ہے۔"

"خیر اللہ مالک ہے۔" زبیدہ نے کہا۔ "دہلی میں تو اس کی دال اب گلے گی نہیں۔"

"ایسے لوگ بہت نڈر ہوتے ہیں۔" عبیدہ بیگم نے کہا۔ "نہ تو ان کو اپنی عزت کا پاس ہوتا ہے اور نہ رشتے کا لحاظ۔ اس لئے وہ جو چاہتے ہیں، کر گذرتے ہیں۔"

"اگر اب وہ دہلی آگیا تو پولیس پکڑ کر بند کر دے گی۔" احمدی بیگم نے کہا۔ "مہینہ پندرہ روز کا اور معاملہ ہے۔ شادیاں ہو جائیں تو جب کو اطمینان ہو ——— ہر وقت جان سکتے ہیں رہتی ہے۔"

"بس آنکھوں کی سوئیاں اور رہ گئی ہیں۔" عبیدہ بیگم نے کہا۔ "میرے خیال میں ستارا کے گھر والے شادی میں آئیں گے نہیں۔"

"نہ آئیں تو اچھا ہے۔" زبیدہ بیگم نے اپنی بہن کو جواب دیا۔ "ایسے لوگوں کا نہ آنا ہی اچھا ہے۔"

"ہاں ایسے لوگوں سے دُور ہی رہنا چاہیئے۔" احمدی بیگم نے کہا۔ "خدا معلوم کس سے کیا کہہ دیں۔"

بیگم عبیدہ بول اٹھیں۔ "اظہار اور صغریٰ باجی میں اپنوں ہی نے

توڑپھوڑ ڈلوائی تھی۔ مہر کے لئے انہوں ہی نے اظہار کے کان بھرے تھے۔ خود اظہار نے مجھ سے کہا تھا کہ ستار بھائی کی بیوی کی مرضی کے خلاف مہر مقرر ہوا ہے۔

"خیر ۔۔۔!" احمدی بیگم نے کہا۔ خدا ان کو نیک توفیق دے۔

اس زندگی میں تو امید نہیں۔ زبیدہ بیگم نے آہستہ سے کہا۔

اعجاز نے باہر آکر کہا "عبدالستار چچا آگئے ہیں"

زبیدہ بیگم کمرے میں پہنچیں۔ عبدالستار نے ان کو دیکھتے ہی کہا۔

عبدالوہاب تو کل پانی پت چلے گئے۔

"جی ہاں ۔۔۔!" ابھی بھابی کا خط آیا ہے۔

ان کے پاس وہاب کی والدہ کا خط اس وقت تھا۔ انہوں نے لفافہ عبدالستار کو دے کر کہا۔

"پڑھ لیجئے"

" عبدالستار نے خط پڑھا اور تیوریوں پر بل ڈال کر کہا"

"خدا کی قسم اس عورت نے اس کو برباد کیا ہے۔ یعنی ابھی تک وہ اس خیال میں ہے کہ کسی کو وہاب کے کارناموں کی خبر نہیں ہے"

"آپ ہی دیکھئے"

"افتخار بھائی نے بھی یہ خط دیکھا" عبدالستار نے دریافت کیا۔

"جی ہاں!" جز بز ہو کر رہ گئے۔ اب آپ سے گفتگو کریں گے۔

"یہ لڑکا مجھے زندہ نہ رہنے دے گا!" عبدالستار نے کہا۔ میں جواب

دینے کے بجائے افتخار بھائی کے سامنے سر جھکا دوں گا۔"

"آپ تین بجے کی ٹرین سے پانی پت چلے جایئے۔ اور ان لوگوں کو سمجھا دیجیے کہ اب یہ حرکتیں چھوڑ دیں۔ ایسی باتوں سے انسان کی زندگی سنورتی نہیں بگڑتی ہے۔"

عبدالستار کچھ کہنے ہی والے تھے کہ افتخار احمد آ گئے۔ ان کے ساتھ حامد بھی اور اعجاز بھی تھے۔ انہوں نے بھی عبدالستار سے کہا۔

"آپ نے تازہ ترین کارنامے کے متعلق سن ہی لیا ہوگا۔"

افتخار بھائی۔ میں سر جھکائے دیتا ہوں۔ آپ دس جوتے ماریئے۔

"اب آپ نے کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہیں رکھی ہے۔" افتخار صاحب نے کہا۔

میں تین بجے کی ٹرین سے جا رہا ہوں۔ اور جلد سن لیں گے کہ میں نے کیا کیا۔

"آپ کو بہت سہولت کے ساتھ قدم اٹھانا چاہیئے۔" افتخار احمد نے کہا۔ جوش اور غصے سے کام نہ چلے گا۔

"بتایئے میں کیا کروں ـــــــ"

"اس ناہنجار کو قابو میں لایئے۔" افتخار احمد نے کہا۔ انسان جب جانوروں کو سدھا لیتا ہے تو وہ تو بہرحال انسان ہے۔

حامد نے افتخار صاحب سے کہا۔ خالو جان! دہلی میں ایک امریکن ادارہ سائیکیاٹرک سنٹر کے نام سے قائم ہوا ہے۔ وہاں نفسیاتی طریقہ

پر علاج ہوتا ہے میرے خیال میں ایسی ذہنیت کے افراد کا علاج وہاں ہی ہو سکتا ہے۔

"ہاں ذہنی طور پر جو لوگ کمزور ہوتے ہیں ان کے لئے علاج کا یہ طریقہ بہت مفید ہے۔ لیکن خدا معلوم وہ وہاب جیسے افراد کا علاج کرتے بھی ہیں یا نہیں ——— ؟"

"میں آپ کو کل بتا دوں گا ———" حامد نے افتخار احمد سے کہا۔

"حامد میاں!" عبدالستار بول اٹھے۔ "مجھے کل ہی بذریعہ خط مطلع کر دینا۔ خدا تم کو اس کا نیک اجر دے گا۔"

"بہتر ہے میں آپ کو خط لکھ دوں گا۔"

حامد کی والدہ واپس جا رہی تھیں۔ وہ بھی ان کے ساتھ چلا گیا۔

افتخار احمد نے دستر خوان بچھوایا اور عبدالستار کھانا کھا کر اسٹیشن پہنچے اور تین بجے کی ٹرین سے روانہ ہو کر پانچ بجے اپنے مکان پہنچ گئے۔ عبدالوہاب مکان کے صحن میں بیٹھا ہوا ناول پڑھ رہا تھا۔ اپنے والد کو دیکھتے ہی وہ کوٹھے پر چلا گیا۔ اور اپنے بھائی سے پتنگ لے کر اڑانے لگا۔

عبدالستار کی اہلیہ بہت مسرور نظر آ رہی تھیں۔ انہوں نے اپنے شوہر کو دیکھتے ہی کہا۔

"میں ابھی وہاب سے کہہ رہی تھی کہ تمہارے ابا اس وقت ضرور آ جائیں گے۔"

"خیر وہ آ تو گئے یہاں"

"میں نے تو آپ سے کہا تھا کہ یار دوستوں میں پھنس گیا۔ ورنہ وہ دہلی ٹھہرتا کب ہے۔ افتخار بھائی کے یہاں تو جاتا نہیں ہے۔"

"بیٹے کی واپسی پر بہت خوش ہو۔" عبدالستار نے کہا۔ اس سے یہ بھی پوچھا کہ وہ وہاں کیا کارنامے انجام دے کر آیا ہے۔

عبدالوہاب کی والدہ اپنے شوہر کو استفسارانہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔

"اس بدمعاش کو پولیس تلاش کرتی پھر رہی ہے۔ اسی لئے تو بھاگ کر آیا ہے۔"

"اس نے کیا کیا ہے جو پولیس اس کو تلاش کرتی پھر رہی ہے۔" ان کی اہلیہ نے کہا۔ اس نے کس کی بہو بیٹی کو بھگایا ہے۔"

بھگایا تو نہیں ہے۔ لیکن بھگانے والا تھا۔ لیکن بروقت خود بھی وہاں سے بھاگ نکلا ورنہ اس وقت کو پولیس کی نگرانی میں حوالات میں ہوتا۔

عبدالستار کی اہلیہ گھبرا کر اپنے شوہر کو دیکھنے لگیں۔ عبدالستار شیروانی اُتار کر پلنگ پر بیٹھ گئے اور ایک گلاس پانی پی کر سب واقعات تفصیل کے ساتھ سنانے کے بعد کہا۔

اس نابکار کے خطوط میں بچشم خود دیکھ کر آیا ہوں۔ خدا بھلا کرے افتخار بھائی کا۔ انہوں نے میرے سامنے ان لڑکیوں کے والدین کو سمجھا بجھا کر پولیس میں رپورٹ لکھوانے سے باز رکھا۔ ورنہ اب تک

پر میں اس کو زمین سے کھود کر نکال لیتی !

وہاب کی والدہ کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔ عبدالستار نے تہہ بند لپیٹ کر پائجامہ اُتارا اور وضو کر کے مسجد چلے گئے۔

وہاب کی والدہ نے اس کو آواز دے کر اپنے پاس بلایا اور اس سے پوچھا۔

" تم وہاں میں کیا کرتوت کر کے آئے ہو ؟"

" کچھ بھی نہیں !"

اور یہ تمہارے ابا میاں جو دیکھ اور سن کر آئے ہیں تو کیا غلط کہہ رہے ہیں۔

" ان کو میرے خلاف بھرا گیا ہے " عبدالوہاب نے کہا۔ آپ تو جانتی ہیں کہ افتخار چچا اور ان کے خاندان والے ہم لوگوں سے جلتے ہیں "

وہاب کی والدہ کو فوراً یقین آگیا اور وہ ان لوگوں کو کوسنے اور صلواتیں سنانے لگیں۔

وہاب نے دو چار باتیں اور کہہ دیں اور ان کے غصے کا پارہ اور چڑھ گیا۔

عبدالستار نے گھر میں قدم رکھتے ہی بیوی کو بھبکتا ہوا دیکھا اور ان کے پاس پہنچ کر انہوں نے کہا۔

" یہ کس کو صلواتیں سنائی جا رہی ہیں "

ان مردوں کو جو ہم کو دیکھ نہیں سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا۔ خاندان اسی لئے تو تباہ اور برباد ہوا ہے کہ ایک کو ایک روٹی پر روٹی رکھ کر کھاتا ہوا نہیں دیکھ سکتا ہے۔

"عبدالوہاب اپنی والدہ کے قریب ہی سر جھکائے ہوئے بیٹھا تھا"

"تم نے کچھ جھوٹ سچ لگا کر اُن کی اسٹیم تیز کی ہے" عبدالستار نے عبدالوہاب سے پوچھا۔

اس نے باپ کی طرف دیکھا اور خاموش بیٹھا رہا۔ عبدالستار کی اہلیہ نے اپنے شوہر سے کہا۔

"تم کیا بک رہی ہو ——— ؟" انہوں نے بھی تیوریوں پر بل ڈال کر کہا۔ اس فتین نے کہا اور تم نے یقین کر لیا۔ افتخار بھائی وغیرہ نے تو مجھ سے کچھ کہا ہی نہیں۔

یہ دراصل دلی والی احمدی بیگم کی لڑکی طاہرہ کے خلاف ایک سازش کا جال پھیلا کر اس کو بدنام کرنے گیا تھا۔ اس سازش میں حاجی غیاث احمد نامی ایک صاحب کی لڑکی رضوانہ بھی شامل تھی۔ خود حاجی صاحب نے اس کو اور رضوانہ کو ایک کمرے میں باتیں کرتا ہوا دیکھا۔ اور یہ بھاگ نکلا۔ میں ان گواہوں کے بیانات سن کر آیا ہوں۔ جنہوں نے صاحبزادے کو بھاگتے ہوئے دیکھا۔ میں اس کمرے میں بھی گیا ہوں۔ جہاں یہ تھے اور منیر کے والدین سے بھی میں نے بات چیت کی ہے۔ میں نے دلی میں رہ کر سب کچھ سن لیا ہے اس کم بخت کی تحریریں وہاں موجود ہیں۔ آج تمہارا بھی ایک خط پہنچا ہے۔

جب ہی میں تم سے زبیدہ بیگم اور افتخار احمد سے التجا کی ہے کہ وہ اس کی شادی طاہرہ سے کرا دیں۔

"میں نے"

"میں نے تو کوئی خط نہیں بھیجا۔"

"میں جانتا ہوں ——" عبدالستار نے کہا، "لیکن اس نے تو کل خط عائشہ سے لکھوا کر بھجوایا ہے —— میں نے وہ خط خود پڑھا ہے

....

...... میں ہزار تحریروں میں عائشہ کی تحریر پہچان سکتا ہوں۔

عبدالوہاب سر جھکائے خاموش بیٹھا رہا۔ اس کی والدہ نے عائشہ کو آواز دے کر بلایا اور اس سے دریافت کیا۔

"کیا وہاب نے کل تم سے کوئی خط لکھوایا ہے؟"

وہ سہم کر اپنے بھائی کی طرف دیکھنے لگی۔ عبدالستار نے اسے ڈانٹ کر کہا۔

"بتاتی کیوں نہیں ہے۔ ادھر کیا دیکھ رہی ہے"

عائشہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"منہ سے بول ——" عبدالستار نے پھر ڈانٹا۔

"جی ہاں! مجھ سے لکھوایا تھا۔"

"کیا لکھوایا تھا —— ؟" عائشہ کی ماں نے پوچھا۔

"یہی کہ طاہرہ کی شادی عبدالوہاب سے کرا دیجئے اعجاز کے لئے

تو ایک سے ایک اچھی لڑکی مل سکتی ہے۔"

"خط کس کی طرف سے لکھا تھا؟" عبدالستار نے پوچھا۔

"اماں کی طرف سے۔"

"کس نے کہا تھا ——؟" انہوں نے پھر پوچھا۔

"بھائی جان نے۔"

"ہائے میرے اللہ ——!" عبدالستار کی اہلیہ نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔

"تو یہ طوفان جوڑا گیا ہے۔"

"ابھی تو تمہارے سامنے صرف ایک ہی واقعہ کی تصدیق ہوئی ہے اس نے تو وہاں ایسی ایسی حرکتیں کی ہیں کہ اگر وہاں رہ جاتا تو اس وقت حوالات میں ہوتا۔ دلی کے ایک مشہور بدمعاش لالی بابو سے دوستی کی اور پنا نامی ایک طوائف کے یہاں دو تین روز تک پڑا رہا —— میں کیا کیا بتاؤں۔"

"غضب ہے خدا کا" وہاب کی والدہ نے اپنے سینے پر دو ہتڑ مار کر کہا۔ یہ ملعون زندہ کیوں رہا —— مر کیوں نہیں گیا دلی میں۔"

"مر جاتا تو پھر ہم لوگوں کا سر نیچا ہوتا ہوا کون دیکھتا۔"

وہ رونے لگیں۔ عبدالستار ان کے پاس بیٹھ گئے۔ اور ان کو سنبھالنے لگے۔ عبدالوہاب کوٹھے پر چلا گیا۔

"رونے دھونے سے کام نہ چلے گا" عبدالستار نے کہا۔ "اب ہم اپنے

پڑا۔ کسی میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہ گئے۔ اس کم بخت کو شرم نہ آئی کہ چھوٹی بہن کو اپنے معاملہ میں رازدار بنایا۔

عبدالستار کی اہلیہ اسی طرح روتی رہیں۔ اور عبدالستار بڑبڑاتے رہے "لڑکی کو بھی اس نے اسی راستے پر ڈال دیا۔"

عائشہ اپنا نام سنکر دبے پاؤں باورچی خانے میں چلی گئی۔ کچھ دیر بعد عبدالستار کی اہلیہ خاموش ہو گئیں۔ ان کی چھوٹی بہن کھڑکی کے بیچ رہتی تھیں۔ وہ بھی اب بہن کی آواز سن کر آ گئیں۔ اور ان کو سمجھانے لگیں۔

عبدالستار نے ان سے کہا "کلثوم تم جانتی ہو کہ میں ہمیشہ لڑکوں کو کتنا سنتار ہا ہوں۔ اور یہ ہمیشہ ان کی پٹ لیتی رہتی ہیں۔

"جی ہاں —— لیکن کیا کیا جائے۔" کلثوم نے کہا۔ ماں کی مامتا بری ہوتی ہے۔

"تو پھر اب رونے اور افسوس کرنے سے کیا حاصل ——" عبدالستار نے کہا۔ اب تو یہ رونا روز کا نہیں بلکہ ہمیشہ کا ہے۔ اس لئے کہ اس کی اصلاح ناممکن ہے۔

"ناممکن تو دنیا میں کوئی بات نہیں۔" کلثوم نے کہا۔

تو پھر تم ہی اس کی اصلاح کر دیں تمہارے حوالے کئے دیتا ہوں۔ شاید تم ہی اس کو سنبھال سکو۔

"ہاں آپ میرے حوالے کر دیجئے۔"

"میں تو اس کم بخت کی صورت نہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔"

عبدالستار نے کہا۔ مجھ کو اس وقت بھی ڈر ہے۔ کہ کہیں دہلی کی پولیس یہاں تک نہ آجائے۔

"میں ان کے حوالے کر دوں گی" کلثوم نے کہا۔ آپ جانتے ہیں کہ وہ کتنے ظالم ہیں۔ اپنے بچوں تک سے تو مروت کرتے نہیں ہیں"

"تم لوگ جو چاہو کرو۔ میں کچھ نہ کہوں گا۔ اور اگر انہوں نے مداخلت کی تو خدا کی قسم ان کو اسی وقت طلاق دے دوں گا اور مہر کی رقم ان کے ہاتھ پر رکھ کر کہہ دوں گا کہ بیوی تمہارا راستہ وہ ہے اور یہ میرا"

"خدا وہ دن نہ لائے" کلثوم نے کہا۔

لیکن ہونا یہی ہے۔ ان ہی کی وجہ سے سب بچے بگڑے ہیں۔ خدیجہ نے کس بری طرح شرمندہ کر دیا اور اب یہ صاحبزادے رنگ دکھا رہے ہیں اور اپنے ساتھ لڑکی کو بھی اسی ڈھرے پر لگا لیا ہے"

ان لوگوں کے طور طریقے تو مجھ کو بھی ناپسند ہیں۔ کلثوم نے کہا

عبدالستار کی اہلیہ اس وقت تک رو رہی تھیں۔ کلثوم نے ان کو خاموش کرایا اور صحن میں لے جا کر ان کا منہ ہاتھ دھلایا اور دالان میں لا کر پلنگ پر بٹھایا۔ عائشہ باورچی خانے میں روٹی پکا رہی تھی۔ عبدالستار نے پرانی چادر ڈال کر باہر چلے گئے۔ کلثوم نے آواز دے کر عبدالوہاب کو بلایا اور اس کو سمجھانے لگیں۔

کچھ دیر بعد اس نے اپنی خالہ سے کہا۔

"خالہ بی! مجھ کو بلا وجہ بھی بدنام کیا ہے۔ خیر دیکھا جائے گا"

عبدالستار کی اہلیہ نے خط کا واقعہ سنا کر کہا۔

"یہ آج کی نئی خبر ہے"

"میں گھر پر ہی نہیں رہوں گا"

"تو پھر کہاں جاؤ گے ——— ؟" کلثوم نے پوچھا۔

"بمبئی ———"

"وہاں کیا کرو گے ؟" ماں نے سوال کیا۔

"ملازمت یا کاروبار ———"

"پہلے رقم ہے ———" ماں نے کہا۔

"نہیں ہے تو ہو جائیگی" اس نے بہت ڈھٹائی کے ساتھ جواب دیا۔ آپ نے آج تک مجھ کو دیا ہے۔ اب ایک بار اور سو روپیہ دے دیجئے تاکہ میں آپ لوگوں سے دور رہ کر اپنی زندگی سنوار سکوں۔

"میں اتنی دور جانے کی اجازت نہ دوں گی"

"دیکھئے باجی ——— ! آپ پھر وہی غلطی کر رہی ہیں۔ کلثوم نے کہا۔ اب ان کو اجازت کی کیا ضرورت ہے۔ اگر آپ اجازت نہ دیں گی تو وہ بغیر اجازت کے چلے جائیں گے اور خط تک نہ بھیجیں گے"

کلثوم کو اپنے دیور کا واقعہ یاد تھا۔ وہ بغیر کسی سے کہے سنے بمبئی چلا گیا تھا اور کسی کو عرصہ تک نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ وہ کہاں ہے۔ اس نے بمبئی پہنچ کر کسی کمپنی میں ملازمت کر لی تھی اور پورے پانچ سال بعد واپس آیا تھا لیکن وہاں وہ پہنچکر سنبھل گیا تھا اور وہ ڈھائی ہزار کی رقم لایا تھا۔

وہاب کی والدہ بھی اس کے متعلق سب کچھ جانتی تھیں۔ انہوں نے اپنی بہن سے کہا۔

"اسمٰعیل بھی تو بمبئی میں ہیں"

"جی ہاں ——"

"اچھا میں آج ان کے باپ سے بات کروں گی"

"اماں میں سچ کہتا ہوں کہ اب میرا دل یہاں سے اچاٹ ہو چکا ہے میں بمبئی پہنچ کر بہت جلد اپنے لئے جگہ پیدا کر لوں گا"

ماں بیٹے آپس میں اس طرح باتیں کرنے لگے گویا کچھ ہوا ہی نہیں ہے۔ کچھ دیر بعد کلثوم اپنے گھر چلی گئیں۔ عبدالوہاب نے اپنی ماں کو ادھر ادھر کی باتیں سمجھا کر ان سے وعدہ لے لیا کہ وہ اس کو سو سوا سو روپے دے دیں گی۔ اس نے اپنی بہن کے ساتھ کھانا کھایا۔ ڈیوڑھی میں آ کر سگریٹ سلگایا اور دھواں اڑاتا ہوا چلا گیا۔

۳۶

"بمبئی جاکر اور برباد ہو جائے گا۔" عبدالستار نے اپنی بیوی سے کہا۔ "وہ بہت خراب شہر ہے۔ میں دو تین بار جا چکا ہوں۔"

"اسمٰعیل بھی تو بمبئی میں ہیں۔" ان کی اہلیہ نے کہا۔ "گھر سے بیس روپیہ لے کر بھاگے تھے اور پانچ سال بعد ڈھائی ہزار نقد لے کر آئے۔ تحفے تحائف سے مطلب نہیں۔"

"ان کو وہاں اچھی صحبت اور بھلے لوگ مل گئے۔"

"وہ وہاں اسمٰعیل ہی کے پاس رہے گا۔ کلثوم بھی خط لکھ دیں گی میں بھی ایک خط بھیج دوں گی۔ وہاں رہ کر وہ ضرور سنبھل جائے گا۔ یہاں صحبتیں تو واقعی بالکل خراب ہیں۔ عبدالغنی کا بڑا لڑکا کرنال سے ایک برہمن کی لڑکی کو بھگا کر لایا ہے اور اپنے گھر میں چھپا کر رکھا ہے۔ لیکن

ہر طرف یہ بات پھیل گئی ہے۔ ایسے قصے سن کر لڑکے کہاں تک نہ خراب ہوں گے۔

"ہاں ابھی مجھ سے شمس الدین نے بتایا ہے"

"تو پھر میری رائے تو یہی ہے کہ وہاب کو بمبئی جانے دیجئے۔

"مجھ کو غور کرنے کا موقع دو ــــــ" عبدالستار نے کہا۔ میں ہر پہلو پر غور کر لوں تو کوئی فیصلہ کروں گا۔

"ضرور غور کر لیجئے" ان کی اہلیہ نے کہا۔ جوان لڑکا ہے اگر کسی بات کا اثر لے لیا اور کچھ کر بیٹھا تو ہم ہی کو دکھ ہو گا۔ میرے خیال میں تو وہ وہاں ضرور سنبھل جائے گا۔ ٹھوکریں کھا چکا ہے۔ کب تک یہی حرکتیں کرتا رہے گا۔ آخر کسی دن سمجھ آئے گی ضرور"

"اور عائشہ کے متعلق تم نے کیا سوچا ہے" عبدالستار نے دریافت کیا۔

"کرنال والوں کی طرف سے زور دیا گیا ہے"

"میں تو یہ چاہتا ہوں کہ عبدالمنان سے انکا نکاح کر دیا جائے"۔

"وہ دوہا جو ہے"

"تو اس سے کیا ہوتا ہے ــــــ" عبدالستار نے کہا۔ عائشہ کے طور طریقے بھی اچھے نہیں ہیں۔ اگر خدیجہ کی طرح یہ بھی بدنام ہو گئی تو ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے"

"اے تو میری خدیجہ نے کیا کیا ــــــ" عبدالستار کی اہلیہ نے

بگڑ کر کہا۔ دشمنوں نے بلا وجہ اس کا نام نکال دیا۔"

"اب یہ نہ کہو ۔۔۔۔" عبدالستار نے کہا۔ میں بخوبی واقف ہوں سب کچھ جانتا ہوں۔

"جب آپ ہی یہ کہیں گے تو دوسرے کیوں نہ بدنام کریں گے۔" عبدالوہاب کی والدہ نے رندھی آواز میں کہا۔ عبدالوہاب اور عائشہ دالان میں سو رہے تھے اور وہ دونوں کمرے میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ اپنی اہلیہ کو آزردہ دیکھ کر عبدالستار نے کہا۔

عشو کی ماں سوچ سمجھ کر باتیں کیا کرو۔ اپنی اولاد سب کو پیاری ہوتی ہے۔ مجھے بھی اپنے بچوں سے محبت ہے۔ لیکن ایک روز خدا کو بھی تو منہ دکھانا ہے۔ تم گھر میں بیٹھنے والی ہو تم کو کیا معلوم کہ باہر ہم لوگوں کے متعلق کیسی باتیں ہوتی ہیں۔ آج بھی ہر گھر میں وہاب ہی کا چرچا ہو گا۔"

عبدالمنان تو مجھ کو ناپسند ہے۔

"تو پھر کوئی دوسرا لڑکا نظر میں ہے بھی تو نہیں۔" عبدالستار نے کہا کرنال والے اپنے خاندان کے نہیں ہیں۔"

"احمدی بیگم بھی تو اپنے خاندان کی نہیں ہیں۔" عائشہ کی والدہ نے کہا۔ لیکن افتخار اور زبیدہ ان کی لڑکی لے رہے ہیں اور اپنی لڑکی اُن کو دے رہے ہیں۔"

"احمدی بیگم شرفائے دہلی میں سے ہیں۔" عبدالستار نے کہا۔ ان کا اور

کرنال والوں کا کیا مقابلہ ــــ کرنال والے ذہانت کے پیچھے ہیں میں نے سنا ہے کہ ان کی ایک لڑکی بلوچستان میں بیاہی ہے۔"

عائشہ کی والدہ خاموش ہو گئیں۔ عبدالستار نے کہا۔

"عبدالمنان کی آمدنی معقول ہے۔ اور وہ عائشہ کو فائدے سے بھی لگا لے گا۔"

دونوں کچھ دیر تک باتیں کرنے کے بعد سو گئے۔

عائشہ نے صبح اٹھ کر تنہائی میں عبدالوہاب سے کہا۔

"بھائی جان! آپ کے لئے تو شاید ابا میاں رضامند ہو جائیں گے لیکن میرے لئے ان کا رویہ بہت سخت ہے۔"

"اس سے تمہارا کیا مطلب ہے؟" عبدالوہاب نے دریافت کیا۔

"مطلب یہ ہے کہ وہ عبدالمنان کا پیغام منظور کر لینا چاہتے ہیں۔ اور یہ میں قیامت تک نہ ہونے دوں گی۔"

"کیوں ــــ؟" عبدالوہاب نے پوچھا۔

"وہ بہت ظالم اور جلاد ہے۔" عائشہ نے کہا۔ اس نے اپنی پہلی بیوی کو اذیتیں دے کر مار ڈالا۔ میں خودکشی کر لوں گی۔"

"تم بیوقوف ہو، اماں سے کہہ دو کہ وہ رضامند نہ ہوں۔ پھر ابا میاں بھی مجبور ہو جائیں گے۔"

"میں آج بے شرمی کا جامہ پہن کر اماں سے کہوں گی۔"

"ہاں ــــ!" اور کسی وقت میں بھی باتوں باتوں میں اس رشتے کی

مخالفت کر دوں گا۔"

اس نے دست پناہ سے کر چولھے سے انگارہ نکالا اور سگریٹ سلگا کر پیتا ہوا باہر نکل گیا۔

عبدالستار علی الصبح چلے جاتے تھے۔ گیارہ بجے آ کر کھانا کھاتے تھے تین بجے تک آرام کرتے تھے اور سہ پہر کو پھر اپنا کاروبار دیکھنے چلے جاتے تھے۔ ان کے آنے سے قبل عائشہ نے اپنی والدہ سے کہا۔

"اماں! میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

کہو۔

"آپ عبدالمنان کا پیغام منظور نہ کریں۔ وہ بہت جلاد ہے۔"

عائشہ کی ماں اپنی لڑکی کی صورت دیکھنے لگیں۔ اور کچھ دیر بعد انہوں نے اس سے کہا۔

"عائشہ تم کو ایسی بات کہتے شرم نہیں آئی؟"

اماں یہ میری زندگی کا معاملہ ہے۔ آپ خواہ مجھ کو بیشرم سمجھیں یا بے حیا لیکن میں اس رشتے کو قطعی ناپسند کرتی ہوں۔

"جاؤ اپنا کام کرو ——" انہوں نے غصے میں کہا۔

عائشہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ دوپٹے سے اپنی آنکھیں صاف کرتی ہوئی چلی گئی۔ کچھ دیر بعد اس کی بچپن کی سہیلی انوری آ گئی اور اس کو مغموم دیکھ کر اس نے اس سے پوچھا۔

"کیا بات ہے حشو —— تم آج بہت مغموم اور پریشان نظر آ رہی

ہو۔"

وہ عائشہ کی رازدار سہیلی تھی۔ اس نے اس سے سب کچھ بتا کر کہا۔

"اگر بابا میاں یا اماں نے میری مرضی کے خلاف میری شادی کرنے کی کوشش کی بھی تو میں پورے خاندان کی ناک کٹا دوں گی۔"

"یعنی ——؟" اس نے پوچھا۔

"یعنی یہ کہ میں نبیل کے ساتھ کہیں چلی جاؤں گی۔" عائشہ نے کہا وہ کل بھی تمہاری موجودگی میں کہہ رہے تھے کہ میرے ساتھ بریلی چلو بریلی میں اُن کی بڑی بہن رہتی ہیں۔"

"نبیل ایسے تو بڑے باپ کے بیٹے ہیں۔ لیکن جھوٹ بہت بولتے ہیں اور میں نے سنا ہے کہ شراب بھی پیتے ہیں۔"

میں نے بڑے بڑے نمازیوں کو شراب کے نشے میں دیکھا ہے۔

"اوہو ——!" انوری نے مسکرا کر کہا۔ کس کو دیکھا ہے تم نے۔

"تاجی کے باپ کو ——" اس نے اپنی ایک سہیلی کا نام لیا۔ ان کے چہرے پر کتنی لمبی اور گھنی داڑھی ہے۔ مگر شراب پیتے ہیں۔ اور شراب پی کر اندھے ہو جاتے ہیں۔"

"اندھے ہو جاتے ہیں ——؟" انوری نے استفسارانہ لہجے میں کہا۔

"ہاں! ایک روز میں تاجی کے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ

بچھوتے ہوئے وہیں آگئے اور پلنگ پر بیٹھ کر تاجی سے پانی مانگا ۔ میں کھسک کر سرہانے کی طرف بیٹھ گئی ۔ تاجی پانی لینے گئی اور وہ لگے بندروں کی طرح مجھ کو نوچنے اور کھسوٹنے میں اچک کر دروازے کے پاس پہنچ گئی اور اسی وقت تاجی آگئی ۔ ورنہ وہ اور آگے بڑھتے ۔

"خدا کی مار پڑے ان پر ـــــ" انوری نے کہا ۔ یہ عمر اور یہ کرتوت ـــ"

"بڈھا شیطان مجسم ہے ۔" عائشہ نے کہا ۔ نبیل بھی دو ایک بار شراب پی کر میرے پاس آئے ہیں ۔ لیکن انہوں نے کبھی بدتمیزی نہیں کی ۔

انوری نے مسکرا کر اس کی طرف اس طرح دیکھا گویا وہ سب کچھ جانتی ہے ۔

عائشہ قسمیں کھانے لگی ـــــ انوری نے اسی طرح مسکراتے ہوئے کہا ۔

"آخر تم مجھ کو یقین دلانے کی کوشش کیوں کر رہی ہو ؟"

"تاکہ تم اپنا جیسا مجھ کو نہ سمجھو ـــــ" عائشہ نے ہنستے ہوئے کہا ۔

"خدا نہ کرے ـــــ" انوری نے طنزیہ لہجے میں کہا ۔ اور اس روز ـــــ"

عائشہ نے جھپٹ کر اس کا منہ دبا دیا اور اس کا جملہ نامکمل رہ گیا دونوں آپس میں دھینگا مشتی کرنے لگیں ۔ انوری نے عائشہ کو فرش پر

لٹا دیا وہ اس کے اوپر بیٹھ گئی اور اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اس نے اس سے کہا۔

"ہاں بتاؤ اب ——— میں کیسی ہوں؟"

"تم بہت اچھی لڑکی ہو ——— تم ایک مثالی لڑکی ہو۔ واقعی تم۔"

"اچھا اب خاموش ہو جاؤ ———"

عائشہ اس کی منت کرنے لگی۔ اور چند منٹ بعد انوری نے اس کو چھوڑ دیا۔ وہ اپنا لباس جھاڑتی ہوئی اٹھی اور پلنگ پر بیٹھ کر اس نے بہت سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"انوری میں سچ کہہ رہی ہوں۔ اگر والدین نے میری مرضی کے خلاف رشتہ منظور کر لیا تو میں نبیل کے ساتھ چلی جاؤں گی۔"

تم اپنی اماں سے صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتی ہو کہ تم صرف نبیل ہی کے ساتھ شادی کرو گی۔"

"نبیل کے خاندان سے اور میرے خاندان سے پرانی دشمنی ہے۔" عائشہ نے کہا۔ اگر ابا میاں کو معلوم ہو جائے تو وہ میرا گلا دبا دیں۔ ایک دو دفعہ کسی سلسلہ میں بھائی جان نے نبیل کا نام لے لیا تھا۔ تو وہ گالیاں دینے لگے تھے۔"

"یہ لوگ تو نبیل سے اس قدر نفرت کرتے ہیں اور ان کی صاحبزادی ہیں کہ ان پر جان دیئے ہوئے ہیں۔"

"یہ تو دل کے معاملات ہیں۔" عائشہ نے کہا۔ وہ میرے لئے

بھی تو سب کچھ چھوڑنے کو تیار رہیں۔"

"ان حالات میں تو بس ایک ہی صورت رہ جاتی ہے کہ تم نبیل کے ساتھ کہیں چلی جاؤ ــــــ لیکن پہلے اچھی طرح پختگی کر لو۔"

"پختگی کر چکی ہوں ــــــ" عائشہ نے کہا۔ اب یہ بتاؤ کہ تمہارا کیا ارادہ ہے۔

میں بھی اسی کشمکش و پنج میں ہوں۔ امی تو مختار کو پسند کرتی ہیں، لیکن ابو کو ان سے دلی بغض ہے۔ مختار اسی ماہ میں دہلی جا رہے ہیں۔ اُن کو ملازمت مل گئی ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ اگر دو ماہ کے اندر ان کا پیغام منظور نہ کیا گیا تو وہ مجھ کو دہلی لے جائیں گے۔ اور میرے گھر والوں سے مقدمہ بازی کریں گے۔"

"تم لوگوں میں تو آپس میں مصالحت ہو جانے کا بھی امکان ہے اور ایک روز مصالحت ضرور ہو جائے گی۔ لیکن ہمارے یہاں تو خاندانی دشمنی ہے۔

عائشہ کی والدہ نے عائشہ کو آواز دی اور وہ اُٹھ کر ان کے پاس پہنچی۔ انھوں نے اس سے کہا۔

"دیکھو انوری سے وہاب کے متعلق کچھ نہ کہنا ورنہ وہ اپنی ماں سے کہے گی اور وہ ہر جگہ مشہور کر دے گی۔ وہ بھی پیٹ کی بہت ہلکی ہیں۔"

عائشہ پھر انوری کے پاس آکر بیٹھ گئی اور کچھ دیر بعد انوری چلی گئی دوپہر کو عبدالستار جب کھانا کھا چکے تو انھوں نے اپنی اہلیہ سے کہا۔

"ابھی عبدالمنان کے بڑے بھائی ملے تھے۔ انہوں نے پھر تذکرہ کیا تھا۔"

"آپ نے کیا جواب دیا؟"

"میں نے کہہ دیا کہ دو چار روز بعد جواب دونگا۔"

"عائشہ کو یہ رشتہ ناپسند ہے۔"

"کیا اس نے تم سے کہا ہے؟"

"نہیں ——! کہا تو نہیں ہے۔ عائشہ کی والدہ نے کہا۔ ایسی باتیں کہی اور سنی نہیں جاتی ہیں۔ لیکن بہر حال قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

"اب پسند ہو یا نہ ہو لیکن بہر حال میں اس پیغام کو منظور کر لونگا۔"

"ایک بار پھر غور کر لیجئے۔"

"لڑکیوں کو ابتدا میں کوئی رشتہ پسند نہیں آتا ہے لیکن بعد میں ہنسی خوشی زندگی گزارنے لگتی ہیں۔"

عبدالستار کی اہلیہ خاموش ہوگئیں۔ کچھ دیر بعد عبدالستار نے ان سے کہا۔

"میں پرسوں ان لوگوں کو بلاؤں گا۔ لڑکی کا معاملہ ہے اس میں زیادہ تاخیر کی ضرورت نہیں ورنہ بڑی بدنامی ہوگی۔"

"اچھی طرح سوچ سمجھ لیجئے۔ آج کل کی لڑکیوں کے خیالات کچھ اور ہوتے ہیں۔"

"بہر حال لڑکیاں پھر لڑکیاں ہی ہوتی ہیں" انھوں نے کہا "جیسا وں لڑکیوں کو تم بھی دیکھ چکی ہو۔"

"عبدالوہاب کے متعلق کیا فیصلہ کیا۔"

"کل اس سے گفتگو کروں گا۔ اگر اس نے مطمئن کر دیا تو میں اس کو سو سوا سو دے کر بمبئی روانہ کر دوں گا۔"

"اسمٰعیل کو ایک خط بھی لکھ دیجئے گا۔" عبدالستار کی اہلیہ نے کہا۔

"میں بھی ایک پرچہ لکھ کر وہاب کو دے دوں گی۔"

"ہاں خط لکھ دوں گا۔ کل تم کلثوم سے کہہ دینا کہ وہ پرسوں کے لئے اپنے بھائی سے کہہ دیں۔ میں جلد سے جلد عائشہ کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں۔

"تو پھر شادی تک وہاب کو نہ جانے دیا جائے۔"

ہاں اگر عبدالمنان تیار ہو گئے تو میں پندرہ بیس روز کے اندر شادی کر دوں گا۔

"ہاں انتظام تو کرنا ہیں ہے۔" عبدالستار کی اہلیہ نے کہا لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہو گا۔"

"پیسہ ہونا شرط ہے۔" عبدالستار نے کہا۔ کام تو چٹکی بجاتے ہو جاتا ہے۔ دونوں آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگے۔

عائشہ دوسرے کمرے میں دروازے کے پاس کھڑی ہوئی ان

کی باتیں سن رہی تھی۔

وہ اسی وقت برقع سر پر ڈال کر انوری کے یہاں پہنچی۔ انور کا مکان اس کے مکان کے سامنے ہی تھا۔ اس نے انوری کے چھوٹے بھائی سے نبیل کو بلوایا اور مکان کے گلی میں کھلنے والے دروازے کے پاس جا کر اس سے کہا۔

میرے والدین نے آج فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ میری شادی اس کھوسٹ عبدالمنان سے کر دیں گے۔ اب تم بتاؤ تمہارا کیا ارادہ ہے۔

"میرا ارادہ اٹل ہے۔"

تو پھر مجھ کو لے چلو۔ آج انتظام کر لو اور کل رات کی گاڑی سے یہاں سے روانہ ہو جائیں۔

"اس قدر جلد ——" نبیل نے کہا۔

"ہاں وقت نہیں ہے۔" عائشہ نے جواب دیا۔ اگر تم ساتھ نہیں دے سکتے ہو تو صاف صاف بتا دو۔"

"کچھ تو وقت دو۔"

"اب ایسی باتوں سے کام نہ چلے گا۔" عائشہ نے کہا۔ یا تو میں اپنی جان دے دوں گی یا پھر تنہا چلی جاؤں گی۔ جو مقدر میں ہو گا وہ ہو گا۔"

"اچھا —— !" نبیل نے کہا۔ کل ملیں گے۔ تم تیار ہو جاؤ۔

"قسم کھاؤ ——"

"خدا کی قسم ——"

"وعدہ ایفا کروگے۔ یا کہ دغا کروگے۔"

نبیل نے وعدہ کیا اور چلا گیا۔ عائشہ دوسرے دالان میں بیٹھ گئی اور وہ سوچنے لگی۔ کہ وہ اپنے ساتھ کیا لے جائے۔ وہاب، دبے پاؤں اس کے پاس آیا اور اس کے کان کے قریب منہ لے جا کر کہا۔

"عائشہ تمہارے پاس ایک روپیہ ہو تو دے دو میں کل اماں سے لے کر دے دوں گا۔"

تمہارے منہ سے شراب کی بو آ رہی ہے۔

"چپ —— ! بیوقوف کہیں کی۔" وہ ہنسنے لگا۔

"بھائی جان تم شراب کب سے پینے لگے۔"

"میں نے شراب نہیں آئس سوڈا پیا ہے۔ بوتل کا سرخ رنگ کا میٹھا پانی۔"

"شراب کی بو چھپی نہیں رہتی۔ اگر ابا کو معلوم ہو جائے تو قیامت کر دیں۔"

"ان سے کچھ نہ کہنا۔" وہاب نے کہا۔ لاؤ ایک روپیہ دے دو۔

وہ اپنے کمرے میں گئی۔ اور ایک روپے کا نوٹ لا کر اس کو دے دیا وہاب نے چلتے وقت اس سے پھر کہا۔

"عائشہ کسی سے بتانا نہیں۔"

"گھسیٹے گھوسی نے مجھ کو پلا دی ہے۔"

وہ چلا گیا اور عائشہ اس کو دیکھتی رہی۔

اس کا ذہن مختلف خیالات کا آماجگاہ بنا ہوا تھا۔

عائشہ اپنی جگہ پر فیصلہ کر چکی تھی کہ چلی جائے گی اور اس کے والدین اور بھائی بہن سب ہمیشہ کے لیئے اس سے چھوٹ جائیں گے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور وہ اپنا دل پکڑ کر اس جگہ بیٹھ گئی۔

کردار کی کمزوری نے اس کو غلط فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا تھا لیکن ایک لڑکی کے دل میں والدین اور بھائیوں اور بہنوں کی جو محبت ہوتی ہے۔ وہ اس وقت پوری طرح موجزن تھی۔

عائشہ کچھ دیر بعد اٹھی، اپنے کمرے میں جا کر پلنگ پر لیٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ والدین کی غلط تربیت اور غلط روش نے اس کو بھی غلط فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ لیکن فطری جذبات پر قابو پانا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ وہ بہت دیر تک روتی رہی اور جب دل کی بھڑاس نکل گئی تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور کمرے کی ہر چیز پر اس نے طائرانہ نظر ڈالی سامنے اس کے دو چھوٹے اور بڑے سوٹ کیس رکھے ہوئے تھے ان میں سے ایک میں اس کے چند زیورات تھے۔ باقی زیورات ماں کے پاس تھے

اس نے سات سو ستر روپے بھی جمع کیے تھے وہ بھی اسی سوٹ کیس میں تھے۔

عائشہ کچھ دیر بعد اٹھ کر دروازے پر آئی اور اپنے والد کے کمرے کی طرف دیکھا وہ شاید سو چکے تھے اور اس کی والدہ الماری کے پاس کھڑی ہوئی کچھ دیکھ رہی تھیں۔ اس نے صحن میں آکر منہ دھویا اور پھر

اپنے کمرے میں آگئی اور تولیہ سے چہرہ خشک کر کے پلنگ پر بیٹھ گئی۔

دس منٹ بعد اس کی ماں نے آواز دی۔

"آ رہی ہوں ——" اس نے جواب دیا۔

"کھانا کھا لو ——"

"میں اس وقت کھانا نہیں کھاؤں گی" اس نے دروازے پر پہنچکر جواب دیا۔

"کیوں کیا بات ہے" ماں نے دریافت کیا۔

"سر میں درد ہے"

"دو چار نوالے تو کھا لو"

"جی نہیں" اس نے پھر جواب دیا۔

"وہاب کھانا کھا گئے؟"

"وہ آئے تھے لیکن اسی وقت واپس چلے گئے"

"یار دوستوں میں کھا لیا ہو گا"

"وہ بڑبڑانے لگیں —— وہ پھر اپنے کمرے میں آگئی اور اپنا ایک سوٹ کیس کھول کر کپڑے نکالے چند اچھے جوڑے علیحدہ رکھے اور آئینہ کنگھی اور دیگر سامان کا جائزہ لینے لگی۔

"کپڑے کیوں نکال رہی ہو"

عقب سے ماں کی آواز آئی۔ اور وہ چونک کر اس طرح دیکھنے لگی

"ایک رومال نہیں مل رہا ہے" اس نے بات بناتے ہوئے کہا

شائد بھائی جان مکال سے گئے ہیں۔

"وہاب کی عادت ایسی نہیں ہے۔ اگر وہ لے جاتے تو ہم سے ضرور کہہ دیتے۔"

اس نے سوٹ کیس میں کپڑے رکھے اور سوٹ کیس بند کر دیا۔ اور وہ چلی گئی

"عائشہ!" "جی۔"

"چلو —— ! چل کر دو چار نوالے کھا لو۔"

عائشہ کی والدہ نے کہا۔

ماں کے اصرار پر اُس نے اُن کے ساتھ کھانا کھایا اور وہیں بیٹھ گئی۔"

انہوں نے اس کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"تم کو عبدالمنان پسند نہیں ہے۔ حالانکہ وہ آج کل کے نوجوانوں سے کہیں اچھا ہے۔ اور ڈھائی سو روپیہ ماہوار کی آمدنی ہے۔ پوری تنخواہ لاکر تمہارے ہاتھ رکھے گا۔ جس طرح جی میں آئے خرچ کرنا۔ نہ کسی کا ڈر ہوگا نہ دباؤ۔"

عائشہ نے جواب دینے کے بجائے سر جھکا لیا۔ ماں نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

آج کل نوجوان تو بس دیکھنے کے چھیل چھبیلے ہوتے ہیں۔ نہ کھانا جانتے ہیں نہ بیوی کو کھلانا۔ جو اپنے شوق میں آپ دیوانہ ہوگا۔

جو روکو کیا کھلائے گا۔ یقیناً تم اس کی لڑکی کا حال دیکھ چکی ہو۔"

دیکھو شادی کو دو سال ہو چکے ہیں اب ایک بچے کی ماں ہونے والی ہے۔ لیکن میاں نے آج تک کپڑے کے نام پر ایک چیتھڑا تک نہیں بنا دیا۔

ہاں اور اس پر طرہ یہ کہ مہینوں سسرال کے ٹکڑے توڑتے رہتے ہیں۔ اگر کوئی کہتا ہے کہ کچھ کام کاج کرو تو کہتے ہیں کوشش ہو رہی ہے ـــــ دہلی میں دو سو کی ملازمت ملنے والی ہے اور بمبئی سے چار سو روپے ماہوار پر بلاوا آنے والا ہے۔"

لیکن وہ ملازمت نہ آج ملتی ہے اور نہ کل۔"

عائشہ کے دل میں آیا کہ وہ ان سے دریافت کرے کہ ان کا لڑکا کتنے روپیہ ماہوار پر ملازم ہو گیا ہے۔

جو ان کو اس کی شادی کی اتنی فکر ہے۔ لیکن کسی خیال کے ماتحت خاموش ہو رہی اور وہ اُس کو اسی طرح سمجھاتی رہیں۔

عبدالمنان اب تھانے دار ہونے والا ہے۔ جہاں رہے گا ہر وقت دس بیس کانسٹیبل خدمت کے لئے حاضر رہیں گے۔ سنا ہے کہ اس نے دو سو کی ایک گائے بھی خریدی ہے۔"

"آپ یہ سب باتیں مجھ سے کیوں کہہ رہی ہیں۔"

"عائشہ نے جل کر کہا۔"

"تم سے اس لئے کہہ رہی ہوں کہ تم ان باتوں پر غور کرو۔"

"میں غور کر چکی"
"کیا غور کر چکیں؟" ماں نے پوچھا۔
"بتا تو چکی ہوں" اس نے ڈھٹائی کے ساتھ کہا۔
"عبدالمنان کے ساتھ رضامند نہیں ہو؟"
"نہیں ---!"
"تو پھر اپنے باپ سے آج صاف صاف کہہ دینا؟"
"مجھے کیا ضرورت ہے۔"
"دیکھو عائشہ! بہت بُرا کر رہی ہو۔"
انہوں نے تہدید آمیز لہجے میں کہا۔
"آپ لوگ بھی تو بہت برا کر رہے ہیں"
اس نے بھی ترکی بتر کی جواب دیا۔
"کوئی سنے گا تو کیا کہے گا"
"جواب تک کہتا آیا ہے"
"عائشہ نے کہا۔
"جب آج تک آپ لوگوں نے میری ہر ضد پوری کی ہے تو یہ ضد بھی پوری کیجئے"
"تم آخر چاہتی کیا ہو؟"
"میں کچھ نہیں چاہتی ہوں۔ اماں اللہ خاموش ہو جائیے۔"
بیٹی کے جواب پر وہ رونے لگیں اور وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں

چلی گئی۔

تین بجے عبدالستار آئے وضو کر کے دالان میں ظہر کی نماز ادا کی اور باہر چلے گئے۔ ان کی اہلیہ دالان میں خاموش بیٹھی ہوئی تھیں۔ بیٹی کے جوابات سن کر اُن کا دل ٹوٹ چکا تھا اور اُن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کہ وہ کیا کریں۔

عائشہ نے اُن کو اپنے کمرے سے دیکھا وہ مایوسی کے عالم میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ عائشہ کا دل بھی بھر آیا۔ لیکن اس نے ضبط سے کام لیا۔ اور ان کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔

"اس وقت کیا پکائیے گا"

اس نے اپنی والدہ سے پوچھا۔

"دھلی ہوئی ماش کی دال"

پتیلی میں دال بھبک رہی ہے۔

انہوں نے مغموم لہجے میں جواب دیا۔

عائشہ کے دل میں آیا کہ وہ ان کے گلے میں باہیں ڈال کر ان سے لپٹ جائے اور اُن سے کہہ دے کہ وہ جہاں چاہیں اس کو جھونک دیں اس کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ لیکن پھر کسی خیال نے اس کو باز رکھا۔ اور نبیل کا مسکراتا ہوا چہرہ اس کی نگاہوں میں پھر گیا۔

اس نے ماں کی طرف دیکھا اور باورچی خانہ میں چلی گئی۔

ماں نے بھی اس کی طرف دیکھا اپنے دل میں سوچنے لگیں کہ جس کو

عبدالمنان کے ساتھ زندگی گزارنا ہے۔ جب وہی پسند نہیں کرتی ہے تو اس رشتہ پر بضد ہونا بیکار ہے۔

خود ان کو بھی عبدالمنان ناپسند تھا۔ محض اپنے شوہر کے کہنے پر وہ رضامند ہو گئی تھیں۔

کچھ دیر بعد وہ بھی اُٹھ کر باورچی خانے میں پہنچیں اور عائشہ کو خاموش دیکھ کر ان کے دل میں یہی خیال آیا۔ کہ وہ اس کو سینے سے لگائیں اور اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہہ دیں کہ وہ پریشان نہ ہو۔ وہ اس کی شادی عبدالمنان سے نہیں کریں گی۔ لیکن شوہر کا خیال آتے ہی انہوں نے ٹھنڈا سانس لیا۔ سانس کی آواز پر بیٹی نے ماں کی طرف دیکھا۔ انہوں نے اس کی طرف دیکھا اور ایک پتیلی اٹھا کر گھڑونچی کی طرف چلی گئیں!

۳۷

افتخار احمد صاحب لفافہ لئے ہوئے اپنی اہلیہ کے کمرے میں داخل ہوئے ان کو لفافہ دیتے ہوئے کہا۔

"عبدالستار کا خط آیا ہے۔"

زبیدہ نے لفافے سے خط نکال کر پڑھا اور مسکرا کر کہا۔

"چلو یہ بھی اچھا ہی ہوا۔ لیکن عبدالمنان بہت جلاد ہے۔ بی عائشہ کا کچلا بنا کر رکھ دے گا۔"

"پہلی بیوی کتنی شریف اور سیدھی تھی لیکن اس کو ایسی چار چوٹ کی مار مارتا تھا کہ بیچاری ہفتوں پلنگ پر پڑی رہتی تھی۔"

"اب اس کو بھی سبق مل گیا ہے۔" افتخار احمد نے کہا۔ "اپنے پرائے میں کوئی بھی تو اس کو اپنی لڑکی دینے پر تیار نہیں ہے۔"

"ہاں یہ بات تو ہے۔" زبیدہ بیگم نے کہا۔ "اب یا تو وہی عائشہ کو راہِ راست پر لے آئے گا۔ یا پھر اس کے اشاروں پر چلے گا۔ کیونکہ وہ بھی تیز لڑکی ہے۔"

"ماں کو ایسی بے نقط سناتی ہے کہ ان کو جواب دیتے نہیں بن پڑتا ہے۔"

جس راہ پر لگایا اسی پر چل رہی ہے۔

افتخار احمد نے کہا۔ "وہاب کے لئے انہوں نے لکھا ہے کہ وہ اس کو اسمٰعیل کے پاس بمبئی بھیج رہے ہیں۔"

"اسمٰعیل وہاں کرتا کیا ہے۔"

"کسی دوکان پر نوکر ہے۔"

افتخار احمد نے کہا

وہ اپنے پاس نہ رکھے گا۔ نہ وہاب وہاں رہے گا۔

"ستار بہت غلطی کر رہے ہیں۔"

"زبیدہ بیگم نے کہا۔ لڑکے نے ضد کی ہوگی۔" بیوی نے بچارا پھیر دیا ہوگا۔ اور وہ راضی ہوگئے ہوں گے۔"

"یہ تو ان کی پرانی عادت ہے۔ ورنہ بچے برباد کیوں ہوتے۔"

"انوری کی صحبت میں رہ کر وہ اور بھی دو کوڑی کی ہوگئی۔"

زبیدہ بیگم نے کہا۔

"وہ بہت چلتی ہوئی لڑکی ہے۔ ماں باپ کو انگلیوں پر نچاتی ہے۔"

" ہاں کچھ سنا تو تھا اس کے متعلق۔"

افتخار احمد نے کہا۔

" ان کو گھنٹوں غائب رہتی ہے۔ لیکن ماں باپ تک نہیں پوچھتے ہیں کہ بیٹی تم کہاں گئی تھیں۔ جس رات رتجگا تھا اس رات بھی غائب ہو گئی تھی۔ دس بجے تک تو لڑکیوں کے ساتھ ڈھولکی بجاتی رہی۔ اس کے بعد سے جو غائب ہوئی تو صبح جب انظار کی دلہن وغیرہ مسجد سے طاق بھر کر واپس آ رہی تھیں اس وقت آئی ہے۔ وہ لوگ یہ سمجھیں کہ رات کو اپنے گھر چلی گئی ہو گی اب طاق بھرنے کے لئے آ گئی ہے

لیکن صبح جب اس کی چھوٹی بہن بلانے آئی تو راز کھلا کہ وہ شام ہی سے گھر سے غائب تھی۔

" بہت واہیات لڑکی ہے۔"

افتخار احمد نے کہا۔

اس کو رتجگے کا بہانہ مل گیا اسی لئے میں ایسی بدشغول کو ناپسند کرتا ہوں۔

" انظار کی دلہن ایسی بدعتوں کی بہت زیادہ قائل ہیں۔" زبیدہ بیگم نے کہا۔" میں نے تو یہ راز کھلتے ہی کہا تھا۔ کہ کسی کی مراد بر آئے یا نہ برآئے۔ لیکن انوری کی مراد تو بر آئی۔

" لاحول ولا قوۃ۔" افتخار احمد نے باہر جاتے ہوئے کہا۔ ایسی لڑکیاں تو قطعی اس قابل نہیں ہیں کہ گھر میں آئیں۔

"ہمارے یہاں تو کوئی بھی اس کو منہ نہیں لگاتا ہے۔"

زبیدہ بیگم نے کہا۔

پہلے ہی روز نور بانو نے ایسا بنایا اور اس کا ایسا تمسخر اڑایا کہ دوسری لڑکی ہوتی تو گھر میں قدم نہ رکھتی۔ لیکن وہ کچھ ہی دیر بعد پھر عائشہ کے ساتھ آگئی۔

افتخار احمد باہر چلے گئے۔ زبیدہ بیگم نے وہ خط اپنی بڑی بہن کو دکھایا اور دونوں بہت دیر تک عائشہ کے متعلق باتیں کرتی رہیں۔ شام کو عتیق دو لاکٹ گھڑیاں اور دو جوڑ سونے کے مرصع کنگن دکھانے لایا۔

زبیدہ نے کہا۔

ہار میں لٹکتی ہوئی گھڑیاں تو واقعی بہت خوب ہیں اور کنگن بھی اچھے ہیں۔"

"لیکن دو جوڑ کس مصلحت سے لائے ہو۔"

عتیق کے بجائے سبل بول اٹھی۔ ایک ایک ہار لڑکیوں کو دیا جائے گا۔ اور ایک ایک جوڑ کنگن بہوؤں کو۔

کیوں امی جان!

عبیدہ بیگم نے خوش ہو کر کہا۔

"بیٹا عتیق یہ بات کی تم نے عقلمندی کی۔ ورنہ بھی احمد کی بیگم اپنے دل میں یہ کہہ سکتی تھیں کہ اپنی خالہ کی لڑکی اور بہو کو تو دے دیئے

لیکن میری لڑکی اور بہو کو کچھ نہ دیا

"خیر وہ ایسی طبیعت کی نہیں ہیں۔"

افتخار صاحب نے کہا۔

"لیکن تم نے یہ بہت اچھا کیا۔"

"وہ یقیناً خوش ہو جائیں گی۔ کہ تم نے ان کو بھی اپنا ہی سمجھا۔"

"انہوں نے بھی اب تک کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا ہے۔"

"شفیق الرحمان نے کہا۔" اگر کسی کو حقیقت کا علم نہ ہو تو یہی سمجھے کہ تم بہن نہیں ہو۔

"اس میں کلام کیا ہے۔"

زبیدہ بیگم نے کہا۔

"یہاں تو لوگ یہی سمجھنے لگے ہیں۔"

شفیق الرحمان نے کہا۔

میں ابھی تک فیصلہ ہی نہیں کر سکا ہوں کہ لڑکیوں اور دلہنوں کو کیا دوں۔"

"کل بازار چلیے تو فیصلہ کیا جائے۔" عبیدہ بیگم نے اپنے شوہر سے کہا۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ زیور کے بجائے کوئی اور دوسری قیمتی چیز دی جائے۔

افتخار احمد نے کہا۔

"زیادہ قیمتی چیز دینے کی ضرورت نہیں۔"

میں تم سے مشورہ نہیں کر رہی ہوں۔

عبیدہ بیگم نے کہا "یہ بتاؤ کہ تم پانی پت کب جاؤ گے؟"

"پرسوں"

"اور واپس کب آؤ گے؟"

دوسرے روز افتخار احمد نے جواب دیا۔

ہم لوگ بھی چلیں گے۔

چلئے تو ہمیں بھی۔

زبیدہ بیگم نے کہا۔ لیکن یہاں ابھی بہت کام کرنا ہے۔

صحن میں اعجاز نظر آیا۔ اسے دیکھتے ہی زبیدہ بیگم نے کہا۔

"تم کو بہن نے بلایا ہے۔ چلے جاؤ۔ دیکھو کیا کہہ رہی ہیں"

اعجاز فوراً باہر آ گیا۔

حامد اپنے مکان سے نکل کر مسز گپتا کی طرف جا رہا تھا۔ اعجاز نے اس کو آواز دے کر ٹھہرایا اور جب وہ اس کے پاس پہنچا تو اس نے اعجاز سے کہا۔

یار میرے لئے تو یہ شادیاں وبال جان بن گئی ہیں۔ جب سے کالج سے آیا ہوں دو بار بازار جا چکا ہوں۔

میں بھی فتح پوری تک دوڑایا گیا تھا۔

اعجاز نے کہا۔ خالہ جان نے مجھ کو کیوں بلایا ہے۔

"معلوم نہیں۔ جاؤ دریافت کر لو"

"میں ابھی آتا ہوں۔"

اعجاز نے جاکر آواز دی۔

احمدی بیگم نے اس کو اندر بلا لیا اور اس سے کہا۔

"بیٹا اعجاز تم ابھی تک درزی کے یہاں نہیں گئے۔ دوکان سے دوبار آدمی آچکا ہے۔ جاؤ ناپ دے آؤ۔"

"بہتر ہے۔" اُس نے نگاہیں نیچی کر کے جواب دیا۔

"میں ابھی جاتا ہوں۔"

"ہاں خوب یاد آیا۔ جوتے کے لئے ناپ بھی دیتے آنا۔ یا اپنی پسند کا پہن کر دیکھ لو اور خرید لاؤ۔ مجھ سے دام لیتے جاؤ۔"

"خالہ جان جوتا تو میں نے خرید لیا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے لیکن میرے ارمان بھی تو پورے ہونے دو۔"

احمدی بیگم نے اس کو دس دس کے تین نوٹ دیتے ہوئے یہ کہا۔

"جس قیمت کا بھی جوتا پسند آئے خرید لینا اور اگر دام کم پڑ جائیں تو آکر لے جانا۔"

وہ روپے دے کر چلی گئیں۔

طاہرہ کمرے میں دروازے کے پاس کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

"بھائی جان کے کمرے کی طرف آجایئے۔"

اعجاز دروازے سے نکل کر گلی سے گزرتا ہوا حامد کے کمرے کے سامنے پہنچ گیا۔ کمرہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا اس نے کمرے میں پہنچکر دوسرے کمرے کے دروازے کی طرف دیکھا۔ پردے کے نیچے سے طاہرہ کے پنجے نظر آرہے تھے۔ وہ اس طرف دیکھنے لگا۔

"آپ میرے پیروں کو بہت دیکھتے ہیں۔"

طاہرہ نے پردے کے اندر سے کہا۔

"چہرے کی طرف دیکھنے کی ابھی جرأت نہیں کر سکتا۔"

طاہرہ پردے میں ہونے کے باوجود شرما گئی اور چند سیکنڈ کے بعد اس نے کہا۔

"میں نے اس وقت یہ کہنے کے لئے بلایا ہے کہ شادی کے چکر میں آپ دونوں نے تعلیم کو بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ یہ چیز ٹھیک نہیں ہے۔"

"جی نہیں! یہ بات تو نہیں ہے۔"

"ہے کیسے نہیں۔"

طاہرہ نے کہا

"ایک وہ زمانہ تھا کہ ہر وقت اسٹڈی کے علاوہ اور کوئی کام ہی نہیں تھا اور یا اب ایک یہ زمانہ ہے کہ آپ لوگ بھول کر بھی کتاب نہیں اٹھا کر دیکھتے ہیں۔"

"یاد رکھئے! یہ آپ لوگوں کی تعلیم کا آخری دور ہے، اگر خدانخواستہ

فرسٹ ڈویژن میں نہ آسکے تو مستقبل پر اس کا اثر پڑے گا۔"

"ہم لوگ عملی تجربات تو ختم کر چکے ہیں۔ اب صرف ان پر نظر ثانی کرنا ہے۔"

"میں یہ کچھ نہیں جانتی ——" طاہرہ نے کہا "یہی بات میں آج بھائی جان سے کہہ چکی ہوں کہ اگر آپ لوگوں نے روش نہ بدلی۔ تو دو سال کے لئے شادی ملتوی ہو جائے گی۔ ہم دونوں کو یعنی مجھ کو اور صبیحہ کو تھوڑی سی بے شرمی اختیار کرنا پڑے گی اور ——"

"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔"

اعجاز نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ کہ ہم اسٹڈی کی طرف سے غافل نہیں ہیں۔

"میں تو نہیں دیکھ رہی ہوں۔"

"آپ آج ہی سے دیکھیں گی۔"

"بہتر ہے۔ بس میں نے یہی کہنے کے لئے بلایا تھا۔"

"اعجاز چلا گیا اور طاہرہ کمرے کا دروازہ بند کر کے اپنی ماں کے پاس آگئی۔

"تم کہاں تھیں؟"

"احمدی بیگم نے پوچھا۔"

"اپنے کمرے میں کتابیں ٹھیک کر رہی تھی۔" طاہرہ نے کہا۔ "امّی! آج کل آپ بھائی جان کی رسّی ڈھیلی کئے ہوئے ہیں۔ اور انہوں نے

شادی کی خوشی میں لکھنا پڑھنا چھوڑ رکھا ہے۔"

"ہاں ادھر تو حامد کو پڑھنے کا موقع بہت کم ملا۔"

"تاکید کیجئے۔" طاہرہ نے کہا۔ "اور ان سے کہیئے کہ پڑھنے لکھنے کی طرف متوجہ ہوں۔"

"بیٹی یہ تو ٹھیک ہے۔"

احمدی بیگم نے کہا۔

"اس پہلو پر بھی تو غور کرو کہ حامد کے علاوہ اور ہے کون جو دوڑ دھوپ کرے۔"

"خالو جان تو روزانہ پوچھتے رہتے ہیں۔"

"ہاں وہ پوچھتے تو رہتے ہیں۔ لیکن اپنا کام خود ہی سے اچھا ہوتا ہے۔"

"تو پھر فی الحال شادی ملتوی کیجئے۔ ان کی پڑھائی ضروری ہے۔"

"اچھا اب میں حامد کو زیادہ زحمت نہ دوں گی۔"

"یہی ہونا بھی چاہیئے۔"

آبادی نے احمدی بیگم سے کہا:

"بیگم صاحبہ آج میں نے رضوانہ کو دیکھا وہ تو بہت دُبلی ہو گئی ہے۔"

"وہ شاید بیمار ہو گئی تھی۔" طاہرہ نے کہا۔ اب تو ٹھیک ہے۔

"رخساروں کی ہڈیاں اُبھر آئی ہیں۔" آبادی نے کہا۔ میں تو پہلی

نظر میں پہچان بھی نہ سکی۔"

"ہاں دو تین لڑکیوں سے معلوم ہوا ہے کہ وہ بہت بیمار ہو گئیں تھیں ـــــ"

"سب کہنے کی باتیں ہیں بی بی۔" آبادی نے کہا۔

"بیماری تھی نہ آزاری۔ وہ بات ہی کچھ اور تھی۔"

"کیا بات تھی ؟" طاہرہ نے پوچھا۔

آبادی کچھ کہنے ہی والی تھی۔ لیکن احمدی بیگم نے اس کو گھور کر دیکھا اور اس نے بات بنا دی۔

"یہی فصلی بخار او خار ـــــ"

طاہرہ کی نظر اپنی ماں پر پڑ چکی تھی اور اس نے اُن کو آبادی کی طرف گھورتا ہوا دیکھ لیا تھا۔ اس لئے وہ خاموش ہو گئی۔ اور کچھ دیر بعد اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"آبادی! تم اب سٹھیاتی جا رہی ہو۔"

احمدی بیگم نے طاہرہ کے جانے کے بعد آبادی سے کہا۔" ایسے ہی اس روز لڑکیوں کے سامنے شیخانی کی لڑکی کو کہہ بیٹھیں کہ اس کے لگے بندھے راتوں کر آتے ہیں۔ اور اسی طرح آج شروع ہو گئیں تھیں۔"

"بی بی میں خود شرمندہ ہوں۔" آبادی نے ندامت آمیز لہجے میں کہا مجھ سے غلطی ہو گئی۔ میں سچ کہتی ہوں۔ مجھ کو چھوٹی بی بی کا بالکل خیال ہی نہ رہا۔"

"کنواری لڑکیوں کے سامنے اس قسم کی باتیں نہیں کی جاتی ہیں۔"
احمدی بیگم نے آبادی کو سمجھاتے ہوئے کہا۔
ماشاءاللہ جوان جہان ہیں۔ ان کے کانوں میں ایسی باتیں نہ پڑنا چاہئیں۔ عصمت خیالی بھی بڑی چیز ہوتی ہے۔ یاد رکھو کہ پہلے خیالات خواب ہوتے ہیں پھر انسان۔"
آبادی سر جھکائے خاموش بیٹھی ہوئی اپنا کام کرتی رہی۔ احمدی بیگم بھی خاموش ہو گئیں اور دو ڈیڑھ منٹ بعد آبادی سے انہوں نے کہا۔
"کیا میری باتوں کا برا مان گئیں۔"
"اے نہیں بی بی۔"
"آبادی نے فوراً جواب دیا۔" آپ نے کچھ کہا بھی تو نہیں ہے"۔
"ہاں! اب بتاؤ تم کیا کہہ رہی تھیں۔"
"رضوانہ چہرے سے بیمار تو نہیں معلوم ہوتی ہے۔"
"پھر کیا معلوم ہوتی ہے۔"
احمدی بیگم نے پوچھا۔
"ایسا معلوم ہوتا ہے اس کو کسی بات کا غم ہے۔" آبادی نے کہا
"اپنی ماں کے ساتھ دروازے پر کھڑی ہوئی تھی۔ شاید کہیں جا رہی تھیں۔"
"ہاں کچھ اڑی اڑی میں نے بھی سنی ہے۔ خیر ایسی باتیں غیبت میں آ جاتی ہیں۔ تم اب کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا۔ معلوم نہیں خدا

کو کیا بات بری معلوم ہو۔"
فاطمہ کے ساتھ صبیحہ آگئی۔ اور طاہرہ بھی اپنے کمرے سے باہر آگئی۔
صبیحہ نے احمدی بیگم کو سلام کر کے طاہرہ سے پوچھا۔
" بھابی جان نے تم کو یاد کیا ہے۔"
" وہ خود کیوں نہ آئیں۔" طاہرہ نے پوچھا۔
" صبح یہاں آجائیں گی اور دو چار روز رہیں گی۔"
" اس وقت تو مجھ کو دو غلاف سینا ہیں اور چادر پر بخیہ بھی کرنا ہے"
"رات کو سی لینا۔ بلایا ہے تو ہو آؤ۔"
احمدی بیگم نے کہا۔
طاہرہ پندرہ بیس منٹ بعد برقع اوڑھ کر صبیحہ کے یہاں پہنچی۔ سنبل اس کو اپنے کمرے میں لے گئی۔ اور اسے لاکٹ گھڑی اور کنگن دکھائے۔
" یہ بہت اچھے ہیں۔" طاہرہ نے کہا۔ کیا آپ اپنے لئے لائی ہیں۔
ہاں!
" بہت اچھے ہیں۔ اب ایک بار میرے سامنے پہن لیجئے تاکہ میں بھی دیکھ لوں۔"
" میں تمہارے سامنے تو نہ پہنوں گی۔" سنبل نے ہنس کر کہا۔ تم پہن کر دیکھو۔"
اس نے اصرار کر کے اس کے گلے میں لاکٹ گھڑی ڈال دی۔ اور

ہاتھوں میں کنگن پہنا کر اس کی بلائیں لیتے ہوئے کہا۔

"بہت اچھے معلوم ہوتے ہیں۔"

طاہرہ شرما گئی۔ صبیحہ نے سبل سے کہا۔

"بجابا جان! اب آپ بالکل مشرقی ہو گئی ہیں۔"

شاہدہ اور زاہدہ بھی اس کمرے میں آ گئیں اور سب باتیں کرنے لگیں۔ صبیحہ نے طاہرہ سے کہا۔

"عائشہ کی شادی ہونے والی ہے۔"

"کس کے ساتھ ـــــ؟" طاہرہ نے پوچھا۔

"ہمارے رشتہ داروں میں ایک شخص عبدالمنان ہیں۔"

"وہ نباہ نہ کر سکے گی۔" طاہرہ نے کہا۔ انوری اور وہ دونوں اچھی لڑکیاں نہیں ہیں۔

شاہدہ بول اٹھی۔ عائشہ پر بھی انوری کا پرچھاواں پڑا ہے۔

"بالکل ـــــ" زاہدہ نے اپنی بہن کی تائید کی۔ ایک نے دہرا دوسری نے اٹھایا۔

"یہ سب ماں باپ کی غلط تربیت کا نتیجہ ہے۔" سبل نے کہا۔ اگر بچوں کو تین چار سال کی عمر ہی سے اچھی معلماؤں کے سپرد کر دیا جائے تو سن شعور کو پہنچکر پردہ نشین لڑکیاں بے راہ نہ ہوں۔

صبیحہ نے کہا۔ آپ نے تو خالہ جان کے لئے اسکیم تیار کی تھی۔

"ہاں! لیکن فی الحال انہوں نے اس کو ملتوی کر دیا ہے۔"

سنبل نے جواب دیا۔" جولائی تک شائد نرسری کلاس کھولی جائے۔
طاہرہ نے کہا۔ آپ تو اس وقت ہوں گی نہیں۔
" ابھی وثوق کے ساتھ میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتی۔ سنبل نے اس کو جواب دیا۔ بہرحال اگر میں یہاں نہ بھی ہوئی تو آؤں گی۔"
" بچوں کے لئے نرسری کلاس ضرور ہونا چاہیئے"۔ صبیحہ نے کہا۔
" پرانے طریقہ تعلیم کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ عباسیوں کے عروجی دور میں اس وقت کے کئی ماہر تعلیم نے بغدادی قاعدہ مرتب کیا تھا وہی آج تک رائج ہے۔ حالانکہ اب جدید ترین طریقہ تعلیم مانٹیسری ہے۔"
" یہ طریقہ تعلیم نیا نہیں ہے۔"
طاہرہ نے کہا۔" اسپین کے عربوں میں بھی یہی طریقہ تعلیم رائج تھا اس میں معمولی ردوبدل کی گئی ہے۔"
" اس طریقہ تعلیم کو رواج دینے والی خاتون بھی تو اسپین ہی کی ہیں۔" سنبل نے کہا۔ انہوں نے ایک کتاب بھی تصنیف کی ہے اور اس میں ان عربوں کا شکریہ ادا کیا ہے۔ جنہوں نے یورپ کو پڑھنا لکھنا سکھایا۔"
شاہدہ نے پوچھا۔" کیا پہلے یورپ میں لوگ پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے۔"
" آٹھویں صدی عیسوی تک یورپ میں علم کا بہت کم چرچا تھا" سنبل نے کہا۔ بلکہ یہ سمجھ لو کہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ صرف پادری اور راہب پڑھنا اور لکھنا جانتے تھے۔ یا بادشاہوں اور امیروں کے لڑکے دستخط

کر لیتے تھے۔

"واقعی ——— ؟" زاہدہ نے متحیّر ہو کر پوچھا۔

"ہاں ——— ! یہ تاریخی حقائق ہیں۔ عربوں نے اسپین فتح کر کے وہاں علم کا چرچا پھیلایا اور سب کے لیئے تعلیم عام کی ورنہ پادریوں اور راہبوں کے علاوہ کسی کو علم حاصل کرنے کی اجازت ہی نہ تھی۔ یہودی چوری چھپے اپنی زبان عبرانی میں کچھ لکھ پڑھ لیتے تھے۔ لیکن جب پادریوں اور اسقفوں کو معلوم ہو جاتا تھا تو ایسے یہودیوں کے مکانات لوٹ لیئے جاتے تھے۔ نوجوانوں کو قتل کر دیا جاتا تھا۔ یا غلام بنا لیا جاتا تھا۔ اور ان کی نوجوان لڑکیوں کو پکڑ کر ایشیائی ممالک لایا جاتا تھا اور ——— کنیزوں کی حیثیت سے فروخت کر دی جاتی تھیں۔"

طاہرہ نے کہا۔ ہاں یہ ان باتوں کا تذکرہ تاریخ اسلام میں بھی ہے، اور بھائی جان کہتے ہیں کہ یوروپین مورخین نے بھی بہت کچھ لکھا ہے

شاہدہ بول اٹھی۔ میں نے تو صرف انگلینڈ کی تاریخ پڑھی ہے اور وہ بھی دور حاضرہ کی۔

صبیحہ نے طاہرہ سے کہا۔

"لڑکیوں کو تاریخ اسلام بھی پڑھانا چاہیئے۔"

"اگر مدرسہ آٹھویں جماعت تک ہو جائے تو تاریخ پڑھانے کی گنجائش نکل سکتی ہے۔" طاہرہ نے کہا۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے چاہا تو آئندہ سال تک ایسا ہو جائے گا۔"

"جگہ کم ہے۔" سبل نے کہا "جس عمارت میں مدرسہ ہے۔ وہ اس کے لئے ناکافی ہے۔"

طاہرہ نے کہا۔ امی کہتی ہیں کہ وہ اسی محلے میں کوئی دوسرا مکان لے لیں گی۔ اور رہائش والا مکان بھی مدرسہ کو دے دیں گی۔

"طاہرہ آپا۔ آپ وہ کتاب مجھے بھی دے دیجئے گا۔ وہی تاریخ اسلام۔"

"کس کی ——— ؟" طاہرہ نے پوچھا۔

"آپ کی ———" اس نے جواب دیا۔ ابھی کہہ رہی تھیں کہ آپ کے پاس تاریخ اسلام ہے۔"

طاہرہ نے ہنس کر کہا۔ تاریخ اسلام کیسی چاہیئے یعنی کس کی لکھی ہوئی۔

"یہ میں کیا جانوں ———" شاہدہ نے کہا۔

"میرے پاس تو اکبر شاہ خاں نجیب آبادی کی لکھی ہوئی تاریخ اسلام بھی ہے۔ مولوی ذکاء اللہ خاں کی بھی۔ سید امیر علی کی بھی ہے۔ اور ابن خلدون کا ترجمہ بھی ہے۔"

"جو آپ مناسب سمجھیں دے دیں۔"

"کل دوپہر کو یاد دلانا۔ لائبریری میں ہیں یہ کتابیں۔"

سبل نے کہا۔ کتابوں کے ذکر پر یاد آ گیا۔ تمہارے بھائی صاحب نے لائبریری کے لئے تاریخ طبری کا مکمل سیٹ خریدا ہے۔ آج کل میں

بذریعہ ریل آتا ہوگا۔"

"بہت مشہور مکمل اور جامع تاریخ ہے۔" طاہرہ نے کہا۔

طاہرہ کچھ دیر بعد اپنے مکان واپس آگئی۔ احمدی بیگم حامد کے کمرے میں بیٹھی ہوئی اعجاز سے باتیں کر رہی تھیں۔ اس نے پردے کی آڑ سے جھانک کر دیکھا اور دالان میں آگئی۔ آبادی باورچی خانے میں بیٹھی ہوئی گنگنا رہی تھی۔

"اوہو —" طاہرہ نے مسکرا کر کہا۔ آج تو بی آبادی گا رہی ہیں۔

"گا کیا رہی ہوں بی بی نصیبوں کو رو رہی ہوں۔" آبادی نے کہا۔ اب کیا گاؤں گی۔ ہاں کسی زمانہ میں گاتی تھی۔"

"اچھا —" طاہرہ نے متعجبانہ لہجے میں کہا۔ "واقعی تم گاتی تھیں؟"

"ہم تینوں بہنیں جس محفل میں ڈھولک لے کر بیٹھ جاتی تھیں۔ سماں باندھ دیتیں۔ بعد میں میری بہن کی دو لڑکیاں بھی ہمارے ساتھ گانے لگی تھیں۔"

"اسکول میں میں نے بھی دو چار بار ترانا گایا ہے۔" طاہرہ نے کہا

"وہی — سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا۔" آبادی نے کہا۔

"وہ بھی — اور ترانہ اسلام بھی —" طاہرہ نے کہا۔ وہی جو آج کل مدرسے میں لڑکیاں گاتی ہیں۔ — چین و عرب ہمارا ہندوستان

ہمارا ــــــ"

"وہ بھی اچھا ہے ــــــ" آبادی نے کہا۔ "لیکن یہ کوئی گانے میں گانا ہے۔ ہم لوگ تو غزلیں قوالی اور حقانی گاتے تھے یا پھر چوبولے اور پٹے۔"

"چوبولے اور پٹے کیا بلا ہوتے ہیں۔"

"گانوں کی قسمیں ہیں۔"

اپنی والدہ کو آتا ہوا دیکھ کر طاہرہ خاموش ہو گئی اور آبادی بھی چولہے کی طرف متوجہ ہو گئی۔

احمدی بیگم نے طاہرہ کے پاس پہنچ کر کہا۔

"تم جال کے دوپٹے میں ریشمی پھول چھڑواؤ گی۔"

"اپنے ہاتھ سے چھوڑلونگی۔"

"اعجاز کہہ رہے ہیں کہ لال کنویں پر لکھنؤ کا کوئی کاریگر آیا ہے۔ وہ بہت اچھے پھول چھوڑتا ہے۔"

"تو پھر سفید دوپٹہ دے دیجیے۔" طاہرہ نے کہا۔ "ایک پر اس کا کام دیکھ لیا جائے۔"

"دوسرا تو میں خود بناؤں گی۔"

طاہرہ نے جالی کا دوپٹہ نکال کر دیا اور پھر دالان میں آ گئی۔ کچھ دیر بعد حامد بھی آ گیا اور اس نے اپنی والدہ سے کہا۔

"آج حبیب بھی سلطانہ اور اپنی والدہ کے ساتھ کچھ خریدنے آئے

تھے۔ ابھی چاندنی میں ملے تھے۔

"ہاں سلطانہ نے کہا تو تھا شاید بعد مغرب آئیں"۔ احمدی بیگم نے کہا۔

"امی! مغرب کا وقت ہو چکا ہے۔ نماز پڑھ لیجئے"

حامد وضو کر کے مسجد چلا گیا اور ماں بیٹی نے گھر میں نماز ادا کی کچھ دیر بعد حبیب اور سلطانہ آ گئے۔ سلطانہ کے ساتھ ان کی ساس بھی تھیں۔ احمدی بیگم نے سب کو دالان میں بٹھایا۔ اور ان سے باتیں کرنے لگیں۔

سلطانہ نے باتوں باتوں میں طاہرہ سے کہا۔

" طاہرہ آپا! ایک بات تو بتائیے۔ روزمرہ کی زندگی میں ریڈیو گرام زیادہ کار آمد ہے۔ یا رفریجریٹر ——"

" دونوں غیر ضروری ہیں" احمدی بیگم نے مسکرا کر کہا۔ "ان کی افادیت کا سوال تو بعد میں پیدا ہوتا ہے"

حبیب کی والدہ نے مسکرا کر احمدی بیگم سے کہا۔

"میں کہہ رہی تھی دلہن سے کہ بات گھما پھرا کر نہ کرنا بہت عقلمند بنتی ہیں۔ اب بن گئیں۔ اس وقت بے وقوف"

" احمدی بیگم نے کہا" بہن یہ سب چیزیں اس وقت اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ جب انسان کوٹھی میں رہتا ہو۔ دو چار نوکر ہوں۔ بنک میں لاکھوں کی دولت جمع ہو"

"یہ چیزیں اب نہیں ہیں تو بھائی جان کی ملازمت کے بعد ہو جائیں گی۔"

سلطانہ نے کہا۔

"کل کے متعلق کوئی کچھ نہیں بتا سکتا ——" احمدی بیگم نے کہا بہر حال ایسی قیمتی چیزیں خریدنے کی ضرورت نہیں۔ اور تمہارا تو حق ہی نہیں ہے دینے کا تم تو طاہرہ سے چھوٹی ہو۔"

"سلطانہ کی خوش دامن بول اٹھیں۔ وہ کیوں دینے لگیں جو کچھ دوں گی۔ میں دوں گی۔"

"بہن جو کچھ ہے سب آپ ہی کا تو ہے۔"

"یہ تو ٹھیک ہے سلطانہ کی ساس نے کہا۔ لیکن اب آپ اس سلسلہ میں کچھ نہ کہیئے۔"

سلطانہ نے طاہرہ سے کہا۔ رفریجریٹر اچھا رہے گا۔ کیوں طاہرہ آپا۔"

"میں کیا جانوں ——" اس نے جواب دیا

"میں صرف یہ دریافت کر رہی ہوں کہ دونوں میں زیادہ کار آمد کون ہوتا ہے۔"

"طاہرہ نے شرما کر اپنے گھٹنوں میں چہرہ چھپا لیا۔" حبیب نے کہا۔

"طاہرہ آپا کے لیے رفریجریٹر زیادہ مفید ہوگا۔"

"ہاں! میں بھی اس کو بہتر سمجھتی ہوں۔" حبیب کی والدہ نے کہا اس وقت موقع سے دور فرنیچر پیڑ مل رہے ہیں۔ اس لئے میں نے کہا کہ پہلے بہن اور طاہرہ سے مشورہ کر لیا جائے۔"

"بہت گراں ہو گئے ہیں۔" احمدی بیگم نے کہا۔

"ارزاں کیا شے ہے۔" حبیب کی والدہ نے کہا۔ ہر چیز میں تو آگ لگی ہوئی ہے۔ ابھی دلہن کے لئے کمخواب کا ایک ٹکڑا دیکھا کمبخت دوگنی قیمت مانگ رہا تھا۔"

طاہرہ نے اپنی والدہ سے کہا۔

"امّی آپ دسترخوان بچھوائیے۔ میں کھانا نکالنے جا رہی ہوں۔ سلطانہ چلو اٹھو۔ چچی جان کا ہاتھ دھلاؤ۔"

"نہیں بیٹی! میں کھانا نہیں کھاؤں گی۔" حبیب کی والدہ نے کہا "میں نے دو تین روز سے شام کا کھانا چھوڑ دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے مشورہ دیا ہے۔ کہ رات کو صرف دو توس کھا کر ایک پیالہ دودھ پی لیا کروں۔"

"جی ہاں طاہرہ آپا۔" سلطانہ نے بھی اپنی خوش دامن کی تائید کر دی۔

"توس بھی ہیں اور دودھ بھی ہے۔" احمدی بیگم نے کہا۔

"میں دس بجے سے پہلے نہ کھاؤں گی۔" انہوں نے جواب دیا۔ سلطانہ اور حبیب نے بھی معذرت کر لی۔ اور وہ لوگ کچھ دیر بعد

چلے گئے۔

بعد عشا احمدی بیگم نے حامد سے کہا۔

"بیٹا ان شادیوں کے سلسلے میں ہم پر بہت بار ہو جائے گا۔"

"غیر ضروری چیزیں نہ خریدیئے۔"

"میرا یہ مطلب نہیں ہے۔" احمدی بیگم نے کہا۔ بلکہ میں یہ کہہ رہی ہوں کہ سب ہی کچھ نہ کچھ دیں گے اور ہر تحفہ قیمتی ہو گا۔ ہم کو یہ خیال بھی تو رکھنا چاہیئے کہ آج ہی نہیں تو کل ہم کو بھی تحفے تحائف دینا ہوں گے۔

"امی یہ تو ایک ایسا معاملہ ہے کہ کچھ کہا بھی نہیں جا سکتا۔"

یہی تو میں کہہ رہی ہوں کہ بہت بار ہو جانے گا۔ احمدی بیگم نے کہا۔ "اگر خدا نخواستہ تم کو جلد ملازمت نہ ملی اور کسی کے یہاں کوئی تقریب ہوئی ——— اور ضرورت ہو گی۔ تو میں کیا کروں گی۔"

"جنوری میں شاہدہ اور زاہدہ ہی کی شادیاں ہونگی۔"

"دونوں کچھ دیر تک خاموش بیٹھے ہوئے اس پہلو پر غور کرتے رہے۔"

"امی ——— اللہ مالک ہے۔ وہ مسبب الاسباب ہے آپ فکر نہ کیجئے۔"

"بیشک وہ مسبب الاسباب ہے۔"

احمدی بیگم نے کہا اور خاموش ہو گئیں۔

حامد نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اب آپ بھی آرام کیجئے۔ آج کل آپ بہت تھک جاتی ہیں۔"

"آج تو تم کو بھی کمر سیدھی کرنے کا موقع نہ ملا۔" احمدی بیگم نے کہا۔
"اور طاہرہ نے بھی بہت کام کیا۔"

"زیادہ کام نہ کیجیے۔ مکان کی صفائی کے لئے میں نے اسحاق مستری سے کہہ دیا ہے۔ وہ دو ایک روز بعد آکر قلعی کر دیں گے۔"

"لیکن سامان تو ہم لوگوں ہی کو ہٹانا پڑے گا۔"

"جی نہیں۔ اسحاق کے آدمی سب کام کریں گے۔ میں موجود ہونگا"

احمدی بیگم نے کہا "پرسوں تاج کی دلہن آجائیں گی تو ان سے بہت مدد مل جائے گی۔"

"بڑی بھابی کب آئیں گی۔"

"دو چار روز میں وہ بھی آجائیں گی۔ کل وہ اپنے بھائی کے یہاں گئی ہیں۔"

حامد اپنی والدہ سے باتیں کر کے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

۳۸

عبدالستار کی اہلیہ نے لوٹا گھڑونچی کے پاس رکھا اور آسمان کی طرف دیکھ کر تاروں سے وقت کا اندازہ لگانے کی کوشش کی اور خود ہی بڑبڑانے لگیں۔

"آج رات کاٹے نہیں کٹ رہی ہے ابھی بارہ ہی نہیں بجے"

اسی وقت تحصیل کے گھڑیال نے بارہ کے گھنٹے بجائے اور ان کو ایک گونہ مسرت محسوس ہوئی کہ ان کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ وہ صحن سے گزرتی ہوئی اپنے کمرے کے سامنے دالان میں پہنچ گئیں پلٹ کر دوسرے دالان کی طرف دیکھا اور چونک پڑیں۔

عائشہ کی کوٹھری کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ حالانکہ وہ سونے سے قبل دروازے بند کر لیتی تھی۔ انہوں نے آنکھیں مل کر اس طرف

دیکھا - دروازے کا ایک پٹ آدھے سے زیادہ کھلا ہوا تھا اور بتی دھائیں دھائیں جل رہی تھی۔ وہ جلد جلد قدم اٹھاتی ہوئی دروازے کے پاس پہنچیں اور جھانک کر دیکھتے ہی ان کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے رہ گیا۔ عائشہ کا پلنگ خالی تھا۔ اس پر بستر بھی نہیں تھا اور ایک سوٹ کیس بھی غائب تھا۔

عائشہ کی والدہ فوراً اپنے کمرے کی طرف پلٹیں اور ان کی نظر ڈیوڑھی کے دروازے پر پڑی۔ اس کا ایک پٹ بھی کھلا ہوا تھا۔ انہوں نے دوڑ کر عبدالستار کو جگایا۔

"غضب ہوگیا!" انہوں نے اپنے شوہر کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ "عائشہ اپنے کمرے سے غائب ہے اور ڈیوڑھی کا دروازہ بھی کھلا ہوا ہے!"

عبدالستار گھبرا کر اٹھے اور لپک کر کمرے کے کونے میں رکھی ہوئی لاٹھی اٹھالی۔

"کہاں ہے کہاں؟" انہوں نے نیند میں چیختے ہوئے کہا۔

"عائشہ!" اُن کی اہلیہ نے روتے ہوئے کہا۔ "عائشہ کہاں ہے ---؟

"عائشہ!" عبدالستار نے چونک کر کہا۔ "عائشہ کہاں گئی؟"

"خدا معلوم --- جلد دیکھئے! ہائے میری بچی"۔

عائشہ کی ماں نے سینے پر دوہتڑ مارا۔ عبدالستار فوراً دوڑ کر

ڈیوڑھی میں پہنچے۔ ڈیوڑھی کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ ڈیوڑھی سے گزرتے ہوئے صدر دروازے تک پہنچ گئے۔ وہ بھی کھلا ہوا تھا۔ وہ فوراً اندر واپس آئے اور رباب کو آواز دے کر جگایا۔

"عائشہ کہیں چلی گئی"

ماں نے وہاب کو دیکھتے ہی دبی زبان میں کہا۔

"بھاگ گئی کم بخت!" عبدالستار نے کہا۔ اسٹیشن گئی ہوگی۔ ٹرین ایک بجے جاتی ہے۔

انہوں نے کھونٹی سے پاجامہ اُتارا اور اس کو تہہ بند ہی پر پہن لیا۔ آزار بند باندھنے لگے۔ لیکن فوراً غلطی کا احساس ہوتے ہی تہہ بند نکال کر پھینک دیا اور پیر میں جوتا ڈال کر اونی شال اٹھاتے ہوئے کہا

"اسٹیشن چلو —— وہ وہیں ہوگی۔ ایک بجے ٹرین سے دہلی جارہی ہوگی"

وہ دروازے کی طرف بڑھے لیکن فوراً خیال آیا کہ ننگے سر ہیں۔ بڑھ کر ٹوپی کھونٹی سے اُتاری اور سر پر رکھتے ہوئے رباب کے ساتھ صحن میں پہنچ گئے۔

عائشہ کی والدہ دالان میں بیٹھ کر آہستہ آہستہ رونے لگیں۔

عبدالستار نے پلٹ کر کہا۔ کلثوم کو بلالو۔

"کیا ہے دولہا بھائی"

کھڑکی کی طرف سے کلثوم کی آواز آئی۔ وہ ان لوگوں کی آواز دل

پر بیدار ہو گئی تھی۔

عبدالستار پلٹ آئے اور کھڑکی کے پاس جا کر گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"عائشہ بھاگ گئی"

"بھاگ گئی ——!" اور کلثوم نے کھڑکی کھول کر تعجب سے کہا۔

"ہاں ——!" عبدالستار نے کہا۔ تم اپنی بہن کو دیکھو میں اسٹیشن جا رہا ہوں۔

صحن میں پہنچ کر انہوں نے وہاب سے کہا۔

"آؤ بیٹا! اس حرامزادی کا گلا وہیں دبا دوں گا۔ میں ان معاملات میں بہت جلا ہوا ہوں"

دونوں جلد جلد قدم اٹھاتے ہوئے سڑک پر پہنچے۔ ایک ٹانگہ اسٹیشن کی طرف سے آ رہا تھا۔ انہوں نے اس کو پہچان کر آواز دی۔

"بخشو! کہاں سے آ رہا ہے"

"اسٹیشن سے" اس نے جواب دیا۔

"ذرا ہم لوگوں کو بھی اسٹیشن پہنچا دے۔ ابھی تیرے ہی ٹانگے پر واپس آ جائیں گے"

وہاب اور عبدالستار ٹانگے پر بیٹھ گئے اور بخشو نے ٹانگہ بڑھایا اسٹیشن زیادہ دور نہ تھا۔ کچھ دیر بعد دونوں اسٹیشن پہنچ گئے۔ دلی

والی ٹرین پلیٹ فارم پر آچکی تھی - پھاٹک پر ٹکٹ بابو ان کا جاننے والا تھا - اس سے کہہ کر دونوں پلیٹ فارم پر پہنچے اور سب سے پہلے زنانہ ڈبہ دیکھا - اس میں صرف ایک پنجابی عورت تھی -

انٹر اور سیکنڈ بھی دیکھ لیجیے - ابا میاں -

"ہاں ٹھیک کہتے ہو ـــــ" عبدالستار نے اپنے بیٹے سے کہا -

دونوں نے انٹر سیکنڈ اور فرسٹ کے کمپارٹمنٹ بھی دیکھے اور اس کے بعد ایک ایک گاڑی اور ایک ایک برقع پوش عورت کو دیکھنے لگے لیکن عائشہ نہ نظر آئی -

اگر ٹرین میں کہیں ہوتی تو ضرور مل جاتی -

"جی ہاں ٹرین میں تو نہیں ہے" وہاب نے جواب دیا -

دونوں نے پھر ایک ایک برقع پوش کو بغور دیکھنا شروع کیا - لیکن انہوں نے صرف ایک ہی بوگی دیکھی تھی کہ گارڈ نے وسل دے کر سبز بتی دکھائی - انجن نے ہلکی سی سیٹی دی اور ٹرین روانہ ہو گئی -

دونوں باہر آ گئے - بخشو اپنے تانگے کے پاس کھڑا ہوا بیڑی پی رہا تھا - اس نے دونوں کو دیکھ کر پوچھا -

"کسی کو لینے آئے تھے یہاں ؟"

"کسی کو لینے نہیں آیا تھا بلکہ دیکھنے آیا تھا"

"ملا نہیں وہ ؟"

"نہیں ـــــ" عبدالستار نے آہستہ سے کہا -

"عبدالوہاب نے بخشو سے پوچھا" تم کس کو پہنچانے آئے تھے۔
نبیل میاں کو۔ ملانوں والے نبیل میاں۔ بھٹنڈہ گئے ہیں۔
تنہا ؟ عبدالوہاب نے پوچھا۔
"جی نہیں! ایک زنانی سواری بھی ان کے ساتھ تھی"
نبیل کے نام پر انہوں نے چونک کر دیکھا۔ ان کی اہلیہ نے کئی بار ان سے کہا تھا کہ عائشہ کا خیال نبیل احمد کی طرف ہے۔ اور وہ اس کا نام سن کر آگ بگولہ ہو گئے تھے۔ خود انہوں نے بھی نبیل کو اپنے مکان کے چکر کاٹتے ہوئے دیکھا تھا۔ بخشو سے نبیل کا نام اور ایک زنانی سواری کا حوالہ سن کر انہوں نے اس سے دریافت کیا۔
"زنانی سواری کیسا برقع پہنے ہوئے تھی"
"گلابی یا شاید ہلکے پیازی رنگ کا تھا"
عبدالستار کی حالت غیر ہو گئی۔ اس رنگ کا برقعہ عائشہ نے اسی ہفتہ بنوایا تھا۔
"تانگہ ان کے مکان کی طرف جا رہا تھا اور وہ مضبوطی کے ساتھ اس کی چھتری پکڑے ہوئے تھے۔ لیکن پھر بھی گرے جا رہے تھے۔
عبدالوہاب بھی سمجھ گیا کہ وہ زنانی سواری اس کی بہن ہی تھی اور کچھ دیر بعد اس نے بخشو سے پوچھا۔
"کیا سامان زیادہ تھا؟"
"دو بستر دو سوٹ کیس اور پیتل کا ایک لوٹا تھا"

عبدالستار نے اس کا ہاتھ دبا کر اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اور دونوں اپنے مکان کے سامنے تانگے سے اترے۔ عبدالستار نے اس کو ایک روپیہ دیا اور وہ سلام کر کے چلا گیا۔

دونوں اپنے مکان میں داخل ہوئے۔ کلثوم اور اس کا شوہر عبدالستار کی اہلیہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اور وہ رو رہی تھیں۔ عبدالستار کو دیکھتے ہی کلثوم نے پوچھا۔ کچھ پتہ چلا۔

"نہیں ——— !"

دونوں ایک پلنگ پر سر جھکا کر بیٹھ گئے۔ کلثوم کے شوہر نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"تو پھر اب کیا ارادہ ہے۔ میرے خیال میں تو پولیس میں رپورٹ لکھا دیجئے۔"

"بہت بدنامی ہو گی ———" عبدالستار نے کہا۔

"معلوم تو سب ہی کو ہو جائے گا۔" کلثوم کے شوہر اسحاق نے کہا۔

"وہ نبیل کے ساتھ گئی ہے۔" عبدالوہاب نے کہا۔

"یہ کیسے معلوم ہوا ؟" کلثوم نے پوچھا۔

عبدالوہاب نے بخشو سے جو کچھ سنا تھا سب بتا دیا۔ اسحاق نے کہا۔ "میں نے جیسے ہی سنا کہ عائشہ کہیں چلی گئی ہے۔ فوراً سمجھ گیا یہ حرکت نبیل ہی کی ہو سکتی ہے۔ وہ ہر وقت اسی طرف منڈلاتا رہتا تھا اور میں نے سنا ہے کہ انوری کے یہاں بیٹھ کر عائشہ سے باتیں کرتا تھا۔"

"عبدالستار نے فوراً کہا۔ جب تم نے یہ سنا تھا تو مجھ سے کیوں نہیں بتایا؟"

"بتا کر کیا آپ سے برائی لیتا۔" اسحاق نے کہا۔ "ایک بار خدیجہ کے لئے آپ سے کہا تھا تو آپ فوجداری پر آمادہ ہو گئے تھے اور گھر میں چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ میں بدنگاہ ہوں۔ میری نیت خدیجہ کی طرف سے خراب ہے۔ اس لئے میں نے اس پر بہتان لگایا ہے۔"

عبدالستار نے سر جھکا لیا۔ اسحاق نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔"

"حالانکہ دو تین روز بعد ہی آپ کو بھی معلوم ہو گیا۔ بس اس خیال سے میں نے اس مرتبہ کچھ نہیں کہا۔"

"ہائے میں تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہی۔"

عبدالستار نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ "دو ایک روز میں افتخار وغیرہ آنے والے ہیں وہ لوگ سنیں گے تو کیا کہیں گے۔"

"یہ سب آپ کی غلطیوں کا نتیجہ ہے۔" کلثوم نے کہا۔ ابھی دو تین ماہ قبل ہی میں نے یہی کہا تھا۔ کہ زمانہ خراب ہے۔ عائشہ کی شادی کر دیجئے۔"

عبدالستار خاموش بیٹھے ہوئے سنتے رہے۔ اسحاق نے کہا۔

"میرے خیال میں تو رپورٹ لکھا دیجئے۔ پولیس زمین کھود کر لڑکی کو برآمد کرے گی۔ اور نبیل کم از کم چھ ساڑھے چھ سال کے لئے جائیگا۔"

"چلو ——" عبدالستار نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

کلثوم نے اپنے شوہر سے کہا۔

"پہلے مختار بھائی سے مشورہ کر لیجئے۔ وہ رات دن کچہری عدالت کرتے رہتے ہیں۔ اور وکیلوں سے بھی اچھا مشورہ دیتے ہیں۔"

عبدالستار اور اسحاق، مختار احمد کے مکان پر پہنچے۔ وہ ان کے قریبی رشتہ داروں میں سے تھے۔ عبدالستار نے دو چار آوازیں دیں۔ اور مختار صاحب گھبرا کر باہر آ گئے۔

"خیریت ہے ستار بھائی؟" انہوں نے پوچھا۔

"خیریت ہی تو نہیں ہے۔" عبدالستار نے کہا۔ "عائشہ کہیں بھاگ گئی۔"

"ارے!" انہوں نے متعجبانہ لہجے میں کہا۔

"ابھی کوئی ڈیڑھ دو گھنٹہ قبل گئی ہے۔" اسحاق نے کہا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ نبیل کے ساتھ بھٹنڈہ جانے والی ٹرین پر بیٹھی ہے۔

"تو پھر وہ اس کو بریلی لے جائے گا۔" مختار نے کہا۔ بریلی میں اس کی بڑی بہن ہے۔

"اب کیا کیا جائے؟" عبدالستار نے پوچھا۔

"اگر واقعی آپ اس کو راستے ہی میں پکڑنا چاہتے ہیں تو ایک کار لیجئے اور فوراً ہارپور پہنچ جائیے۔ یہاں سے پولیس کو بھی اپنے ساتھ لے جائیے۔ یا تھانے پر رپورٹ لکھا کر اس کی نقل لے لیجئے۔ اور

سہارن پور اسٹیشن پر جب ان لوگوں کو دیکھئے تو ریلوے پولیس کو مطلع کر دیجئے۔ وہ اسی وقت گرفتار کر لیں گے۔"

"کار کس کی مل سکتی ہے۔"

"شیخ رفیع الدین کی کار مل سکتی ہے یا پھر ہربنس لال سے کہئے۔ ان کے پاس بھی کار ہے اور وہ آپ کے گہرے دوستوں میں ہیں۔ دس پندرہ گیلن پٹرول ڈالیے اور اسی وقت روانہ ہو جائیے۔ چار پانچسو کا خرچ ضرور ہے لیکن کل دوپہر تک وہ لوگ گرفتار ہو جائیں گے۔"

روپے کا ذکر آتے ہی عبدالستار کے چہرے پر مایوسی کی جھلک آگئی اور انہوں نے کہا۔

"ابھی پورے یقین کے ساتھ یہ بھی تو نہیں کہا جا سکتا ہے۔ کہ نبیل ہی کے ساتھ گئی ہے۔"

"ستار بھائی برا نہ مانیے تو کچھ کہوں۔"

"ضرور کہیئے ——" عبدالستار نے کہا۔

"گئی تو وہ نبیل ہی کے ساتھ ہے۔"

اس لئے کہ نبیل کے متعلق اب عورتوں میں بھی چرچے ہونے لگے تھے۔ کہ وہ روزانہ چھپ چھپ کر نبیل سے ملتی ہے۔

عبدالستار کا سر پھر ندامت سے جھک گیا اور انہوں نے کچھ دیر بعد کہا۔

"تو پھر چل کر پولیس میں رپورٹ لکھا دیجئے۔"

"اگر آپ اس وقت کار پر ان کا تعاقب کرنا چاہتے ہوں تو چلیے لکھا دوں ورنہ کل صبح لکھا دی جائے گی۔ اس حالت میں بھی آپ ہی کو دوڑ دھوپ کرنا پڑے گی۔"

"پولیس سے کوئی توقع نہ رکھیے۔"

"تو پھر کیا کیا جائے؟"

"اس وقت جا کر آرام کیجیے۔"

"صبح سات بجے تک آجائیے۔ تو چل کر رپورٹ لکھا دی جائے"۔

عبدالستار، اسحاق کے ساتھ اپنے مکان واپس آگئے۔

کلثوم نے پوچھا

"لکھا دی رپورٹ۔"

"ابھی نہیں۔"

"صبح لکھائی جائے گی۔"

کچھ دیر تک سب اپنے اپنے خیالات میں کھوئے رہے۔

عبدالستار کی اہلیہ اس وقت تک آہستہ آہستہ رو رہی تھیں۔ کلثوم نے اُن کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"باجی! آپ کے رونے سے کچھ نہ ہوگا۔"

میں آپ سے برابر کہتی رہتی تھی۔ کہ اس کو انوری کے ساتھ نہ بیٹھنے دیجیے۔

وہ بہت خراب لڑکی ہے۔ لیکن آپ نے ذرا بھی خیال نہ کیا۔

"یہ سب انہی کی کمزوریوں کا نتیجہ ہے۔"
عبدالستار نے کہا۔
"غضب خدا کا اپنے پرائے سب ہیں نبیل کے متعلق شہرت ہو چکی ہے۔"
"لیکن انہوں نے مجھ سے ذکر تک نہ کیا۔"
"وہ گھر کی بیٹھنے والی ہیں ان کو کیا معلوم۔"
"کلثوم نے کہا۔"
"آپ ہی ان سے تذکرہ کرتے یا پوچھتے۔"
انہوں نے اپنی بیوی سے کہا۔
"مختار بھائی کو بھی معلوم ہے۔ کہ نبیل اور عائشہ چھپ چھپ کر ملتے رہتے تھے۔"
"ضرور معلوم ہوگا۔"
کلثوم نے کہا
"بھنک تو میرے کان میں بھی پڑتی رہتی تھی۔"
"لیکن! میں ——"
"باجی اور دولہا بھائی کے ڈر سے کچھ نہیں کہتی تھی۔"
عبدالستار اُٹھ کر ٹہلنے لگے۔
اسحاق نے کہا
"اب آرام کیجئے۔"

ڈھائی کا عمل ہو گا۔

"صبح دیکھا جائے گا۔"

"ہاں ——"

عبدالستار نے کہا۔

جاؤ تم لوگ بھی بیٹھو

کلثوم اور اسحاق چلے گئے۔

عبدالستار نے وہاب سے کہا۔

"وہاب کیا تم بریلی جا کر پتہ چلا سکتے ہو؟"

"جی ہاں! ابا میاں چلا جاؤں گا۔"

تو تم کل صبح کی ٹرین سے چلے جاؤ۔

مختار صاحب کو نبیل کی بہن کا پتہ معلوم ہے ان سے صبح دریافت کر لیا جائے گا۔

بہت اچھا۔

عبدالوہاب ایک کمرے میں چلا گیا۔

عبدالستار نے اپنی اہلیہ سے کہا۔

"جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اب اللہ کرے یہ دیکھ لو کہ اس ننگ خاندان نے کیا کیا۔"

دونوں نے عائشہ کے کمرے میں جا کر دیکھا۔ وہاں صرف ایک سوٹ کیس تھا اور اس میں دو پرانے جوڑے رکھے ہوئے تھے۔

عبدالستار کو پیتل کے لوٹے کا خیال آیا۔ اور انہوں نے اپنے گھر کا لوٹا تلاش کیا۔

"لوٹا بھی لے گئی"!

عبدالستار نے اپنی اہلیہ سے کہا۔

ان کی اہلیہ نے اپنے کمرے میں جا کر اپنے صندوق کا قفل دیکھا

صندوق اسی طرح مقفل تھا۔

عبدالستار نے کہا۔

"قفل کھول کر دیکھو"

زیورات کی پٹاری کہاں ہے۔

انہوں نے صندوق سے زیورات کی پٹاری نکال کر اسے کھولا اور سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

"صرف اس میں ان کے دو کنگن اور ہار رکھا ہوا تھا۔ اور باقی زیورات غائب تھے"!

"لوٹ لے گئی"!

عبدالستار نے چارپائی پر گرتے ہوئے کہا۔

"ہائے میرے اللہ تو نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔

عبدالستار کی اہلیہ رونے لگیں۔

عبدالوہاب دوڑ کر اپنے والدین کے پاس آگیا۔

عبدالستار نے اس سے کہا۔

دو ڈھائی ہزار کے زیورات بھی لے گئی۔

عبدالوہاب نے اپنی والدہ کو اٹھا کر پلنگ پر بٹھایا اور ان کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں۔ میں اس کو بھی لاؤں گا اور آپ کے زیورات بھی اور نبیل کو تو میں سمجھ ہی لوں گا۔

اس بدمعاش نے اپنے بزرگوں کی بے عزتی کا انتقام لیا ہے۔"

"ابا میاں آپ گھبرایئے نہیں۔"

عبدالوہاب نے کہا۔

"میں بھی ایسا بدلہ لوں گا کہ اس کا پورا خاندان یاد کرے گا۔"

"اب دیکھ لوں گا۔ ایک ایک ملانے کو ——"

وہاب نے اپنی والدہ کو خاموش کرایا اور اپنے والد سے کہا۔

"تمام رات آنکھوں میں کٹی ہے۔ اب کچھ دیر آپ بھی آرام کر لیجئے۔"

"ہاں —— میرے سر میں سخت درد ہو رہا ہے۔"

"دبا دوں ——؟"

"نہیں۔ ٹھیک ہو جائے گا۔"

"چائے تیار کر دوں۔"

"ایک پیالی پی لیجئے۔"

نہیں بیٹا! یہ دردِ سر نہیں ہے۔ موت کا پیغام ہے۔ اس لڑکی

نے تو مجھ کو زندہ درگور کر دیا۔"

"ابّا میاں گھبرایئے نہیں۔"

"عبدالوہاب نے کہا۔"

جو مقدر میں لکھا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ میں کل صبح بریلی چلا جاؤں گا۔

عبدالوہاب اپنے کمرے میں چلا گیا۔

عبدالستار نے اپنی اہلیہ سے کہا۔

"میں نے اپنے بچوں میں سب سے زیادہ اسی سے محبت کی اور اس کی ہر ضد پوری کی۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے۔"

عبدالوہاب کی والدہ پھر رونے لگیں۔

عبدالستار نے ان کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"اب رونے کے بجائے ٹھنڈے دل سے غور کرو کہ ہم کو کیا کرنا چاہئیے۔"

"ہم کو جو کچھ کرنا چاہیئے تھا۔ اس پر تو آپ نے کان ہی نہیں دھرا۔"

ان کی اہلیہ نے کہنا شروع کیا۔

"میں نے آپ سے کئی بار اشارتاً کہا کہ اس کے طور طریقے اچھے نہیں ہیں۔

کسی کے ہاتھ میں ہاتھ تھما دیجئے۔"

"یہ تو ٹھیک ہے۔"

عبدالستار نے کہا۔

"لیکن لڑکی کا معاملہ تھا۔ اور تم خود سمجھتی ہو کہ خاندان والے ہر بات کی ٹوہ لیتے رہتے ہیں۔"

"نبیل کئی روز سے اسی طرف چکر لگا رہا تھا۔"

"اس کی زندگی تباہ کر دوں گا۔"

عبدالستار نے کہا۔

"اچھے گھر بیٹا دیا ہے۔"

"پہلے عائشہ کو لائیے۔"

"وہ کہاں جا سکتی ہے۔ زمین کھود کر تلاش کرلونگا۔"

عبدالستار کی اہلیہ خاموش ہو گئیں لیکن ان کی نیند اُڑ چکی تھی۔ انہوں نے کچھ دیر بعد پھر کہا۔

"میرے خیال میں تو وہاب کو تنہا بھیجنے کے بجائے آپ بھی اس کے ساتھ چلے جائیے۔"

"نہیں ——! میرا جانا مناسب نہ ہوگا۔"

کچھ دیر بعد عبدالستار اٹھ کر باہر چلے گئے۔

۳۹

افتخار نے جیسے ہی پانی پت کے پلیٹ فارم پر قدم رکھا۔ ان کے چھوٹے بھائی اظہار نے ان سے کہا۔

بھائی صاحب کل رات کو عبدالستار کی لڑکی عائشہ بھاگ گئی

" خدا ہم سب پر رحم کرے ۔" افتخار احمد نے آہستہ سے کہا۔

افتخار کے قریب ہی شفیق الرحمان تھے اور ان کے پیچھے ان کی اہلیہ عبیدہ بیگم کھڑی ہوئی تھیں۔ شفیق الرحمٰن نے جھک کر اپنی اہلیہ سے کہا۔

" تم نے سُنا بھی اظہار کیا کہہ رہے ہیں ؟"

" نہیں ۔" انہوں نے ان کے سوال کو کوئی اہمیت نہ دیتے ہوئے کہا۔

"عبدالستار کی لڑکی عائشہ کل رات کو بھاگ گئی۔"

"بھاگ گئی ——— ؟" انہوں نے متحیر ہو کر کہا۔ "کس کے ساتھ ؟"

اظہار نے پھر آہستہ سے کہا۔ "نبیل کے ساتھ ملّانوں والا نبیل۔"

"اے ہے۔ یہ تو بہت بُرا ہوا۔"

قلیوں نے سامان اٹھایا۔ اور وہ سب برابر آگئے۔ اظہار فٹن لائے تھے۔ وہ سب فٹن پر بیٹھے۔ قلیوں نے ایک تانگے پر سامان لادا اور افتخار احمد کچھ دیر بعد اپنی موروثی حویلی میں پہنچ گئے۔ شفیق الرحمٰن اور عبیدہ نے بھی وہیں قیام کیا۔ افتخار احمد عائشہ کے بھاگ جانے کی خبر سن کر بہت متاثر ہوئے تھے۔ وہ بہت دیر تک آرام کرسی پر خاموش لیٹے رہے۔ کچھ دیر بعد صغریٰ آگئیں۔ اور ان سے باتیں کرنے لگیں۔ باتوں باتوں میں عبدالستار اور ان کی لڑکی کا تذکرہ آگیا۔

صغریٰ نے کہا۔ "میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا۔ کہ ڈھنگ اچھے نہیں ہیں۔ ٹکے گی نہیں گھر میں۔"

"آپ کا فرض تھا کہ عبدالستار اور ان کی بیوی کو سمجھاتیں۔"

"گالیاں اور کوسنے کون سنتا۔ صغریٰ نے کہا۔ عبدالستار منہ پھٹ آدمی ہیں اور ان کی بیوی ایک زبان میں دس کوسنے دیتی ہیں۔"

"بہرحال یہ بہت بُرا ہوا۔"

"بُرا تو ضرور ہوا۔ لیکن اب کیا کیا جائے۔"

"عبیدہ بیگم بھی آگئیں۔" افتخار نے کہا۔

"میں اسی طرف جارہا ہوں۔"

"اب کھانا کھا کر جانا ــــــ" صغریٰ نے کہا "اظہار کی دلہن نے کھانا تیار کر لیا ہے۔"

"ابھی واپس آجاؤں گا۔"

افتخار احمد اپنی حویلی سے نکل کر مختار احمد کے یہاں پہنچے وہ اسی وقت کہیں سے آئے تھے۔ انہوں نے افتخار احمد کو کمرے میں بٹھایا۔ اور ان کے پاس بیٹھ کر ان سے کہا۔

"صبح سے عبدالستار کے ساتھ دوڑ رہا ہوں۔ عجیب وہمی آدمی ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ رپورٹ لکھا دیجئے اور کبھی کہتے ہیں کہ اس سے بدنامی ہوگی۔ پیسہ خرچ کرتے دل دکھتا ہے۔ صبح نو بجے وہاب کو کہیں بھیجا ہے۔"

"اچھے کو بھیجا ہے۔" افتخار احمد نے کہا۔ "اسی نے تو عائشہ کو غلط راستے پر ڈالا۔"

انہوں نے اس کے متعلق چند باتیں ان کو بھی بتادیں اور کہنے لگے۔

"یہ تو حالت ہے اس کی اور انہوں نے اس کو بھیجا ہے عائشہ کو تلاش کرنے۔"

"افتخار بھائی!" مختار نے کہا۔ خاندان میں کسی کو بھی تو ان سے ہمدردی نہیں ہے۔ ہر شخص یہی کہہ رہا ہے کہ اچھا ہوا اس نے اپنا ٹھکانا تو کر لیا۔ سب ہی کو معلوم تھا کہ وہ کھلے بندوں نبیل سے

ملتی ہے۔ کیا عبدالستار یا ان کی اہلیہ کو نہ معلوم ہوگا۔ آپ اور ان کی بیوی کلثوم بھی سب کچھ جانتی تھیں۔ لیکن ان سے کہہ کر گا یہاں کون کھاتا۔"

"یہی ابھی صغریٰ باجی بھی کہہ رہی تھیں۔"

"عبدالوہاب نے یہاں کیا کچھ کم اودھم مچایا ہے۔ ایک روز ایک گھسیارے کی نوجوان لڑکی کو بہلا پھسلا کر مولوی الیاس کی پرانی حویلی میں قبرستان کی طرف لے گیا۔ کسی نے گھسیاروں سے کہہ دیا اور پچیس تیس گھسیارے لاٹھیاں لے کر پہنچ گئے۔ وہ تو کہیئے کہ دونوں کسی طرف سے نکل گئے ورنہ اسی وقت وہ مار گرانے۔ جب عبدالستار سے اس واقعہ کے متعلق کہا گیا تو وہ لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئے۔"

"ان کی اس بیجا پچ نے تو یہ روز بد دکھایا۔" افتخار احمد نے کہا۔

"چاہ کندہ را چاہ در پیش۔ جو دوسروں کے لئے کنواں کھودتا ہے۔ وہ خود ہی کنوئیں میں گرتا ہے۔ عبدالوہاب نے ایک معصوم لڑکی کو بدنام کرنے کی کوشش کی۔ عبدالستار سے جب کہا گیا تو انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا۔ کہ عبدالوہاب کو تنبیہ کریں گے۔ لیکن انہوں نے اس سے کچھ بھی نہ کہا۔"

"کہتا کیسا۔ ان کی اہلیہ نے کل تک یہی کہا ہے۔ کہ افتخار اور ان کی بیوی نے میری لڑکی پر بہتان لگایا ہے۔ وہ ہم لوگوں سے جلتے ہیں۔"

"ضرور کہا ہوگا۔" افتخار احمد نے کہا۔ وہ دونوں اس طبیعت کے ہیں خیر آگ جانے لوہار جانے دھونکنے والے کی جانے بلا۔ جو جیسا کرے گا

دینا بھرے گا۔ میں تو یہ کہنے آیا ہوں کہ ۲۷ راکتوبر کو لڑکے کی شادی ہے
دس بجے صبح کی بارات آئے گی۔ گیارہ بجے عقد نکاح ہو گا۔ اور تین
بجے بارات رخصت ہو جائے گی۔ اور دوسرے روز ہم سب دعوت
ولیمہ میں جائیں گے۔"

"میں ضرور حاضر ہوں گا۔"

"آپ مع اہل وعیال کے آئیں گے۔" افتخار احمد نے کہا۔ اور
دو روز قبل آئیں گے۔ کارڈ ڈاک کے ذریعہ آئے گا۔ میں زبانی کہے
جا رہا ہوں۔"

بہتر ہے۔ مختار احمد نے کہا۔ خدا مبارک کرے۔

افتخار ان سے رخصت ہو کر چند دیگر عزیزوں کے یہاں گئے
ساڑھے بارہ بجے اپنی حویلی واپس آئے۔ کھانا کھایا اور پھر رشتہ داروں
کے یہاں پہنچے۔ دو بجے انہوں نے عبدالستار کے مکان پر پہنچ کر آواز
دی۔ وہ اسی وقت مسجد کی طرف گئے تھے۔ عبدالستار کی اہلیہ نے ان
کو اندر بلا لیا اور ان کو دیکھ کر رونے لگیں۔ افتخار احمد نے صبر کی تلقین
کی۔ اور پلنگ پر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد عبدالستار بھی آگئے۔ افتخار احمد
کو دیکھتے ہی دوڑ کر ان سے لپٹ گئے اور رونے لگے۔ افتخار احمد نے
ان کو بھی سمجھایا اور ان سے کہا۔ میں نے آپ سے دہلی ہی میں کہا تھا۔
اور آپ نے وعدہ بھی کیا تھا۔ لیکن یہاں پہنچتے ہی آپ سب کچھ
بھول بیٹھے۔"

"افتخار بھائی جب گیدڑ کی موت آتی ہے تو وہ شہر کی طرف بھاگتا ہے اور جب انسان کے برُے دن آتے ہیں تو اس کی مت ماری جاتی ہے۔"

خدا نے ہمارے لئے ایک راستہ معیّن کر دیا ہے۔ افتخار صاحب نے کہا۔ اگر ہم اس راستے سے ہٹ کر چلیں گے تو ضرور بھٹک جائیں گے

"بتائیے! اب میں کیا کروں ——؟"

"اب ہو ہی کیا سکتا ہے۔" افتخار احمد نے کہا۔ آپ یقین کیجئے کہ جس وقت مجھ کو یہ خبر ملی میں سکتے کے عالم میں کھڑا رہ گیا۔ آپ لوگوں کے بعد اگر کسی کو اس واقعہ سے دکھ پہنچا ہے تو وہ میں ہوں۔"

"مجھے آپ کی بات کا یقین ہے۔"

"میں نے آپ سے کہا تھا کہ مکان پہنچتے ہی وہاب کو قابو میں لائیے اور جلد سے جلد عائشہ کی شادی کر دیجئے۔ لیکن آپ نے میرے کسی مشورہ پر عمل نہیں کیا۔"

"وہاب نے کہا کہ وہ بمبئی میں رہ کر سنبھل جائے گا میں نے بھی یہی مناسب سمجھا اور وہی آپ کو لکھ دیا۔"

بمبئی پہنچ کر نوجوان بگڑتے ہیں یا سنبھلتے ہیں! افتخار صاحب نے دریافت کیا۔ عبدالستار سٹ پٹا کر رہ گئے۔ افتخار احمد نے کہا۔

"آپ کو عائشہ پر بھی نظر رکھنا چاہیئے تھی لیکن نظر رکھنا تو درکنار آپ نے تو اس کو اجازت دے رکھی تھی کہ جہاں دل میں آئے جائے

"یہ سب ان کی لاپروائی کا نتیجہ ہے"۔ عبدالستار نے اپنی بیوی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"خیر بھابی سے تو کچھ کہنا بیکار ہے۔ کیونکہ وہ کل تک ہم لوگوں کے متعلق یہی کہتی رہی ہیں کہ ہم ان سے اور ان کے بچوں سے جلتے ہیں"۔

عبدالستار کی اہلیہ نے سر جھکا لیا۔ افتخار احمد نے کہا۔

"اپنے اور پرائے سب کو اس کا علم تھا کہ عائشہ انوری کے یہاں نبیل سے چوری چھپے ملتی ہے لیکن تعجب ہے کہ آپ لوگوں کو نہ معلوم ہو سکا"۔

"افتخار بھائی غلطی ہماری ہی ہے"۔

"میں نے سنا ہے کہ آپ نے ابھی تک پولیس میں رپورٹ نہیں لکھائی ہے"۔

"جی نہیں ابھی نہیں لکھائی ہے"۔ عبدالستار نے جواب دیا۔

"رپورٹ لکھانا بیکار ہے"۔ افتخار احمد نے کہا۔ میں نے جو کچھ نیر کے والد سے کہا تھا وہی آپ سے بھی کہہ رہا ہوں۔ اول تو پولیس ایسے معاملات میں کوئی دلچسپی نہیں لیتی ہے۔ اور اگر کسی طرح اغوا کنندہ مغویہ لڑکی کے ساتھ کہیں گرفتار بھی ہو جائے تو پولیس معقول ثبوت نہیں فراہم کرتی ہے"۔

"جی ——" عبدالستار نے آہستہ سے کہا۔

"—— اور فراہم بھی کہاں سے کرے۔ اس میں اتنی صلاحیت

ہی نہیں ہوتی ہے ——— اور عدالت میں ایسی جرح ہوتی ہے کہ سننے والے کانوں میں انگلیاں دے لیتے ہیں۔"

"جی ہاں! ان ہی باتوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے میں نے رپورٹ نہیں لکھائی ہے۔"

"میں نے سُنا ہے کہ آپ نے عبدالوہاب کو عائشہ کو تلاش کرنے کے لئے بھیجا ہے۔"

"جی ہاں ——"

"جب وہ خود اس رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ تو عائشہ کو کیا تلاش کرے گا۔"

عبدالستار سر جھکا کر کچھ سوچنے لگے۔ افتخار احمد نے ان سے اپنی لڑکی اور لڑکے کی شادی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا۔

"اب اس موقع پر میں آپ لوگوں سے کیسے کہوں کہ آپ ان تقاریب میں شرکت کیجئے۔"

"افتخار بھائی، عائشہ نے تو ہم لوگوں کو اس قابل نہیں رکھا ہے کہ زندگی میں کسی کے یہاں جا سکیں۔ میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ وہاب واپس آئیں تو میں مکانات فروخت کر کے کسی دوسرے شہر چلا جاؤں۔ اور وہاں کوئی چھوٹی موٹی دوکان کھول کر بیٹھ جاؤں۔ یہاں تو اب میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل رہا نہیں۔"

افتخار احمد ان کو سمجھا کر اپنی حویلی واپس آگئے۔ شام کو اظہار

نے آکر کہا "۔ ابھی عبدالستار نے انوری کے باپ کو مارا ہے "

" کیا بہت مارا ہے ؟" افتخار نے پوچھا ۔

" جی ہاں ـــــــ دو لاٹھیاں ماری ہیں " اظہار نے کہا ۔ ایک شانے پر پڑی اور ایک سر پر ۔ ان کا سر پھٹ گیا اور پولیس عبدالستار کو تھانے لے گئی ہے "

" بہت برا کیا انہوں نے " افتخار نے کہا ۔ اب اور رسوائی اور بدنامی ہو گی ۔

شفیق الرحمٰن بھی وہیں بیٹھے ہوئے سگار پی رہے تھے ۔ انہوں نے کہا ۔

" اس واقعہ نے ان کا دماغ خراب کر دیا ہے ۔ کوئی ضمانت کے لئے بھی گیا ہے "

جی ہاں مختار صاحب گئے ہیں ۔ آدمی رسا ہیں ابھی ان کو لے آئیں گے لیکن اب انوری کے رشتہ دار دو دو اور ایک ایک کر کے آ رہے ہیں وہ لوگ بھی بہت لپکڑ قسم کے ہیں ۔

" کمیری ہیں قوم کے " شفیق الرحمٰن نے کہا " پیسہ ہو گیا تو قریشی بن بیٹھے "

افتخار احمد نے اظہار سے کہا ۔ دو چار افراد کو درمیان میں ڈال کر آپس میں مصالحت کرا دو ۔

" ہاں ۔ اظہار میاں ! کیا فائدہ ۔ پولیس دونوں کو چوس لے گی "

شفیق الرحمٰن نے کہا۔ اور نتیجہ کچھ نہ نکلے گا۔ دو چار ماہ تک مقدمہ بازی ہوگی اور اس کے بعد عدالت کے کہنے پر آپس میں راضی نامہ ہو جائے گا۔"

اظہار اسی وقت چلے گئے اور بعد مغرب واپس آکر کہا۔

"مختار صاحب نے دونوں کو گلے ملا دیا ہے۔ عبدالستار نے دوا علاج کے لئے پچاس روپے دیئے ہیں۔"

شفیق الرحمٰن نے افتخار سے کہا۔

"میاں —! کل ہی یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔ سب سے کہہ دیا ہے یا ابھی کچھ لوگ باقی رہ گئے ہیں؟"

"صرف دو چار ملنے والوں سے کہنا ہے۔ لالہ نیسا رام سرجو اور ہربنس لال وغیرہ کو بھی مدعو کروں گا۔"

رات کو کھانے کے بعد عبیدہ بیگم نے افتخار سے کہا۔

"میں کلثوم کو دیکھنے گئی تھی۔ وہ تو شادی میں آئیں گی۔"

"جی ہاں! مجھ سے بھی وعدہ کیا ہے۔"

عبیدہ نے کہا۔ "انھوں نے تو بڑی بڑی داستانیں سنائی ہیں۔"

"کیسی داستانیں؟" شفیق الرحمٰن نے پوچھا۔

"عائشہ کے کارنامے بیان کئے ہونگے۔" افتخار احمد نے کہا۔

"انوری بھی آج ہی کل میں جانے والی ہے۔"

جائے جہنم میں۔ ہم سے کیا۔ افتخار احمد نے کہا۔ یہ لڑکیاں جب

یہاں آئی تھیں۔ میں نے اسی روز کہہ دیا تھا۔ کہ ان کو منع کر دیا جائے۔"

صغریٰ بھی آ گئیں اور اپنے بھائی سے باتیں کرنے لگیں۔ افتخار احمد گیارہ بجے سو گئے۔ صبح اٹھ کر انہوں نے دوستوں اور ملنے والوں کو دعوت دی اور وہ لوگ اسی روز شام کو دہلی واپس گئے۔

عائشہ کے بھاگنے کی خبر سن کر زبیدہ نے اپنے شوہر سے کہا۔

"عبدالستار کی بیوی ایک روز مجھ سے بھی اپنی لڑکی کے سلسلے میں اُلجھ پڑی تھیں۔ لیکن میں نے ڈانٹ دیا۔"

"تم سے کیا کہہ رہی تھیں؟" افتخار احمد نے پوچھا۔

"یہی کہ کوئی پکڑ کر دکھائے۔ یوں بدنام کرنے سے کیا حاصل؟"

"خیر اب ان کا ہونہار لڑکا اپنی بہن کو تلاش کر کے لائے گا۔"

زبیدہ بیگم نے طنزیہ تبسم کے ساتھ کہا۔

"وہ کیا لائے گا پکڑ کر ——" اگر وہ کہیں اس کو مل گئی اور اس کے پاس زیورات ہوئے تو وہ زیورات لے کر چمپت ہو جائے گا۔

"واقعی اس سے ایسا بھی بعید نہیں ہے۔" افتخار احمد نے کہا۔

"کیا کہہ رہی تھیں؟"

"صبیحہ کو دیکھنے آئی تھیں۔" زبیدہ بیگم نے کہا۔ میرے خیال میں تو یہ دیکھنے آئی تھیں کہ کونسا زیور نہیں ہے۔"

بہن تو ان تحفے تحائف سے بہت گھبرا رہی ہیں۔ افتخار احمد نے کہا۔ وہ کئی بار کہہ چکی ہیں کہ بہت بار ہو جائے گا۔ اور حامد میاں ابھی

زیر تعلیم ہیں۔

"جی ہاں! کہا تو مجھ سے بھی ہے۔ لیکن اب کس کو منع کیا جائے۔"

"خیر اللہ مالک ہے۔" افتخار احمد نے کہا۔ واقعی بہن بڑے دل گردے کی خاتون ہیں۔"

"آپ حامد کو کیا دیجئے گا؟"

"صرف ایک رسٹ واچ۔" افتخار احمد نے کہا۔ تاکہ بہن بھی اس سے زیادہ قیمتی چیز اعجاز کو نہ دیں۔"

دونوں بہت دیر تک آپس میں باتیں کرتے رہے۔

دوسرے روز صبح حامد نے افتخار صاحب کے پاس آ کر کہا۔

"خالو جان!" ایک صاحب پانی پت سے آئے ہیں وہ آپ کو دریافت کر رہے ہیں۔"

افتخار احمد فوراً باہر آئے۔ دروازے سے کچھ فاصلے پر نبیل احمد کے والد وکیل احمد کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے افتخار صاحب کو دیکھتے ہی سلام کیا۔ اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ افتخار احمد نے مصافحہ کر کے ان کو کمرے میں بٹھایا اور ان سے ناشتے کے لئے دریافت کیا۔

"میں ناشتہ کر چکا ہوں۔" وکیل احمد نے کہا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں پانی پت میں آپ سے نہ مل سکا۔"

"خیر کوئی مضائقہ نہیں ـــــ" افتخار احمد نے کہا۔ فرمائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"عبدالستار صاحب کی صاحبزادی واقعی میرے لڑکے نبیل احمد کے ساتھ گئی ہیں۔"

خدا آپ کو ہو مبارک کرے۔ افتخار احمد نے مسکرا کر کہا۔

وکیل نے شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا اور چند سکنڈ بعد کہا۔

"اس ناخلف اولاد نے پورے خاندان کو بدنام کیا ہے۔"

"وکیل احمد صاحب! میرے پاس وقت کم ہے جلد بتایئے۔ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔ اور یہ بھی سن لیجئے کہ مجھے ان معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور نہ میں ایسے لڑکوں لڑکیوں اور ان کے والدین کو ہمدردی کا مستحق سمجھتا ہوں۔"

"افتخار صاحب! آپ میرے خاندان سے بخوبی واقف ہیں۔"

"جی ہاں واقف ہوں۔ اور یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ کے صاحبزادے نبیل احمد پانی پت کے منتخبہ غنڈوں میں سے ایک ہیں۔ شراب، جوا، اور بدکاری کسی کام میں بند نہیں ہیں۔ آپ کو بھی ان باتوں کا علم ہے۔ لیکن اس کے باوجود آپ ان کی سرپرستی کرتے رہے ہیں۔"

"جی نہیں! میں اس کو ایک پائی نہیں دیتا ہوں۔"

"تو آپ کی اہلیہ دیتی ہوں گی کہ لو بیٹا جاؤ عیش کرو۔"

"خیر میں ان کے متعلق تو وثوق کے ساتھ کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔"

"فرمایئے آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔"

"میری لڑکی کا کل تار آیا ہے۔ اس نے عائشہ کا نبیل سے نکاح کرا دیا

ہے۔"

"تو بس پھر ٹھیک ہے۔ جائیے اور عبدالستار صاحب کو بھی یہ خوشخبری سنا دیجئے۔"

"آپ ان سے مصالحت کرا دیں۔"

"اب آپ اس خیال سے یہاں تشریف نہ لائیں ورنہ مجھ کو اور آپ کو دونوں کو شرمندگی ہوگی۔ ویسے آپ کا مکان ہے جب بھی دہلی آئیے یہاں قیام فرمائیے۔"

"میں تو بہت امیدیں لے کر آیا تھا۔"

"آپ کی امیدوں کی بنیادیں غلط تھیں۔ بدکار لڑکے اور لڑکیاں بھاگتے رہیں اور میں ان کے والدین میں مصالحت کراتا رہوں۔ یہ تو مجھ سے نہ ہو سکے گا۔"

میرا مطلب یہ ہے کہ ۔۔

"آپ کا مطلب خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔" افتخار احمد نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ "اب آپ اس موضوع پر گفتگو نہ کیجئے۔"

"اس وقت میری وجہ سے آپ کو بہت زحمت ہوئی۔"

"زحمت تو نہیں لیکن آپ کی گفتگو سے تکلیف ضرور ہوئی۔ افتخار احمد نے کہا۔ خدا معلوم آپ کیا سمجھ کر یہاں آئے ہیں ایسے لوگوں سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتا ہوں۔ آپ کو اپنے لڑکے کی حرکتوں کا علم تھا لیکن آپ نے تعرض نہیں کیا۔ اس لئے میں آپ کو بھی اس میں برابر کا شریک

سمجھتا ہوں۔"

وکیل احمد نے سر جھکا لیا۔ افتخار احمد نے کہا۔

"اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو دوپہر کا کھانا میرے ساتھ کھائیے۔"

"میں آپ کا ادنیٰ خادم ہوں۔" وکیل احمد نے کہا۔ ضرور حاضر ہوں گا۔

وکیل احمد چلے گئے۔ افتخار احمد نے اندر آکر اپنی اہلیہ سے کہا۔

"نبیل احمد کے باپ وکیل احمد آئے تھے۔ نبیل احمد نے عائشہ سے نکاح کر لیا ہے۔"

"چلو یہ بھی اچھا ہوا۔" زبیدہ بیگم نے کہا۔ اب کچھ عرصہ بعد عبدالستار سے بھی مصالحت ہو جائے گی اور عائشہ اپنے والدین کے یہاں آنے جانے لگے گی۔"

"وہ مجھ سے یہی کہہ رہے تھے کہ میں دونوں میں مصالحت کرا دوں لیکن میں نے اُن کو ڈانٹ دیا۔"

"آپ نے بہت اچھا کیا۔ ورنہ ایک روز عبدالستار اور ان کی بیوی یہی کہتے کہ ہم لوگوں نے نبیل کو ابھار کر ان سے طاہرہ کا بدلہ لیا ہے۔ وہ دونوں اسی طبیعت کے ہیں۔"

"واقعی خدا کی لاٹھی میں آواز نہیں ہوتی۔" افتخار احمد نے کہا۔ کیسا دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوا ہے۔"

"میرے خیال میں تو اب عبدالستار وغیرہ سے رسم و راہ ہی اٹھا

دی جائے۔"

"وہ تو خود بخود دائیں ڈھ گئی۔" افتخار احمد نے کہا۔"اب وہ اپنے پڑائے میں بیٹھنے کے قابل نہیں رہ گئے ہیں۔"

"بیو جب اس واقعہ پر غور کرتی ہوں تو میرا دل لرزنا اٹھتا ہے۔"

"مجھے خود بہت صدمہ ہوا تھا۔" افتخار احمد نے کہا۔ لیکن کیا کیا جاتا۔

میں نے کل بھی ان لوگوں کے لئے دعائے خیر کی تھی۔

"وہ تو واقعی فرشتہ صفت ہیں۔"

زبیدہ بیگم نے کہا۔"کل جب ان کو اس واقعہ کی خبر ملی تو کانپ اٹھیں اور خدا سے دعا مانگنے لگیں۔

"اور ایک عبدالستار کی بیوی ہے کہ اب تک یہی کہتی رہتی ہے کہ ہم لوگوں نے اس کے لڑکے اور اس کی لڑکی کو بدنام کیا۔"

"خدا اس کو نیک توفیق دے۔"

زبیدہ بیگم کسی ضرورت سے دالان میں چلی گئیں۔ سنبل سیجہ کے کمرے میں بیٹھی ہوئی کنگھی کر رہی تھی۔ وہ سر پر دوپٹہ ڈال کر ان کے پاس آ گئی اور اس نے ان سے کہا:

میں نے امی جان سے کہہ دیا ہے۔ خالہ جان نے بلایا ہے اگر آپ اجازت دیں تو ہو آؤں۔

"ہاں ہاں ضرور جاؤ۔ وہ کوئی غیر تو ہیں نہیں۔ ہم لوگوں سے زیادہ

اُن کا خیال رکھو۔ میں نے تو بہن سے کل ہی کہہ دیا تھا کہ دلہن کو بلا لینا۔ اب دو چار روز وہیں رہو۔"

"جی ہاں! میں بھی یہی چاہتی تھی۔" سبل نے کہا۔ "کام زیادہ ہے وہ دونوں کہاں تک کریں گی۔ پست ہو جاتی ہونگی دونوں۔"

"تم جاؤ ——— اور ضروری سامان آبادی یا کسی لڑکی کو بھیج کر منگا لینا۔"

"بہتر ہے ———"

وہ سلام کر کے کمرے میں گئی۔ بال سنوار کر برقع سر پر ڈالا اور فاطمہ کے ساتھ احمدی بیگم کے یہاں پہنچی۔ طاہرہ نے بڑھ کر اس کا استقبال کیا اور اس پر دو چار فقرے چست کر کے اپنے ساتھ دالان میں لے گئی اور وہیں بیٹھ کر باتیں کرنے لگی۔

احمدی بیگم نے طاہرہ سے کہا۔ "دلہن یہاں بیٹھنے اور تم سے غپ بازی کرنے نہیں آئی ہیں۔ میں نے ان کو اپنا ہاتھ بٹانے کے لئے بلایا ہے"

سبل نے برقع اتار کر دالان ہی میں کھونٹی پر لٹکا دیا اور احمدی بیگم کے پاس پہنچ گئی۔ وہ دوپٹے میں لچکہ ٹانک رہی تھیں۔ اس نے ان سے کہا۔

"لائیے! معمولی طور پر تو سینا پرونا میں بھی جانتی ہوں۔"

اس نے دوپٹہ لے لیا اور وہیں بیٹھ کر لچکہ ٹانکنے لگی۔ طاہرہ بھی اس کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ "وہ بجز دان سی رہی تھی۔"

۴۰

"لاحول ولاقوۃ ———" افتخار احمد نے لفافہ اپنی بیوی کے سامنے پھینکتے ہوئے کہا۔ "عجیب مذاق بنا رکھا ہے ان لوگوں نے ——— یعنی اب پورے خاندان بلکہ پانی پت کے سرپرست بس ہم ہی لوگ ہو گئے ہیں۔"

زبیدہ بیگم نے خط پڑھ کر کہا۔

"وہ لوگ ہمارے خوشی کے کام میں رخنہ ڈالنا چاہتے ہیں بس اس کے علاوہ ان کا اور کوئی مقصد نہیں ہے۔"

عبیدہ بیگم اپنی بہن سے کچھ فاصلے پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے دریافت کیا۔

"اب کیا شگوفہ چھوڑا گیا ہے؟"

"بریلی سے اعجاز کے ابو کے پاس عبدالوہاب کا خط آیا ہے کہ اگر آپ فوراً آجائیں تو خاندان کی عزت رہ جائے گی۔"

"افتخار وہاں جا کر کیا کریں گے۔" عبیدہ نے کہا۔

"میں ہرگز نہ جاؤں گا۔" افتخار احمد نے کہا۔ "یعنی ایک طرف تو عبدالستار اور ان کی بیوی ہم لوگوں کو بدنام کر رہے ہیں کہ ہم ان کے بچوں سے جلتے ہیں اور ہماری سازش سے ان کی لڑکی نبیل کے ساتھ گئی ہے اور دوسری طرف عبدالوہاب ایسا خط لکھ رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کوئی سازش ہے۔"

اسی وقت احمدی بیگم آگئیں۔ افتخار صاحب اُٹھ کر دوسرے کمرے میں چلے گئے۔

زبیدہ بیگم نے ان کو خط دکھا کر کہا۔

"لوگ خدا کے قہر سے بھی نہیں ڈرتے ہیں۔ عبدالستار کو لڑکے کے کارناموں کا علم ہے۔ خود یہاں آکر دیکھ اور سن گئے ہیں اور گھر سے جوان لڑکی ایک نوجوان کے ساتھ بھاگ گئی ہے لیکن اس کے باوجود ہم لوگوں کو پریشان کر رہے ہیں۔ ہمارے خلاف سازشیں کی جا رہی ہیں۔"

احمدی بیگم نے خط پڑھ کر واپس کرتے ہوئے پوچھا۔

"اب کیا سازش کی ہے۔"

"اعجاز کے ابو کو بریلی بلایا جا رہا ہے۔" زبیدہ بیگم نے کہا۔

"اس میں ضرور کوئی سازش ہے۔"

"یہ آپ نے کیسے سمجھ لیا؟" احمدی بیگم نے سوال کیا۔

"پانی پت میں عبدالستار اور ان کی بیوی نے سب سے یہی کہا ہے کہ ان کی لڑکی ہماری سازش سے بھاگی ہے۔"

"اگر انہوں نے ایسا کہا ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ انہوں نے ان واقعات سے کوئی سبق نہیں لیا ہے۔"

"اور نہ کبھی لیں گے ــــــ" عبیدہ بیگم نے کہا۔ "وہ لوگ اس مٹی ہی کے نہیں بنے ہیں۔"

"خیر آپ لوگوں کو ان باتوں کا خیال نہ کرنا چاہیئے۔" احمدی بیگم نے کہا۔ "وقت پر دوسروں کے کام آنا بھی عبادت کا درجہ رکھتا ہے۔ اسی کے ساتھ انسانی ناتے سے دوسروں کو سمجھانا بھی ہمارا اخلاقی فرض ہے۔"

افتخار صاحب عبدالستار سے بہت جلے بیٹھے تھے۔ انہوں نے کمرے کے اندر سے احمدی بیگم سے کہا۔

"بہن ابھی آپ ان لوگوں سے واقف نہیں ہیں اس لیے ایسی باتیں کہہ رہی ہیں۔ میں صحیح عرض کر رہا ہوں کہ وہ لوگ بہت بُرے ہیں۔ اسی لئے خود ان کے قریب ترین رشتہ دار ان سے گریز کرنے لگے ہیں۔"

عبیدہ بیگم بول اٹھیں۔ "کلثوم عبدالستار کی بیوی کی حقیقی بہن ہیں۔ لیکن وہ اور ان کے میاں بھی عبدالستار اور ان کی بیوی کے

نام پر کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں۔"

"ایک بار کلثوم کے میاں پر بھی تو عیب لگ چکا ہے" زبیدہ بیگم نے کہا۔ "انہوں نے لڑکی کے طور طریقے دیکھ کر اعتراض کیا تھا تو عبدالستار کی بیوی نے سب میں یہ مشہور کر دیا تھا کہ وہ بدنگاہ ہیں۔"

"بہن ــــ!" افتخار احمد نے احمدی بیگم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"آپ سے ان لوگوں کی باتیں کہاں تک بتائی جائیں۔ زیادہ کہنا غیبت میں شامل ہوگا۔"

"میں سمجھ گئی۔" احمدی بیگم نے کہا۔ "لیکن بہرحال اُنکی اصلاح تو کرنا ہی ہوگی۔ گرنے والوں کو سنبھالنا بھی ان کے عزیزوں اور رشتہ داروں ہی کا کام ہے۔"

"بہن! میرا تو دل بہک گیا ہے۔" افتخار احمد نے کہا۔ "اب مجھ کو ان لوگوں کا نام سن کر الجھن ہونے لگتی ہے۔"

"انسان کو کبھی کبھی کڑوا گھونٹ بھی نگلنا ہی پڑتا ہے۔" احمدی بیگم نے مسکرا کر کہا۔ "اگر کسی کی بھلائی کے لیے انسان کو تھوڑا بہت دکھ بھی اٹھانا پڑے تو اسے خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کر لینا چاہیئے بھائی صاحب! ان لوگوں کی افتراپردازی اور بہتان تراشی کو بھول جائیے اور اس پہلو پر غور کیجئے کہ آپ کی معمولی سی دوڑ دھوپ اور کوشش سے ایک خاندان کی عزت بچ جائے گی۔ اور ایک لڑکی کی زندگی سنور

جائے گی۔"

"یہ تو ٹھیک ہے۔" افتخار احمد نے کہا۔ "لیکن یہ بھی تو دیکھئے کہ میرے پاس وقت کتنا ہے۔ شادی کی تاریخ سر پر آ پہنچی ہے۔ اور ابھی مجھ کو بہت کچھ کرنا ہے۔ صبح سے جو اٹھتا ہوں تو کہیں بعد نماز ظہر بیس پچیس منٹ کے لئے کمر کو سیدھا کرنے کا موقع ملتا ہے۔"

"مجھے آپ کی مصروفیات کا علم ہے۔" احمدی بیگم نے کہا۔ "لیکن بہر صورت جب اس لڑکے نے مدد کے لئے پکارا ہے۔ تو آپ کو بھی لبیک کہنا چاہیئے۔"

"اس میں بھی کوئی سازش ہے۔" زبیدہ بیگم نے کہا۔ "ادھر یہ بریلی پہنچے اور اُدھر پانی پت میں کوئی نیا افسانہ تراشا گیا۔"

"اگر کسی سازش کا گمان ہے تو اسی وقت عبدالستار کو خط لکھ دیجئے کہ تمہارے لڑکے نے بریلی سے اس مضمون کا خط بھیجا ہے۔ اور یہ بھی صاف صاف لکھ دیجئے کہ تم لوگ ہم لوگوں کے خلاف بے بنیاد افواہیں مشہور کر رہے ہو اس لئے ہم کسی اقدام کی جراٴت نہیں کر سکتے۔

تجویز معقول تھی۔ افتخار احمد نے کہا۔

"میں آپ کی اس تجویز سے اتفاق کرتا ہوں ———" افتخار احمد نے کہا۔ "میں اس وقت عبدالغفار کو خط لکھتا ہوں۔"

"بھائی صاحب! خدا آپ کو اس کا نیک اجر دے گا۔" احمدی بیگم نے کہا۔ "آپ کے بچے زندگی کا سکھ اٹھائیں گے۔ مثل مشہور ہے کہ نیکی

نیک رہے بدی پیش ہے۔ جو برائی کرتا ہے اس کے آگے برائی آتی ہے۔ اور اس کا خمیازہ اس کے بچوں تک کو بھگتنا پڑتا ہے۔"

افتخار احمد خط لکھنے کے لئے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ عبیدہ بیگم نے احمدی بیگم سے کہا۔

"بہن! یہ تو ایک حقیقت ہے کہ جو دوسروں کے ساتھ برائی کرتا ہے۔ اس کو اور اس کے بچوں کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے عبدالستار کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے۔"

اس لئے تو میں بھائی صاحب کو مجبور کر رہی تھی۔" احمدی بیگم نے کہا۔ خدا ان کو اور ان کی اولاد کو اس کا اجر دے گا۔"

زبیدہ نے عبیدہ اور احمدی بیگم کو مخاطب کرتے ہوئے رازدارانہ لہجے میں کہا۔

"بیس بائیس سال پہلے بخشو تانگے والے کی لڑکی کو عبدالستار کی بیوی ہی نے تو اپنے بھائی کے ساتھ بھگوایا تھا ——— اور جب ان لوگوں سے کہا سنا تھا تو عبدالستار اس سے فوجداری پر آمادہ ہو گئے تھے۔"

"بات میں بات نکلتی ہے۔" عبیدہ بیگم نے کہا۔ خدا مجھ کو معاف کرے۔ عبدالستار کیا کم تھے۔ جب تک شادی نہیں ہوئی تھی آئے دن ان کے قصے سننے میں آتے رہتے تھے۔ کوری جولاہوں تک نے تو اُن کو گھیر کر مارا ہے۔"

"خدا ان کو معاف کرے۔" احمدی بیگم نے کہا۔ اسی لئے تو کہا جاتا ہے کہ کم تو کر نہیں تو خدا کے غضب سے ڈر۔"

عابدہ نے کہا "میں تو اسی لئے ہمیشہ ان لوگوں سے دور رہی ہوں۔"

زبیدہ بیگم آہستہ آہستہ احمدی بیگم سے باتیں کرنے لگیں۔ چند منٹ بعد افتخار احمد خط لکھ کر دوسرے کمرے میں آ گئے۔ اور انہوں نے احمدی بیگم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"بہن! میں نے عبدالستار کو خط لکھ دیا ہے آپ بھی سن لیجئے۔"

افتخار احمد خط پڑھنے لگے۔

برادرم عبدالستار! سلام مسنون

ابھی تمہارے صاحبزادے عبدالوہاب کا خط بریلی سے آیا ہے انہوں نے لکھا ہے کہ اگر میں بریلی پہنچ جاؤں تو سب معاملات بخیر و خوبی طے ہو جائیں گے اور غالباً آپ کی صاحبزادی مکان واپس آ جائیں گی۔ لیکن میں خود اتنی جرأت نہیں پاتا ہوں کہ بریلی جا کر اس معاملہ میں ہاتھ ڈالوں کیونکہ آپ کی اہلیہ نے اپنے چند عزیزوں اور رشتہ داروں میں یہ کہا ہے کہ آپ کی لڑکی ہم لوگوں کی سازش سے گئی ہے۔

خدا آپ دونوں پر رحم کرے اور آپ لوگوں کو نیک توفیق دے۔ ان حالات کے پیش نظر اگر میں بریلی جاؤں تو پانی پت میں ایک نیا افسانہ مشہور کیا جائے گا۔ اور لوگوں کو یقین دلایا جائے گا کہ اس راستہ کا

ذمہ دار میں ہوں اور اسی لیے میں بریلی گیا۔ محض اسی خیال سے میں بریلی نہیں گیا ہوں۔ علاوہ ازیں آپ جانتے ہیں کہ شادی کی تاریخ بھی قریب آتی جارہی ہے۔ صرف چند روز باقی ہیں۔

ظاہر ہے کہ میرے لیئے فوراً ہی کام چھوڑ کر دہلی سے باہر جانا ناممکن ہے۔ عبدالوہاب نے مجھ کو خط لکھا ہے اس لئے آپ کو مطلع کرنا ضروری تھا۔ بریلی پہنچکر جو کام میں کر سکتا ہوں وہی آپ بھی کر سکتے ہیں اس لیے زیادہ مناسب یہی ہو گا کہ آپ خود چلے جائیں۔ آپ کی اہلیہ نے مختار صاحب کی اہلیہ اور دیگر خواتین سے جو کچھ بھی کہا ہے اس کے پیش نظر اب میں آپ کو کوئی مشورہ بھی نہیں دے سکتا ہوں۔

میں نے اسی مضمون کا ایک خط عبدالوہاب کو بھی لکھ دیا ہے۔

والسلام۔ آپ کا بہی خواہ

افتخار احمد

خط کا مضمون سن کر احمدی بیگم نے افتخار احمد سے کہا۔

"آپ نے جو کچھ بھی لکھا ہے بہت مناسب ہے۔"

افتخار احمد نے اسی وقت خط لفافے میں بند کر کے سپرد ڈاک کر دیا۔

سبل صبیحہ اور شاہدہ صحنچی میں بیٹھی ہوئی ان لوگوں کی گفتگو سن رہی تھیں۔ سبل نے صبیحہ سے دریافت کیا۔

"کیا اس لڑکی کے والدین اس کو دوبارہ گھر میں رکھ لیں گے۔"

"عام طور پر ایسا ہوتا تو نہیں ہے۔" صبیحہ نے کہا۔ اول تو شرفا میں ایسے واقعات ہی نہیں ہوتے ہیں اور اگر بالفرض محال کسی شریف گھرانے کی کوئی لڑکی اس طرح کسی کے ساتھ چلی جاتی ہے۔ تو اس کے والدین اور رشتہ دار اس کو مردہ تصور کر لیتے ہیں اور اس کی صورت دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے ہیں۔"

سبل نے مسکرا کر کہا۔" لڑکی کو ایسا موقع ہی کیوں دیا جاتا ہے؟

" والدین کی لاپروائی ——— !" صبیحہ نے کہا۔ اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

شاہدہ نے کہا:" میرے خیال میں تو پردے کی قید کا بھی لڑکی کے اخلاق پر اثر پڑتا ہے۔

" پردہ میں تو میں بھی رہتی ہوں ———" صبیحہ نے کہا۔ اور طاہرہ بھی پردہ کی پابند ہیں۔ ہم لوگوں کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔

" آپ لوگوں کی بات اور ہے۔" شاہدہ کے بجائے زاہدہ نے جواب دیا۔

" کیوں ہم لوگوں کی بات کیوں اور ہے؟" صبیحہ نے دریافت کیا۔

" ایسی تعلیم اور تربیت ہر لڑکی کو نہیں مل سکتی۔" زاہدہ نے فوراً جواب دیا۔

" بیشک!" سبل نے فوراً اس کی تائید کی۔ میں تمہارے خیال سے اتفاق کرتی ہوں۔"

دراصل ہم کو یہ ماننا پڑے گا۔ کہ موجودہ معاشرت میں کچھ نقائص ضرور ہیں اور جب تک وہ دُور نہ ہوں گے ایسے واقعات ہوتے رہیں گے۔

خالہ جان کا بھی یہی خیال ہے۔ صبیحہ نے کہا۔ اوراسی لئے وہ لڑکیوں کے لئے دینی تعلیم ضروری سمجھتی ہیں اور مدرسے میں اسی پر زیادہ توجہ دیتی ہیں۔

" خالہ جان سے میں نے اس موضوع پر کئی روز تک گفتگو کی ہے" سبل نے کہا۔ اور ان کے اس خیال کی تائید کرتی ہوں کہ جب تک انسان کے دل میں کسی طرف سے ڈر اور خوف نہ ہوگا۔ وہ کسی متعین راستے پر نہ چلے گا۔ دیگر ممالک میں حکومت سماج کی نگرانی کرتی ہے اور وقتاً فوقتاً ایسے قوانین اور احکامات نافذ کرتی رہتی ہے۔ جن کے ڈر اور خوف سے لوگ سماجی رعایتوں سے غلط فائدہ نہیں اٹھا سکتے ہیں۔ لیکن ہندوستان میں حکومت کی طرف سے عوام پر ایسی کوئی پابندی نہیں عائد کی گئی ہے۔ تعزیرات ہند کی چند دفعات میں ایسی گنجائش رکھی گئی ہے۔ لیکن اس سے عوام کمتر ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

" کیوں ـــــ ؟" شاہدہ نے سوال کیا۔

اس لئے کہ ان دفعات سے عوام صرف پولیس کا تعاون حاصل کرنے کے بعد فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ سبل نے شاہدہ کو سمجھاتے ہوئے

کہا ۔" اور ہندوستانی پولیس جس حد تک مستعد اور فرض شناس ہوتی ہے ۔ اس سے سب ہی واقف ہیں۔"

سبل ایک لمحہ کے لیئے خاموش ہوئی اور اس نے پھر کہنا شروع کیا۔

" حاکم کے کتے کی تلاش میں پولیس زمین اور آسمان کے قلابے ملا سکتی ہے۔ شہر کے گلی کوچوں کی ناکہ بندی کر سکتی ہے لیکن اگر کسی غریب کی لڑکی بجبر یا بخوشی اپنے مکان سے غائب ہو جائے تو اس کی کہیں شنوائی نہیں ہوتی۔

تھانے پر ایسی رپورٹ بھی سفارش کے بغیر درج نہیں کی جاتی ہے۔

" پانی پت میں ایک ایسا ہی واقعہ ہو چکا ہے ۔" شاہد نے کہا۔ دو تین سال پہلے کی بات ہے ایک مدرس کی نوجوان لڑکی مکان سے غائب ہو گئی۔ پولیس نے خیر رپورٹ تو درج کر لی لیکن اس کو تلاش نہیں کیا۔ لڑکی کے باپ ہی نے اس کو روہتک میں اپنے ایک رشتہ دار کے گھر سے ڈھونڈھ نکالا اور پولیس کو اطلاع کر دی لیکن پانی پت کی پولیس اس لڑکی کا وارنٹ لے کر وہاں اس وقت پہنچی جب اس کے اغوا کنندگان نے قانونی کارروائی کے ڈر سے اس کو اس کے مکان پہنچا دیا تھا۔"

" صبیحہ نے کہا ۔ علیم حسین کی لڑکی کے متعلق تو نہیں کہہ رہی ہو ؟"

"ہاں ——" شاہدہ نے جواب دیا۔

وہ بیچارے واقعی بہت ذلیل و خوار ہوئے۔ عدالت میں لڑکی سے ایسے ایسے سوال کیے گئے کہ خدا کی پناہ۔ دوسری لڑکی ہوتی تو کچھ کھا کر سو رہتی۔ لیکن پھر بھی پولیس یہ نہ ثابت کر سکی کہ اس لڑکی کو اس کی مرضی کے خلاف اغوا کیا گیا ہے۔ اور اس کو بھگا کر لے جانے والا کم بخت صاف بچ گیا۔

سبل نے کہا۔ یہی تو میں کہہ رہی ہوں کہ قانون کی وہ دفعات بھی سماج کی اصلاح کے لئے بیکار ہیں اس لئے ان حالات میں انسان کے دل میں صرف خوف اور ڈر پیدا کرائیے۔ اس کے بعد ہی اس کو غلط راستے پر چلنے سے روکا جا سکتا ہے۔ اور میرے خیال میں مشرق میں صرف دینی تعلیم ہی سے یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔"

صبیحہ نے کہا۔" پانی پت میں لڑکیوں کے کئی مدرسے ہیں۔ لیکن دینی تعلیم کہیں بھی مناسب طریقہ پر نہیں دی جاتی ہے۔

طاہرہ آپا کہہ رہی تھیں کہ دہلی میں بھی لڑکیوں کے لئے دینی تعلیم کا معقول انتظام نہیں ہے۔ شاہدہ نے کہا۔ حالانکہ حیدر آباد میں ہر مدرسے میں ایک معلمہ اسی کے لئے ہوتی ہے۔"

"ہاں ——" سبل نے کہا۔ وہاں کسی حد تک دینی تعلیم کا معقول انتظام ہے۔ لیکن صرف شہر میں۔ شہر کے علاوہ اور کہیں بھی معقول انتظام نہیں ہے۔ اس کے برعکس مسیحی مبلغین اور مشنریز نے

قصبات تک میں ایسے اسکول کھول رکھے ہیں۔ شہروں میں تو نرسری اسکول کے ذریعہ وہ خورد سال بچوں تک کو دین مسیح کی تعلیم دیتے ہیں۔

"بھابی جان آپ نے بھی تو نرسری اسکول کا ایک منصوبہ تیار کیا ہے"۔ صبیحہ نے سنبل سے کہا۔

"ہاں! اب آیندہ جولائی سے اس کو عملی جامہ پہنایا جائے گا" سنبل نے کہا۔ "میں جہاں کہیں بھی ہوں گی۔ جون کے آخری ہفتے میں یہاں آجاؤں گی"۔

شاہدہ نے کہا۔ "میرے خیال میں اس طرح بچوں کو بہت آسانی کے ساتھ دین کی باتیں بتائی اور ان کے ذہن نشین کرائی جا سکتی ہیں"۔

"بہت آسانی کے ساتھ"۔ سنبل نے کہا۔ "اور اس عمر میں بچے کے ذہن میں جو محفوظ ہو جاتا ہے۔ وہ تمام عمر اس کو یاد رہتا ہے۔ کیوں شاہدہ تمہارا کیا خیال ہے۔ تم نے بھی تو نرسری اسکول دو سال گزارے ہیں"۔

"واقعی وہ طریقہ تعلیم بہت موثر ہوتا ہے"۔ شاہدہ نے کہا۔ "وہاں بچے کو اٹھنے بیٹھنے گفتگو کرنے کھانا کھانے اور کھیلنے کودنے تک کی تربیت دی جاتی ہے۔ اور وہ ابتدائی جماعت میں پہنچنے تک بہت کچھ سیکھ اور سمجھ لیتا ہے"۔

دہلی میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا نرسری اسکول ہوگا۔ صبیحہ نے

خوش ہو کر کہا۔ اور اس اسکول میں دور افتادہ محلوں تک کے بچے آئینگے۔

"اس میں کیا کلام ہے" زاہدہ نے کہا۔ خالہ جان ویسے ہی بہت مشہور ہو چکی ہیں ہر طرف ان ہی کا نام ہے۔

"واقعی یہ ان کا قابل قدر کارنامہ ہے" سبل نے کہا۔ اگر مدرسے کے پاس فنڈ ہوتا تو اب تک اس کی شاندار عمارت تعمیر ہو چکی ہوتی" صبیحہ نے کہا۔ خالہ جان نے اب تک بابو کے عطیات قبول ہی نہیں کئے ہیں۔

یہ اچھا کیا ورنہ لوگ بلاوجہ انتظامی امور میں مداخلت کرتے سبل نے کہا" بہر حال ایک روز یہ مدرسہ بہت ترقی کرے گا۔

احمدی بیگم اٹھ کر سبل کے پاس آئیں اور لڑکیاں ان کو دیکھتے ہی سلام کر کے کھڑی ہو گئیں۔ سبل بھی کھڑی ہو گئی اور اس نے جھک کر ان کو سلام کیا۔ وہ سب کو دعائیں دیتی ہوئی پلنگ پر بیٹھ گئیں اور انہوں نے سبل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"دلہن! تم اس وقت میرے یہاں نہیں آئیں؟"

"خالہ جان میں آنے ہی والی تھی کہ آپ تشریف لے آئیں"

"ہاں ایک ضرورت سے آئی تھی" احمدی بیگم نے کہا۔ اب جا رہی ہوں۔ طاہرہ گھر میں تنہا ہے۔

"آبادی بھی تو ہوں گی" شاہدہ نے کہا۔

"وہ چاول چن رہی ہیں۔ تم لوگ بھی آج نہیں آئیں؟"

"میں تو بھابی جان کے ساتھ آنے والی تھی۔" زاہدہ نے ہنس کر کہا۔ شاہدہ آپا صبیحہ آپا کی وجہ سے شاید نہ جائیں۔

احمدی بیگم سنبل سے دو چار باتیں کر کے چلی گئیں۔ ان کے جانے کے بعد صبیحہ نے سنبل سے کہا۔

"آپ امی سے کہہ دیجئے تو میں چلوں۔ طاہرہ کو کئی روز سے نہیں دیکھا ہے۔"

"خالہ امی نے تو تم کو منع نہیں کیا ہے۔" سنبل نے کہا۔

"منع تو کسی نے بھی نہیں کیا ہے۔" صبیحہ نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن اس روز خالہ جان سے شاید کچھ ایسی ہی گفتگو ہو رہی تھی اور اس کے بعد ہی سے طاہرہ کبھی نہیں آئیں۔ نہ خالہ جان ہی نے بلایا اس لئے میں نہیں گئی۔"

"میں خالہ سے کہوں گی۔ کہ وہ تم کو آج بلائیں اور شام کو طاہرہ کو بھی اپنے ساتھ لاؤں گی۔"

"لیکن اس طرح نہ کہئے گا کہ وہ سمجھیں کہ میں نے کہلایا ہے۔"

سنبل نے ہنس کر کہا۔ "تم اطمینان رکھو۔"

نصف گھنٹہ بعد سنبل زاہدہ کے ساتھ طاہرہ کے یہاں گئی۔ طاہرہ نے اُٹھ کر دونوں کا استقبال کیا اور ان کو دالان میں بٹھا کر فوراً چائے لے آئی۔

"یہ بے وقت کی چائے کیسی ——" سنبل نے پوچھا۔ "تم تو چار ساڑھے

چار بجے چائے پیتی ہو۔"

"بھابی جان نے اپنے دوستوں کے لئے چائے تیار کرائی تھی۔ امی سے معلوم ہوا کہ آپ بھی آرہی ہیں اس لئے میں نے آپ لوگوں کے لئے بھی چائے تیار کرلی۔"

"میں نے سنا ہے آج بی رضوانہ یہاں آئی تھیں۔" زاہدہ نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں ——!" ان کی والدہ امی کے پاس کسی ضرورت سے آئی تھیں۔ انہوں نے ان کو گھر میں تنہا چھوڑنا مناسب نہ سمجھا ہوگا۔ اس لئے ان کو بھی لیتی آئیں۔"

"تم سے بھی بات چیت ہوتی ہے؟" سبل نے پوچھا۔

ہاں۔ میرے ہی پاس بیٹھی رہیں۔

"خدا اس لڑکی کو نیک توفیق دے۔" سبل نے کہا۔ ماں کی لاپروائی سے اس نے غلط راستہ اختیار کرلیا تھا۔ لیکن باپ کی دینداری کام آئی اور خدا نے اس کو تباہی سے بچا لیا۔

طاہرہ نے کہا۔" سنا ہے کہ عبدالوہاب کی بہن بریلی میں ہے اور عبدالوہاب نے خالہ جان کو بلایا ہے۔"

"ہاں ——!" زاہدہ نے جواب دیا۔ لیکن وہ جائیں گے نہیں۔"

طاہرہ نے متعجبانہ لہجے میں کہا۔ اس لڑکی کے دیدے کی صفائی تو دیکھئے۔ ایسی باتیں سن کر میرے تو ہوش اڑ جاتے ہیں۔ اس کم بخت

نے یہ بھی نہ سوچا کہ وہ اپنی دنیا اور عقبیٰ دونوں خراب کر رہی ہے۔"

"ایسی لڑکیاں موت کو بھول جاتی ہیں۔" سبل نے کہا۔ ان کے ذہن سے یہ خیال بھی نکل جاتا ہے کہ ہمیں خدا کو بھی منہ دکھانا ہے۔"

زاہدہ نے کہا۔ "میں بھی بچپن سے اب تک بے پردہ رہی ہوں۔ اور آزادی کے ساتھ سب ہی سے گفتگو بھی کرتی رہی ہوں لیکن خدا کا خوف ضرور دل میں رہا ہے۔

طاہرہ نے کہا۔" میں تو اس آزادی کو بھی ناپسند کرتی ہوں۔"

"اب تو مجھے بھی اپنے ماضی پر افسوس ہوتا ہے۔ زاہدہ نے کہا۔ آپ کو اور صبیحہ آپا کو دیکھ کر ہم لوگوں کی آنکھیں کھل گئیں۔

"ایمان کی بات تو یہ ہے کہ اس میں نہ تمہاری خطا تھی اور نہ شاہد کی۔" طاہرہ نے کہا۔ خالہ امی نے جس راستے پر تم لوگوں کو چلایا اسی پر چلیں۔ اور جب سمجھایا گیا تو اس طرح روش بدلی کہ ہم سب کو تعجب ہے۔

"طاہرہ آپا آپ نے مسلمان عورت نامی ایک کتاب دینے کا وعدہ کیا تھا۔"

"ہاں ——— امیں نے وہ کتاب نکال لی ہے۔" طاہرہ نے کہا۔ آج بھائی جان کے ایک دوست عبدالحمید آئے تھے وہ بھی بہت روشن خیال ہیں۔ اور ایک غیر مسلم لڑکی سے شادی کرنے والے ہیں۔

"ایسے رشتے عموماً کامیاب نہیں ہوتے ہیں۔" سبل نے کہا۔

"کیوں ؟" زاہدہ نے سوال کیا۔

" دونوں کی تہذیب دونوں کی معاشرت اور دونوں کے خیالات میں فساد ہوتا ہے۔ سبل نے اس کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ ابتدا میں تو دونوں جوانی کے دھارے میں بہتے رہتے ہیں اور گردو پیش پر نظر ڈالنے کا وقت اور موقع ہی نہیں ملتا ہے۔ لیکن جب طوفان میں کمی اور مطلع صاف ہونے لگتا ہے۔ تو دونوں کو بتدریج ایک دوسرے کے خدوخال صیحح طور پر نظر آنے لگتے ہیں اور حقائق پر سے پردے اُٹھنے لگتے ہیں۔"

"حیدر آباد میں ایک ایسا ہی واقعہ ہو چکا ہے۔" زاہدہ نے کہا۔ ایک سید زادے نے ایک اعلیٰ گھرانے اور اعلیٰ ذات کی ایک غیر مسلم لڑکی سے شادی کر لی۔ لڑکی نے واقعی اس نوجوان کے لئے بہت بڑی قربانی کی۔ وہ اپنے والدین کی اکلوتی لڑکی تھی اور کروڑوں کی جائیداد کی وارث تھی۔ لیکن اس نے سب کچھ چھوڑ دیا اور دونوں کی شادی ہو گئی۔"

"کیا وہ لڑکا بھی متمول گھرانے کا تھا ؟" طاہرہ نے پوچھا۔

"ہاں ! لیکن لڑکی کی دولت سے اس کا کوئی مقابلہ نہیں تھا۔" زاہدہ نے کہا۔ شادی سے پہلے دونوں میں معاہدہ ہو گیا تھا کہ دونوں اپنے اپنے مذہب پر قائم رہیں گے۔ اور ایک دوسرے کے دینی معاملات میں مداخلت نہ کریں گے۔"

سبل نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ اگر دینی معاملات میں انسان

اعتدال پسند ہو تو ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن ہندوستان میں تو دینی امور میں انتہا پسندی کی حد ہے۔ اس لیئے یہاں ایسے معاہدے زیادہ عرصے برقرار نہیں رہ سکتے ہیں۔"

"یہی ان دونوں کے ساتھ بھی ہوا۔" زاہدہ نے کہا۔ ابتدا میں تو دونوں نے ایک دوسرے کے جذبات کا احترام کیا۔ لیکن بعد میں کھانے کے سلسلے میں دونوں میں اختلاف پیدا ہوا۔ اور اختلاف میں شاخیں پھوٹنے لگیں۔"

سبل نے ہنس کر کہا۔" اور ایک روز دونوں نے ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کر لی ہو گی۔"

" جی ہاں !" زاہدہ نے کہا۔ وہ لڑکی اپنے شوہر کو چھوڑ کر بمبئی چلی گئی اور کچھ عرصہ بعد وہ فلم میں کام کرنے لگی۔"

" اور اس کا شوہر ——— ؟"

" وہ چند ماہ بعد لندن چلا گیا۔"

دونوں ٹھکانے لگ گئے۔" طاہرہ نے مسکرا کر کہا۔

احمدی بیگم اپنے کمرے میں صندوق سے کپڑے نکال رہی تھیں۔ انہوں نے سبل کو آواز دے کر اپنے پاس بُلا لیا اور زاہدہ طاہرہ سے باتیں کرنے لگی۔

" طاہرہ نے کہا !

" آخو صبیحہ نے یہاں آنا کیوں ترک کر دیا۔"

"شکایت ان کو آپ سے ہے۔" زاہدہ نے ہنس کر کہا۔

"میں تو صبح سے شام تک امّی کا ہاتھ بٹاتی رہتی ہوں۔"

"بھابی جان ابھی ان کو بلوائیں گی۔"

احمدی بیگم نے ان دونوں کو بھی اندر بلا لیا۔

۱۸

سیل رات کو جس وقت اپنی خواب گاہ میں داخل ہوئی عتیق بستر پر لیٹا ہوا ناول پڑھ رہا تھا۔ وہ اپنی رفیقہ حیات کو دیکھتے ہی اٹھ کر بیٹھ گیا اور اس کو اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا۔

"ڈارلنگ! اس ناول کو ضرور پڑھنا۔ عجیب و غریب ناول ہے۔"

"فلپ آ پنہم ——" سبل نے کہا۔ ہاں میں نے اس مصنف کے دو چار ناول پڑھے ہیں۔ انسانی جذبات کی عکاسی خوب کرتا ہے۔

اس ناول میں تو اس نے ایک عجیب و غریب کردار پیش کیا ہے عتیق نے کہا۔" ایک غریب لڑکی کا کردار جو یتیم تھی اور جس کی ماں نے اس کو اچھی تعلیم و تربیت دی تھی۔

کسی متمول گھرانے کا لڑکا اس سے محبت کرنے لگا ہو گا۔ سبل نے

ہنس کر کہا۔

"ہاں!" عتیق بھی مسکرا دیا۔

"موضوع پامال ہے" سبل نے کہا۔ "اور ایک ایسا ہی جیتا اور جاگتا رومان ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔"

عتیق نے سبل کو استفسارانہ نظروں سے دیکھا۔

"طاہرہ اور اعجاز کا رومان"

"کیا واقعی ان دونوں میں رومان چل رہا ہے؟"

"میرا جواب تو اثبات میں ہے" سبل نے کہا۔ "لیکن تم نے الفاظ نامناسب استعمال کئے ہیں۔ رومان چلنا میرے خیال میں کچھ اچھا محاورہ نہیں ہے۔ اور خصوصاً اس گھر کے صحت مند اور ستھرے ماحول میں تو قطعی نامناسب ہے۔"

اب تم بھی کچھ فلسفی ہوتی جا رہی ہو۔ یا پھر خالہ جان کے ساتھ رہ کر الفاظ سے کھیلنے لگی ہو۔ کیوں یہی بات ہے نا؟"

"قطعی نہیں ——" سبل نے دوپٹہ اتار کر سامنے رکھے ہوئے صوفے پر پھینکتے ہوئے کہا۔ "تم نے خالہ جان کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ ان کی باتیں بہت معقول ہوتی ہیں۔ وہ الفاظ سے کھیلنے کے بجائے چند جملوں میں اپنا مافی الضمیر بیان کر دیتی ہیں۔"

"خیر یہی سہی ——" عتیق نے مسہری کے تکیہ پر پشت لگا کر اس کو آہستہ سے کھینچ کر اپنے پہلو میں بٹھاتے ہوئے کہا۔ "ہاں! تو کیا

واقعی دونوں میں محبت ہے ؟"

"قابلِ رشک حد تک ——" سبل نے کہا۔ اعجاز کا نام سنتے ہی طاہرہ کے رخسار کنپٹی تک سُرخ ہو جاتے ہیں اور کان کی لویں لال بھبھوکا نظر آنے لگتی ہیں۔"

وہ خاموش ہو گئی اور سامنے دروازے پر کھنچے ہوئے پردے کی طرف دیکھنے لگی۔ عتیق نے آہستہ سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اس سے پوچھا۔

"کیا سوچ رہی ہو۔"

"مشرق واقعی پُراسرار ہے۔" سبل نے کھوئے انداز میں کہا۔ "اور وہ اسرار بھی کتنا پر کیف اور سرور آگیں ہے۔"

"سبل! تم بھی تو مشرقی ہو۔" عتیق نے کہا۔ "میرا مطلب یہ ہے کہ تم بھی ہندوستان میں پیدا ہوئی ہو۔"

"انسان کی تہذیب اور اس کا تمدن اس کو مشرقی اور مغربی بناتا ہے۔" سبل نے اپنے شوہر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں دیر میں رہ کر مغربی اصول محبت ہی کو انسانی فطرت کے مطابق سمجھتی تھی لیکن حرم میں آنے کے بعد یہ راز کھلا کہ عورت کے لئے زندگی کی مسرتیں صرف اس کی اسی محدود دنیا میں ہیں —— کتنی لطیف اور پاکیزہ ہوتی ہے اس کی محبت اور اس کا حسین تخیل مرد کو کیف و سرور کے کس عالم میں پہنچا دیتا ہے اس کا اندازہ مجھ کو طاہرہ اور اعجاز کو دیکھ کر ہوا

انسان اس ماحول میں رچ جانے کے بعد ہی محبت کی اس لطافت اور پاکیزگی کا اندازہ لگا سکتا ہے —— اور یہی خصوصیات مستقبل میں محبت کرنے والوں کو صحیح معنوں میں ایک جان دو قالب کر دیتی ہیں۔

سبل نے ایک طویل ٹھنڈا سانس لیا اور کھوئی ہوئی نظروں سے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"عتیق تمہاری محبت نے مجھ کو بہت کچھ بخش دیا لیکن —— پھر بھی تشنگی محسوس کرتی رہونگی۔"

"تشنگی —— ؟" عتیق نے گھبرا کر پوچھا۔

"ہاں! اس شرافت اور پاکیزگی کی جو میں نے طاہرہ اور اعجاز میں دیکھی، صبیحہ اور حامد میں پائی جس کا پرتو مجھ کو آج بھی خالہ امی اور خالو ابا کی روزمرہ کی زندگی میں نظر آرہا ہے۔" یہ سب اسی پرتو کے جلوے ہیں۔

اس نے عتیق کے گلے میں باہیں ڈال دیں اور جھک کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔

عتیق تم مجھے یہاں دو سال قبل کیوں نہ لے آئے۔

تم اب بھی وقت ہی پر پہنچی ہو۔ اس نے اپنی بیوی کو محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"عتیق! میں سچ کہہ رہی ہوں۔ زندگی کی حقیقی مسرتیں ان ہی پردہ نشینوں کو حاصل ہیں۔ وہ اس محدود دنیا میں ملک کی حیثیت

رکھتی ہیں۔"

"طاہرہ کے متعلق میں صحیح طور پر نہیں بتا سکتا لیکن صبیحہ کو واقعی حامد سے بے پناہ محبت ہے۔ حامد کی آواز سن کر اس کا چہرہ مسرت سے کھل جاتا ہے اور آنکھیں کسی نامعلوم جذبہ کے ماتحت جگمگا اٹھتی ہیں۔"

"حامد بھی اس کے نام پر چونک اٹھتے ہیں اور چہرہ کا رنگ متغیر ہو جاتا ہے ----- ان کو اس عالم میں دیکھ کر مجھ کو تم یاد آ جاتے ہو اور میرا دل بھی خوشی سے جھومنے لگتا ہے۔"

"سبل ----"

عتیق۔

دونوں کی آوازیں حلق میں پھنسنے لگی تھیں اور دونوں گرد و پیش سے بے خبر ہونے لگے تھے۔ لیکن عبیدہ بیگم کی آواز نے دونوں کو ہوشیار کر دیا اور سبل اٹھ کر اپنا دوپٹہ سر پر ڈالتی ہوئی باہر چلی گئی۔ دالان میں صبیحہ کے پاس طاہرہ کھڑی ہوئی مسکرا رہی تھی۔ سبل نے اس کو دیکھتے ہی مسکرا کر کہا۔

"اچھا بیگم صاحبہ تشریف لے آئیں۔ اور ابھی چند منٹ قبل جب میں نے کہا تھا تو میرے ساتھ کیوں نہیں آئی تھیں۔"

"اُس وقت تنہا تھیں ابھی بڑی ممانی آ گئیں تو میں ادھر چلی آئی۔"

صبیحہ ان دونوں کو اپنے کمرے میں لے گئی اور تینوں پلنگ پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں۔ طاہرہ نے مسکرا کر صبیحہ سے پوچھا۔

" زہرہ مشتری کہاں ہیں ؟"

شاہدہ اور زاہدہ کو کبھی کبھی اسی نام سے پکارتی تھی۔

کمرے میں امّی کے ساتھ بیٹھی ہوئی ہاروت اور ماروت سے باتیں کر رہی ہیں۔

" ہاروت و ماروت ——" سبل نے استفسارانہ لہجے میں کہا۔ یعنی حامد اور اعجاز "

صبیحہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ طاہرہ نے سبل سے پوچھا۔

" بھابی جان آپ سمجھیں بھی کہ صبیحہ کیا کہہ گئیں ؟"

" یہی کہ تم نے شاہدہ اور زاہدہ کو زہرہ اور مشتری کہا اور انہوں نے حامد اور اعجاز کو ہاروت اور ماروت کہہ دیا "

" یہ تو ٹھیک ہے لیکن آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ ہاروت اور ماروت کون تھے اور زہرہ اور مشتری کا کیا قصّہ ہے "

" نہیں ۔ تم لوگوں نے آج تک مجھ کو کوئی ایسی داستان نہیں سنائی "

ہاروت اور ماروت دو فرشتے تھے " صبیحہ نے کہا۔ انہوں نے ایک روز بارگاہ خداوندی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے پاک پروردگار عالم تو نے انسان کو کل مخلوقات پر کیوں افضل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

کہ وہ میری جملہ صفات کا مظہر ہے۔ وہ معصیت میں پھنس کر بھی اس سے آلودہ نہیں ہوتا ہے اور پاکباز ہوتے ہوئے بھی بدترین گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ وہ خاکی ضرور ہے، لیکن نوری بھی ہے اور ناری بھی۔ جلالی بھی ہے اور جمالی بھی۔"

"ذرا عام فہم اردو میں داستان سناؤ۔" طاہرہ نے ہنس کر کہا۔

"تم تو ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد کے مولویوں والی زبان بولنے لگیں۔"

سبل اور صبیحہ طاہرہ کی اس لطیف تنقید پر ایک ساتھ ہنس دیں۔

صبیحہ نے دوبارہ داستان شروع کرتے ہوئے کہا۔

"مطلب یہ ہے کہ ان دونوں فرشتوں نے انسان کے اشرف المخلوقات ہونے پر احتجاج کیا اور خدا سے عرض کیا کہ اے باری تعالیٰ اگر تو ہم کو اجازت دے تو ہم انسان کی حیثیت میں دنیا میں جاکر زندگی گزاریں۔ ہم وہاں دنیا کی آلودگیوں سے پاک رہ کر تیری عبادت کریں گے اور یہ ثابت کر دیں گے کہ فرشتے انسان کی طرح زندگی گزار کر بھی فرشتے ہی رہ سکتے ہیں۔"

"کیا فرشتوں کے عقل نہیں ہوتی ہے؟" سبل نے مسکرا کر دریافت کیا۔

"میرے خیال میں تو نہ ہوتی ہوگی۔" صبیحہ نے بہت معصومیت کے ساتھ جواب دیا۔ "ورنہ وہ فرشتہ کیسے رہتے۔"

سبل اور طاہرہ کھلکھلا کر ہنس پڑیں اور صبیحہ بھی ان کے ساتھ ہنسنے لگی۔

طاہرہ نے کہا "خیر ایک نئی بات معلوم ہو گئی —— ہاں اب آگے بڑھو"

"خدا نے ان دونوں کو اس دنیا میں بشکل انسان بھیج دیا۔ وہ جس شہر میں وارد ہوئے وہاں دو بہت مشہور ناچنے اور گانے والی رہتی تھیں ان میں سے ایک کا نام زہرہ اور دوسری کا مشتری تھا۔ ہاروت اور ماروت ان دونوں پر دل و جان سے عاشق ہو گئے اور خدا کو بھول بیٹھے"

سبل مسکرانے لگی۔ صبیحہ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"خدا نے ان کو یہ سزا دی کہ دونوں کو ایک کنوئیں میں الٹا لٹکا دیا"

"ہمیں ہاروت اور ماروت کو ——" طاہرہ نے مسکرا کر کہا۔ لیکن یہاں معاملہ اس کے برعکس تھا۔ اور یہ داستان بدل گئی تھی۔

"اب میں سمجھی ——" سبل نے ہنستے ہوئے کہا۔ یعنی یہاں زہرہ اور مشتری ہاروت اور ماروت پر ریجھ گئی تھیں"

"بہت بری طرح سے ——" طاہرہ نے کہا۔ لیکن وہ دونوں فرشتے تھے اس لئے انہوں نے ان بیچاریوں کی محبت کی قدر نہ کی۔ اور پھر خدا نے ان پر قہر نازل کرنے کے بجائے ان پر اپنا فضل کیا۔ اور دونوں راہ راست پر آ گئیں۔ خدا نے جس طرح ان کو نیک توفیق دی اسی طرح سب کو دے"

"اچھا تو یہ معاملات تھے" سبل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ مجھ کو آج تک اس کی خبر ہی نہیں ہوئی۔

پتنگیں تو ہما کے رُخ پر اُونچی ہو چکی تھیں۔ لیکن پیچ پڑنے کی نوبت نہیں آئی۔" طاہرہ نے سبل سے کہا۔ "اور وہ بھی صرف آپ کی وجہ سے اگر خالو جان حیدر آباد جا کر معاملات کو نہ سدھارتے تو شاید ہماری اچھی صبیحہ کو پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑتا اور ان کے نازک دل کو ٹھیس لگتی۔"

"خیر میرے دل کو تو بعد میں ٹھیس لگتی لیکن تم تو پانی پت ہی میں تلملا اٹھی تھیں اور ساون بھادوں کی جھڑی لگ گئی تھی۔"

طاہرہ لاجواب ہو کر ہنسنے لگی۔ سبل نے پوچھا۔

"کیا واقعی تم رونے لگی تھیں؟"

"مجھے تو نہیں یاد ہے۔"

"چلو ہٹو بھی ——" صبیحہ نے اس کو آہستہ سے دھکیلتے ہوئے کہا جوتیوں سمیت آنکھوں میں گھسی جا رہی ہیں۔ اللہ میاں کی قسم بات کرتے تو آنسو نکلتے تھے اور یاد نہیں ہے۔ ایک بار امی کے سامنے کسی بات پر آنسو نکل آئے تھے۔"

"انہوں نے تو کچھ نہیں دریافت کیا؟" سبل نے پوچھا۔

"نہیں ——" صبیحہ نے جواب دیا۔ "میں نے فوراً بات بنا دی۔ اور کہہ دیا کہ میرے دوپٹہ کے آنچل کی جھڑپ سا لگ گئی ہے۔"

"دراصل یہ سب آزادی کے کرشمے تھے" سبل نے کہا۔ "ورنہ دونوں ایسی ہی نہیں۔ ہاں تمہارے بھائی جان، واقعی بہت سنبھل گئے ہیں۔ مجھ کو تو ان کے سنبھلنے کی امید نہیں تھی۔"

"خدا نے ہم سب پر فضل کیا ہے" طاہرہ نے کہا۔

"یہ سب خالہ جان کی تلقین اور کوششوں کا نتیجہ ہے" سبل نے کہا "خالہ امی اور خالو ابا بھی نیک دل اور اچھے خیالات کے ہیں اور خالہ جان کی طبیعت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا ہے"

"زہرہ اور مشتری کو بلاؤ"

طاہرہ نے صبیحہ سے کہا۔ اور وہ اٹھ کر چلی گئی۔ سبل نے طاہرہ سے کہا۔

"طاہرہ! مجھے تم پر رشک آتا ہے"

"کیوں ——؟" اس نے اس کو بغور دیکھا۔

"کاش میں بھی ایسی ہی ماں کی کوکھ میں جنم لیتی" سبل نے کہا۔

"خالہ جان! واقعی ایک تمثیلی خاتون ہیں۔ اگر ہندوستان میں دس بیس مائیں ایسی ہی ہوں تو مسلمانوں کی حالت بدل جائے اور وہ صحیح معنوں میں مسلمان ہو جائیں۔ ان ہی کی طرح تم بھی ہو اور مجھ کو یقین ہے کہ تم بھی بہت جلد خالہ جان ہی کی طرح دہلی کی خواتین میں مشہور ہو جاؤ گی"

"بھابی جان! یہ سب آپ کا خلوص اور آپ کی محبت ہے ورنہ میں جانتی ہوں کہ میں کیا ہوں —— آپ کے آجانے سے اب ہم کو یہ امید ضرور ہو گئی ہے کہ میں بہت جلد آپ سے کچھ حاصل کر لوں گی۔ اور کم از کم نرسری اسکول تو ضرور قائم ہو جائے گا"

"حامد بھی واقعی ایک تمثیلی نوجوان ہیں۔ مجھے ان کے اطوار بہت

پسند ہیں۔ انہوں نے آج تک مجھ کو نظر بھر کر نہیں دیکھا ہے۔ وہ بیچارے جب بھی مجھ سے باتیں کرتے ہیں۔ نگاہیں جھکا کر باتیں کرتے ہیں۔"

"وہ بہت زیادہ شرمیلے ہیں ——" طاہرہ نے خوش ہو کر کہا۔

"یہ بھی ان کے کردار کی ایک خصوصیت ہے۔" سبل نے کہا۔ "ورنہ آج کل تو نوجوان کچھ عجیب طبیعت کے ہوتے ہیں۔ ادھر لڑکی کی آواز سنی اور ادھر بے چین ہو کر اس کو گھورنے لگے۔"

"صبیحہ کے بھائی جان کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔" طاہرہ نے مسکرا کر پوچھا۔

"حامد نے ان کو بھی اپنے ہی رنگ میں رنگ لیا ہے۔" سبل نے کہا۔ "تم کبھی اپنے دل میں ان کی طرف سے شکوک کو جگہ نہ دینا۔ شکوک قاطع محبت ہوتے ہیں وہ رشتہ الفت کی وسعت کو کم کرتے ہیں۔"

"شکریہ ——" اس نے حسب عادت ہنس کر کہا۔ "اب تو آپ بھی بہت شستہ اور سلیس زبان میں گفتگو کرنے لگی ہیں۔"

"یہ سب تم لوگوں کی صحبت کا فیض ہے۔"

"اس کا انحصار بھی لگن پر ہوتا ہے۔ اگر انسان کے دل میں لگن نہ ہو تو وہ کچھ بھی نہیں حاصل کر سکتا ہے۔ رضوانہ کی مثال آپ کے سامنے ہے۔ میں نے صبیحہ نے اور امی نے اس کو کس کس طرح سمجھایا ہے۔ لیکن اس کی سمجھ میں خاک نہ آیا اور آیا تو کس وقت جب ہر طرف اچھی طرح سے بدنامی ہو گئی اور نام نکل گیا۔"

"خیر اب بھی سنبھل جائیے تو اچھا ہے۔"

"کس کو سنبھال رہی ہیں آپ لوگ ـــــ" شاہدہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

"جن کو سنبھلنے کی ضرورت ہے ـــــ" سبل نے جواب دیا اور فوراً اس سے پوچھا۔ زاہدہ اور صبیحہ کہاں رہ گئیں؟"

"آرہی ہیں ـــــ"

شاہدہ اپنی بھاوج کے پاس بیٹھ گئی۔ اور دونوں سے باتیں کرنے لگی۔ کچھ دیر بعد زاہدہ اور صبیحہ بھی آگئیں۔ طاہرہ نے شاہدہ سے کہا

"اچھا یہ بتاؤ تم لوگوں کو اپنے نئے نام پسند ہیں؟"

"نہ بھی پسند ہوں گے تو پسند کرنا ہی پڑیں گے۔" شاہدہ نے کہا۔ "اس لئے کہ اب رشتہ ہی ایسا ہے۔"

طاہرہ شرما گئی لیکن اس نے اپنی شرمندگی ظاہر نہیں ہونے دی اور برجستہ کہا۔

"اچھا یہ مسئلہ تو طے ہو گیا اب ہاروت اور ماروت کے متعلق کیا خیال ہے؟"

"ہائے اللہ ـــــ" زاہدہ نے حیرت و استعجاب کے لہجے میں کہا۔ تو گویا آپ نے پوری داستان تیار کر لی ہے۔"

"داستان تو بہت پرانی ہے۔" طاہرہ نے کہا۔

"پہلے سادہ اور یک رنگی تھی۔" سبل نے ٹکڑا لگایا اب ٹکنیکلر

پروسس سے اس کو رنگین بنایا گیا ہے۔"

اچھا تو گویا اب گروہ بندی ہو رہی ہے۔" شاہدہ نے ہنس کر کہا تو صبیحہ آپا ہمارا ساتھ دیں گی۔"

"کیا تم دونوں ناکافی ہو ——" طاہرہ نے پوچھا۔

آپ کے مقابلے میں تو ہمیشہ ناکافی رہیں گے۔

اچھا خیر ان باتوں کو چھوڑو۔" صبیحہ نے کہا۔ اب یہ بتاؤ کہ رخسانہ کو منہ لگایا جائے یا نہیں۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی ——" طاہرہ نے کہا۔

مطلب یہ ہے کہ ابھی حاجی صاحب نے ابو سے کہا ہے کہ رخسانہ آپ لوگوں کے یہاں آنا چاہتی ہے۔ اگر آپ کے گھر کی عورتوں کو کوئی اعتراض نہ ہو تو اس کو بھیج دیا جایا کرے وہ آپ کے گھر کی لڑکیوں میں رہ کر اور ان کے طور طریقے دیکھ کر سنبھل جائے گی اور کچھ حاصل کرے گی۔"

"حاجی صاحب واقعی بہت شریف اور سیدھے ہیں۔" طاہرہ نے کہا۔ اگر انہوں نے خالو جان سے کہا ہے تو ہم کو اس کی آمدورفت پر اعتراض نہ ہونا چاہیئے۔"

صبیحہ نے فوراً کہا۔ سوال آمدورفت کا نہیں۔ بلکہ ربط و ضبط بڑھانے کا ہے۔"

صبیحہ تم کو حاجی صاحب کی بات نہ رد کرنا چاہیئے۔" طاہرہ نے

کہا ——" ذرا غور تو کرو کہ انہوں نے کس لجاجت کے ساتھ کہا ہو گا۔

"واقعی ان کی حالت قابل رحم ہے۔" سنبل نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"یعنی اس سے اسی طرح باتیں کی جائیں۔ جیسے پہلے کی جاتی تھیں"۔ صبیحہ نے کہا۔

"ہاں ——" طاہرہ نے جواب دیا۔

"بس میں یہی دریافت کرنا چاہتی تھی۔" صبیحہ نے کہا۔ مجھ کو ڈر تھا کہ تم کو اس کی آمد و رفت پر اعتراض نہ ہو۔"

"آپ بھلے تو جگ بھلا۔" طاہرہ نے کہا۔ "اچھی یا بری روش اختیار کرنے کا تعلق میرے خیال میں طبعی رجحان سے ہوتا ہے۔ اور ہم میں سے کسی کی طبیعت بھی ایسی نہیں ہے۔ شاہدہ اور زاہدہ یہاں موجود ہیں۔ یہ دونوں کچھ عرصہ قبل تک بالکل آزاد اور ضرورت سے زیادہ روشن خیال تھیں لیکن کسی ایسے راستے پر نہیں پڑیں کہ انگشت نمائی ہوتی —— اور بھابی جان تو ایک غیر مسبوقی مثال ہیں۔"

"اور میرے متعلق کیا کہتی ہو ——" صبیحہ نے پوچھا۔

"تم تو فرشتہ صفت ہو۔"

"جی نہیں ——" صبیحہ فوراً بول اٹھی۔ "خدا نے مجھ کو اتنی عقل دی ہے کہ میں نیک و بد میں تمیز کر سکوں۔"

سب ہنسنے لگیں چند سیکنڈ بعد سنبل نے کہا۔

"اگر تم لوگ کل پکچر دیکھنا چاہتی ہو تو میرے ساتھ چلو۔"

"میں تو چلوں گی ـــــ" طاہرہ نے کہا۔

"میں بھی چلوں گی ـــــ" شاہدہ نے کہا۔

"میں بھی چلوں گی ـــــ" صبیحہ بولی۔

تم سب چلو لیکن کان کھول کر سن لو کہ مجھ کو میرے دونوں نندوئی پکچر دکھانے لے جائیں گے۔ اگر کسی کو اعتراض ہو تو کہہ دے۔

شاہدہ اور زاہدہ شرما گئیں۔ طاہرہ نے فوراً کہا۔

"صبیحہ کی طرف سے کہتی ہوں کہ ہم دونوں کو کوئی اعتراض نہ ہوگا اب اپنی نندوں سے آپ دریافت کر لیجئے۔"

"ان سے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں۔" سبل نے کہا۔ ہمارے ساتھ ان کے بھائی جان بھی ہوں گے۔"

"ہم دونوں تو مٹنی شو دیکھیں گے۔ طاہرہ نے کہا۔" اور خوب ڈٹ کر کیک پیسٹری کھائیں گے۔ اب یہ آپ سمجھیں کہ ان چیزوں کا بل آپ ادا کریں گی یا آپ کے نندوئی۔"

"میں ادا کروں گی ـــــ" سبل نے کہا۔ دراصل میں نے ہی ان دونوں کو دعوت دی ہے۔

"بہتر ہے ـــــ" طاہرہ نے کہا

صبیحہ بول اٹھی۔ ہم کو تو کیک پیسٹری کھانے سے مطلب ہے۔"

سبل نے فوراً لہجہ بدل کر دریافت کیا۔

"ہاں طاہرہ خوب یاد آیا ——" تم نے دلّی کی نہاری پکا کر کھلانے کا وعدہ کیا تھا۔"

"جس روز کہیئے پکالوں۔"

"پرسوں نہاری اور خمیری روٹیاں ہونی چاہیئے۔"

"ہو جائے گا انتظام۔"

تم کو نہاری میرے سامنے پکانا ہو گی۔"

"آپ ہی کے سامنے پکاؤں گی اور آپ کو بتاتی جاؤں گی ——" طاہرہ نے کہا۔ بتانا پکانا مشکل کام نہیں ہے لیکن اس کا مسالہ ضرور ہونا چاہیئے۔"

"وہ تو شاید بازار میں پنساریوں کی دوکان پر مل جاتا ہے۔"

"جی ہاں ——" طاہرہ نے کہا۔ باقی چیزیں وہی ہوتی ہیں۔ مرچ۔ ہلدی۔ دھنیا۔ ادرک۔ پیاز وغیرہ پہلے پیاز کو داغ دے کر گھی سے نکال لیجئے اس کے بعد مسالہ کو اچھی طرح بھون کر اور لہسن پیاز اور لیموں کے عرق کے چھینٹے دے کر اس میں گوشت ڈال دیجئے اور اس کو گلنے کے لئے چھوڑ دیجئے۔ جب گوشت گل جائے تو اس کو بھون کر اور شوربہ دیگر چھوڑ دیجئے اور شوربے میں بُھنا ہوا بیسن اور بھنا ہوا میدہ ملا دیجئے۔ اور مسالے کی پوٹلی باندھ کر اسی میں چھوڑ دیجئے۔ لیجئے نہاری تیار ہے خوشبو کے لئے میٹھا عطر اور عرق کیوڑا کا چھینٹا دے دیجئے۔"

"میں اس کی قائل نہیں۔"

"پرسوں تمہاری پکا کر بتا دوں گی کہ یوں پکائیے" طاہرہ نے کہا۔
لیکن آئرش اسٹو اور اور فرینچ کری آپ کو بھی تیار کرنا ہو گی۔"
"ان چیزوں کا پکانا بہت آسان ہوتا ہے" سبل نے کہا، کیونکہ
ہر چیز بازار میں تیار مل جاتی ہے۔ صرف چولھے پر پتیلی رکھ کر سامان
ڈالنا ہوتا ہے"
"خیر جو کچھ بھی کرنا ہو——"
صبیحہ نے کہا۔ شاہدہ املی کا پتا خوب بناتی ہیں۔
سبل اور طاہرہ ہنس دیں۔ صبیحہ نے ان کو یقین دلاتے ہوئے
کہا۔
"واقعی میں سچ کہہ رہی ہوں۔ جنوبی ہند میں املی سے تیار کی ہوئی
ہر چیز بہت پسند کی جاتی ہے"
"ہاں خیر یہ بات تو ہے——" سبل نے صبیحہ کی تائید کی۔ گھڑی
نے کسی کمرے میں دس کے گھنٹے بجائے اور طاہرہ چونک کر اٹھی۔
"باتوں میں وقت کا پتہ ہی نہ چلا——" اس نے اٹھتے ہوئے
کہا" میں تو چلی"
"کس کے ساتھ جاؤ گی——" سبل نے دریافت کیا۔
"بھائی جان کمرے میں بیٹھے ہوں گے——" طاہرہ نے کہا
میں ان ہی کے ساتھ آئی تھی"
"ہاروت یا ماروت——؟" سبل نے پھر پوچھا۔

"ماروت تو بدرجہ مجبوری بیٹھے ہوئے جمائیاں لے رہے ہونگے"۔

"طاہرہ نے کہا ——" اگر وہاں خالو جان نہ ہوتے تو وہ صوفے ہی پر سو چکے ہوتے"۔

وہ سب طاہرہ کے ساتھ اٹھ کر صحن تک آئیں۔ صحن میں پہنچتے ہی طاہرہ نے صبیحہ سے کہا۔

"تم کل صبح ضرور آنا"۔

"کوئی خاص کام ہے؟" سبل نے مسکرا کر دریافت کیا۔

"یہی سمجھ لیجئے ——" آپ بھی تشریف لائیے گا —— طاہرہ نے کہا۔ اور زہرہ اور مشتری تو وعدہ کر ہی چکی ہیں۔

"طاہرہ! کبھئی کہاں جا رہی ہو۔" کمرے سے زبیدہ بیگم کی آواز آئی۔

"جی ہاں خالہ جان ——" اس نے قدرے دبی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "دس بج چکے ہیں"۔

"اچھا جاؤ ——!" حامد میاں بھی تمہارے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں۔

زبیدہ بھی کمرے سے نکل کر صحن میں آگئیں اور لڑکیوں کے پاس پہنچ کر انہوں نے کہا۔

"تم لوگوں نے اس وقت کافی نہیں پی"۔

"خالہ جان ہم تو اس وقت کافی نہ پیوں گی۔ مجھ کو اجازت دیجئے۔

اگر بڑی ممانی چلی گئی ہوں گی تو امی تنہا ہوں گی"

"میں بھی چل رہی ہوں ــــ" زبیدہ بیگم نے کہا۔ مجھے تمہاری ممانی سے کچھ دریافت کرنا ہے"

وہ اپنے کمرے میں برقع اوڑھنے چلی گئیں۔ سنبل نے کہا۔

"نور بانو کو کل ہی سے بلانا چاہتی ہیں۔ یہی کہنے جا رہی ہیں"

طاہرہ خاموش کھڑی ہوئی کچھ سوچتی رہی۔ زبیدہ بیگم برقع اوڑھ کر آگئیں۔ اور حامد اور طاہرہ کے ساتھ مکان سے باہر نکلیں۔ چاندنی چھٹکی جا رہی تھی اور ہوا کے جھونکے بتدریج تیز ہوتے جا رہے تھے۔

۴۲

افتخار احمد کے خط کے جواب میں عبدالستار اپنی بیوی کے ساتھ دہلی پہنچے اور افتخار احمد کو دیکھتے ہی عبدالستار کی اہلیہ ان کے قدموں پر گر پڑیں اور رونے لگیں۔

"ہیں ہیں!" افتخار احمد نے گھبرا کر پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔ "یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟"

"بہن آپ بھی گنہگار ہو رہی ہیں اور دوسروں کو بھی گنہگار کر رہی ہیں۔" زبیدہ نے ان کو اٹھاتے ہوئے کہا۔ "سجدہ صرف خدا کے لئے ہے۔ کیونکہ وہی سب سے بڑا اور قدرت والا ہے۔"

عبدالستار کی اہلیہ زار و قطار رو رہی تھیں۔ عبدالستار بھی اپنے شانے پر پڑے ہوئے رومال سے اپنے اشک خشک کر رہے تھے۔

زبیدہ بیگم نے دونوں کو کوٹھے پر لے جا کر ایک کمرے میں بٹھایا۔
شفیق الرحمٰن بھی وہیں آ گئے۔ عبدالستار کی اہلیہ اپنی صفائی میں قسمیں کھانے اور خدا اور رسول کے واسطے دینے اور افتخار احمد کی منتیں کرنے لگیں۔ افتخار احمد نے دونوں کو اطمینان دلایا۔ اور شفیق الرحمٰن کے ساتھ کہیں چلے گئے۔ زبیدہ بیگم نے احمدی بیگم کو بلا لیا۔ ان کو دیکھتے ہی عبدالستار کی اہلیہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ انہوں نے ان کو خاموش کرا دیا۔ اور سمجھانے لگیں۔

دس بجے عبدالستار حاجی صاحب سے ملنے گئے۔ افتخار احمد نے اس وقت تک ان کو عبدالستار کی لڑکی کے بھاگنے کا واقعہ نہیں بتایا تھا۔ لیکن عبدالستار نے رو رو کر ان سے تفصیل کے ساتھ کل واقعہ بیان کر کے کہا۔

حاجی صاحب! یہ سب میری غلطیوں اور میرے گناہوں کی سزا ہے۔ میں نے افتخار بھائی کے مشورے پر عمل نہیں کیا۔ واقعی میں نے عبدالوہاب سے سختی کے ساتھ باز پرس نہیں کی اور نہ اس کو لعنت ملامت کی خدا نے مجھ کو اس کی سزا دی۔ مجھے یقین ہے کہ جب تک آپ اور نیر کے والد مجھ کو دل سے معاف نہ کر دیں گے اس وقت تک خدا بھی مجھ کو معاف نہ کرے گا۔ اور میں اس عذاب میں مبتلا رہوں گا۔"

"عبدالستار بھائی میں نے آپ کو معاف کیا۔ حاجی صاحب نے کہا۔ ڈپٹی صاحب گواہ ہیں۔"

حاجی صاحب نے اسی وقت نیر کے والد کو بلایا۔ انھوں نے بھی ان کو معاف کر دیا اور وہ دونوں ان کو سمجھاتے رہے۔ افتخار احمد تمام دن مصروف رہے اور شام کو عبدالستار اور ان کی اہلیہ کو پانی پت کی ٹرین پر بٹھا کر خود دوسری ٹرین سے بریلی کے لئے روانہ ہو گئے۔

بریلی میں ان کے دوست شجاعت اللہ خاں بریلی کے مشہور وکیلوں میں سے تھے۔ اور مقتدر شہریوں میں شمار کئے جاتے تھے افتخار ان کے ساتھ گیارہ بجے عبدالوہاب کے لکھے ہوئے پتہ پر اس کے پاس پہنچے وہ اپنے ایک دوست کے یہاں ٹھہرا ہوا تھا اور اس وقت کمرے میں بیٹھا ہوا خط لکھ رہا تھا۔ افتخار احمد کو دیکھتے ہی وہ باہر آ گیا اور دونوں کو لے جا کر کمرے میں بٹھانے کے بعد کہا۔

" چچا جان —— بلبل احمد اپنی بہن کے یہاں ٹھہرا ہوا ہے میری آمد کی خبر سنتے ہی اس نے مکان سے نکلنا ترک کر دیا ہے۔

" ان کے بہنوئی سے بھی تم نے ملاقات کی ؟"

جی ہاں ! ان ہی کے کہنے پر تو میں نے آپ کو خط لکھا تھا۔

" وہ کیا کہتے ہیں ؟" افتخار احمد نے دریافت کیا۔

" اب آپ ہی گفتگو کر لیجئے ——" عبدالوہاب نے کہا۔ ان کا لہجہ بہت اہانت آمیز تھا۔ کہنے لگے اپنے گھر کے کسی بڑے آدمی کو بلاؤ تو میں اس سے گفتگو کروں۔"

" ان کا نام کیا ہے ؟" شجاعت اللہ خاں نے دریافت کیا۔

"عیلن الدین ــــ"

"وہ عیلن الدین تو نہیں جو کچہری میں محرر ہیں ؟"

"جی ہاں ــــ وہ کچہری میں ملازم ہیں۔" عبدالوہاب نے جواب دیا۔

"اس لئے یہ دم خم ہیں ــــ" شجاعت اللہ خاں نے کہا۔

وہ رہتے کہاں ہیں۔"

"کتب خانے کے پاس۔"

شجاعت اللہ خاں نے عبدالوہاب کو اپنی کار پر بٹھا کر اور عیلن الدین کے مکان پر پہنچ کر عبدالوہاب نے ان کو آواز دی۔ ان کا مکان ایک تنگ گلی میں تھا۔ شجاعت اللہ خاں اور افتخار احمد کار پر بیٹھے اور کار سڑک پر کھڑی ہوئی تھی۔ عیلن الدین نے مکان سے باہر نکلتے ہی عبدالوہاب کو دیکھ کر کہا۔

"کیا ہے جی ــــ تم بار بار یہاں کیوں آتے ہو۔"

"آپ کو میرے چچا بلا رہے ہیں۔"

کیا میں ان کا نوکر ہوں ۔ ان سے کہہ دو کہ اس وقت میں دفتر جا رہا ہوں۔ اگر مجھ سے ملنا چاہتے ہیں تو شام کو آئیں۔"

عیلن الدین جواب کا انتظار کئے بغیر دروازہ بند کر کے اندر چلے گئے عبدالوہاب نے واپس آ کر کہا۔

" وہ تو سیدھے منہ بات ہی نہیں کر رہے ہیں۔ مجھ سے کہنے لگے کہ کیا میں کسی کا نوکر ہوں۔ اس وقت مجھ کو فرصت نہیں ہے۔ اگر مجھ سے

ملنا چاہتے ہیں تو شام کو آئیں۔"

افتخار احمد ہنسنے لگے لیکن شجاعت اللہ خاں کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور انہوں نے افتخار احمد سے دریافت کیا۔

"لڑکی کی عمر کیا ہے ــــ ؟"

"سولہ سال کے قریب ہو گئی۔"

"ہوں!"

انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا اور کار سے اتر افتخار احمد سے کہنے لگے۔

آئیے! اب یہاں تک آئے ہیں تو اس شخص سے دو دو باتیں تو کر ہی لیں۔

دونوں عبدالوہاب کے ساتھ عین الدین کے مکان پر پہنچے اور شجاعت اللہ خاں نے بہت زور سے کنڈی کھٹکھٹائی۔

"کون صاحب ــــ ؟" شجاعت اللہ خاں نے تیز لہجے میں کہا۔

عین الدین فوراً باہر نکل آئے۔ اور شجاعت اللہ خاں کو دیکھتے ہی پہچان کر سلام کیا۔

"علیکم السلام ــــ" انہوں نے عین الدین کو بہت روکھے پن کے ساتھ جواب دیا اور عبدالوہاب سے دریافت کیا۔ کیا تمہاری بہن اسی مکان میں ہے؟"

"جی ہاں —" نبیل احمد اس کو یہیں لائے تھے۔"

"کیا بات ہے؟" عین الدین نے پوچھا۔

"خوب" شجاعت اللہ خاں نے ان کو قہر آلود نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ایک مغویہ لڑکی کو پناہ دی اور اب مجھ سے یہ دریافت کر رہے ہیں کہ بات کیا ہے۔"

"میرے یہاں ایسی کوئی لڑکی نہیں ہے۔" عین الدین نے فوراً جواب دیا۔" اگر آپ کو شک ہے تو پولیس میں رپورٹ درج کرائیے۔"

"تمیز سے گفتگو کرو —" شجاعت اللہ خاں نے ڈانٹ کر کہا۔

محلے کے دو چار افراد اپنے مکانوں سے نکل آئے اور دو چار راہگیر بھی کھڑے ہو گئے۔ شجاعت اللہ خاں کو سب ہی جانتے تھے اور ہر چھوٹا اور بڑا ان کی عزت کرتا تھا۔ ان کی آواز سن کر جو بھی آیا ان کو سلام کر کے ان کے پاس کھڑا ہو گیا۔

"پولیس تو بعد میں آئے گی —" شجاعت اللہ خاں نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔" لیکن اس سے پہلے تم اسپتال پہنچ چکے ہو گے۔ بہتری اسی میں ہے کہ اس لڑکی کو اس کے بھائی کے حوالے کر دو —"

عین الدین بھی ان کی شخصیت سے واقف تھے اس لئے فوراً نرم پڑ گئے اور خوشامدانہ لہجے میں کہنے لگے۔

"خانصاحب! میں اپنی غلطی کی معافی چاہتا ہوں۔"

"میں آپ کو معاف کرتا ہوں۔ لیکن اس لڑکی اور اس شخص کو ہمارے حوالے کیجئے۔"

"میں صحیح عرض کر رہا ہوں کہ وہ لوگ میرے یہاں نہیں ہیں۔"

محلے کا ایک شخص بول اٹھا "پرسوں تو وہ آپ کے یہاں کوٹھے کے کمرے میں بیٹھی ہوئی رو رہی تھی۔"

"آپ نے دیکھا تھا ——؟" علیم الدین نے اس سے پوچھا۔

"میں نے تو نہیں دیکھا۔ لیکن میرے گھر کی عورتوں نے دیکھا ہے" اس شخص نے جواب دیا۔ "محلے کا ہر شخص جانتا ہے کہ آپ کا سالا پانی پت سے ایک لڑکی بھگا کر لایا ہے۔"

"ہاں —— آپ کے یہاں ایک لڑکی آئی ہے" ایک بزرگ صورت آدمی نے کہا —— "میرے گھر کی عورتوں نے بھی اس کو دیکھا ہے۔"

علیم الدین گھبرا کر چاروں طرف دیکھنے لگے۔ کچہری کی ملازمت کے زعم میں انہوں نے اپنی روش سے اہالیانِ محلہ کو اپنا دشمن بنا لیا تھا سب ان کو برا بھلا کہنے۔ اور دھمکیاں دینے لگے۔ بڑی مونچھوں والے ایک قد آور شخص نے بزرگ صورت شخص کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"چچا حشمت اللہ خاں —— میں نے اسی روز مسجد میں آپ سے کہا تھا کہ دال میں کالا ہے۔"

"اس محلے میں کبھی ایسا نہیں ہوا ہے" حشمت اللہ خاں نے کہا۔ "میں آج ہی کلکٹر صاحب سے مل کر کہوں گا کہ ان کو محلے سے نکالا جائے۔"

شجاعت اللہ خاں نے پھر عین الدین کو مخاطب کیا۔

"میں کہہ رہا ہوں کہ فوراً ان دونوں کو یہاں لائیے ورنہ پولیس تو بعد میں آئے گی۔ میں اسی وقت محلے کی عورتوں کو بھیج کر آپ کے مکان کی تلاشی لوں گا۔"

"میں پردہ کرائے دیتا ہوں" عین الدین نے کہا "آپ چل کر خود دیکھ لیں۔"

"کل سہ پہر کو کسی دوسری جگہ پہنچا دیا ہے۔" قریب ترین مکان کے دروازے کے اندر سے ایک نسوانی آواز آئی۔ "محلے میں سب ہی کے یہاں بہو بیٹیاں ہیں۔ یہاں ایسے لوگوں کا رہنا مناسب نہیں۔"

"تم خاموش رہو" مونچھوں والے شخص نے کہا "اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔ یہی تو آج ان سے کہنے ہی والا تھا۔"

عین الدین کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ مجمع بڑھتا جا رہا تھا اور کوٹھوں کی کھڑکیوں اور دروازوں سے عورتیں جھانک رہی تھیں اور بڑی بوڑھیاں اپنی اپنی بولیاں بول رہی تھیں۔ حشمت اللہ خاں نے شجاعت اللہ خاں سے کہا۔

وکیل صاحب! انہوں نے پورے محلے کو پریشان کر رکھا ہے۔ ہم لوگ اب تک بہت طرح دیتے رہے ہیں لیکن اب ان کے ساتھ رعایت

نہ کی جائے گی۔ آپ پولیس طلب کر لیں۔ حملے کی خبر نہیں اور وہ لوگ جنھوں سے ان کے بہانے اور اس لڑکی کو دیکھا ہے۔ گواہی دینے کے لیے تیار ہیں۔۔۔۔۔ میرے خیال میں انھوں نے کل ان دونوں کو نینی تال روڈ پر بنے ہوئے ان کوارٹرز میں پہنچا دیا ہے۔ جہاں ان کے دفتر کا چپراسی بشن رہتا ہے۔ وہ بھی بہت بدتمیز اور بدزبان ہے۔"

"میرے ڈرائیور کو بلاؤ۔" شجاعت اللہ خاں نے عبدالوہاب سے کہا۔

عبدالوہاب فوراً موٹر کی طرف چلا گیا۔

"خاں صاحب! اوقت دو منٹ ۔۔۔۔" عین الدین نے کہا۔
"میں کمرہ کھولے دیتا ہوں آپ اندر تشریف لے آئیں۔ میں آپ سے تنہائی میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

"کھولیئے کمرہ ۔۔۔۔" شجاعت اللہ خاں نے کہا۔

عین الدین نے کمرہ کھول کر شجاعت اللہ خاں اور افتخار احمد کو اندر بٹھایا۔ اس وقفہ میں شجاعت اللہ خاں کا ڈرائیور آگیا۔ انھوں نے اس کو واپس کر دیا اور عبدالوہاب کو وہیں بٹھا لیا۔

عین الدین نے کہا۔ خانصاحب میں اپنی گستاخی کی معافی چاہتا ہوں۔ واقعی اس وقت میں نے جس لہجہ میں گفتگو کی وہ بہت بُرا تھا۔

"آپ ہر وقت اور ہر شخص سے اسی طرح گفتگو کرتے ہوں گے۔"

شجاعت اللہ خاں نے کہا۔۔۔۔۔۔۔" محلے کا ہر شخص آپ کے خلاف ہے۔ کچہری کی ملازمت نے آپ کا دماغ خراب کر دیا ہے۔ یاد رکھیئے کہ صرف ایک شکایت میں آپ کی ملازمت ختم ہو جائے گی اور میرے ایک اشارے پر آپ کا اس شہر میں ٹھہرنا دشوار ہو جائے گا۔"

علیم الدین نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

" خاں صاحب میں ہر شخص کے آگے ہاتھ جوڑ لوں گا۔ آپ مجھے معاف کر دیں۔"

" وہ لڑکی اور وہ ذات شریف کہاں ہیں ؟"

" دوپہر تک میں ان کو بھی حاضر کر دوں گا۔"

" بہتر ہے۔۔۔۔۔" شجاعت اللہ خاں نے کہا۔" میں آپ کو دوپہر تک کا وقت دیتا ہوں۔ اگر اس وقت تک وہ لڑکی نہ لائی گئی تو سمجھ لیجئے کہ آپ کو پولیس کے حوالے کر دوں گا اور محلے والوں کی گواہی آپ کو بڑے گھر کی ہوا کھلا دے گی۔"

" خانصاحب! جس روز سے وہ لڑکی آئی ہے۔ مجھ سے اور میری گھر والی سے برابر لڑائی ہو رہی ہے۔ آج بھی صبح سے اسی پر جھگڑا ہو رہا ہے۔ خدا جانتا ہے کہ آج میں نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا ہے۔"

" آپ نے اس کو پناہ کیوں دی۔" افتخار احمد نے کہا۔

" کیا عرض کروں۔۔۔۔" علیم الدین نے کہا۔" میں تو اس کا روادار نہیں ہو لیکن اپنی بیوی سے مجبور ہو گیا۔ اور ان ہی کی وجہ سے ذلیل و خوار

ہونا پڑا۔"

"دیکھئے جناب۔" شجاعت اللہ خاں نے تہدید آمیز لہجے میں کہا۔ اگر ان دونوں کو دوپہر تک آپ نے میری کوٹھی پر نہ پہنچایا تو یہ سمجھ لیجئے۔ کہ بہت برا ہو گا ------ اور آپ کی بیوی بھی زحمت میں مبتلا ہو جائیں گی ------ میں قطعی رعایت نہ کروں گا۔ محض آپ کے خیال سے اس وقت مہلت دے رہا ہوں۔ لیکن یہ رعایت صرف دوپہر تک ہے اس کے بعد جو کچھ بھی ہو گا اس کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ دوپہر تک ان دونوں کو آپ کی کوٹھی پر لے کر آ جاؤں گا۔"

اندر سے دروازے کی زنجیر کھٹکھٹائی گئی اور عین الدین اٹھ کر اندر چلے گئے۔ شجاعت اللہ خاں نے افتخار احمد سے کہا۔

"آدمی ناقص معلوم ہوتا ہے۔ اگر دوپہر تک اس نے ان دونوں کو میرے یہاں نہ پہنچایا تو میں فوراً پولیس کو مطلع کر دوں گا۔"

اگر اس عرصہ میں اس نے دونوں کو بریلی سے باہر بھیج دیا تو کیا ہو گا افتخار احمد نے دریافت کیا۔

"یہ دونوں دھرے جائیں گے۔ شجاعت اللہ نے کہا۔" اور پولیس دس منٹ میں پتہ معلوم کر لے گی۔"

عین الدین نے اندر سے آ کر کہا۔

"خانصاحب! میں کرسی دروازے کے قریب رکھے دیتا ہوں۔

اگر زحمت نہ ہو تو آپ میری اہلیہ کی گزارش بھی سن لیں ۔"
شجاعت اللہ خاں اٹھ کر دروازے کے پاس پہنچے ۔ عین الدین کی اہلیہ رو رہی تھیں ۔ انہوں نے ہچکیاں لیتے ہوئے کہا ۔
" وکیل صاحب اب ہم لوگوں کی عزت آپ ہی کے ہاتھ ہے ۔"
" اور عبدالستار صاحب کی عزت ۔۔۔۔ ؟" شجاعت اللہ خاں نے کہا ۔ جن کی لڑکی کو آپ کے برادر عزیز پانی پت سے اغوا کر کے لائے ہیں ۔۔۔۔ ؟"
عین الدین کی بیوی کی سسکیوں میں اضافہ ہو گیا ۔
" آپ کی گریہ وزاری سے جرم کی اہمیت میں کوئی کمی نہ ہو گی ۔"
شجاعت اللہ خاں نے کہا ۔۔۔۔ وہ تعزیرات ہند کی دفعہ ۳۶۳ اور ۳۶۶ کے تحت سزایاب ہو کر رہیں گے ۔ کسی کی عزت پر حملہ کرنا اور ایک دوشیزہ کی زندگی برباد اور مستقبل تباہ کر دینا مذاق نہیں ہے ۔۔۔۔"
" خدا کے لیئے اس کو بچا لیجئے ۔۔۔۔" عین الدین کی اہلیہ نے بدقت تمام کہا ۔۔۔۔ " میں سچ کہہ رہی ہوں کہ وہ لڑکا بہت سیدھا ہے ۔"
" اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ ایک جوان لڑکی کو بھگا لایا ۔"
" اس کا اندازہ تو آپ کو ۔۔۔۔ اس وقت ہو گا جب آپ دونوں سے گفتگو کریں گے ۔۔۔۔" عین الدین کی بیوی نے کہا ۔ وہ لڑکی خود اس

کو بھگا کر لائی ہے۔ اور آپ میرے بھائی پر رحم کیجیے۔ اس کو بچا لیجیے وہ تمام عمر آپ کا غلام ہو کر رہے گا۔"

"میں اس سلسلہ میں کچھ نہیں کر سکتا ——" شجاعت اللہ خاں نے کہا۔ "میں لڑکی کا سرپرست نہیں ہوں۔ اگر آپ لوگ اس کے والدین کو رضامند کر لیں تو وہ لڑکا شاید بچ جائے ورنہ اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں ہے۔"

عین الدین کی بیوی اور زیادہ رونے لگیں۔ شجاعت اللہ خاں نے کہا۔

"اگر آپ اپنے بھائی کو واقعی بچانا چاہتی ہیں تو ان دونوں کے ساتھ پانی پت جائیے۔ یہاں کچھ نہ ہو سکے گا۔"

وہ اٹھ کر افتخار احمد کے پاس آ گئے۔ انھوں نے ان سے کہا۔

"انھوں نے جو کچھ کہا ہے آپ نے بھی سنا ہو گا۔"

"جی ہاں۔"

شجاعت اللہ خاں نے کہا۔ "اچھا تو پھر چلیے۔"

"آپ کا انتظار بارہ بجے تک کیا جائے گا۔" افتخار احمد نے کہا۔ اگر آپ ان دونوں کو لے کر کوٹھی پر آ گئے تو میں پانی پت پہنچ کر کوشش کروں گا کہ معاملہ رفع دفع اور آپس میں مصالحت ہو جائے۔"

"آپ اطمینان رکھیے۔ میں ضرور آؤں گا۔"

شجاعت اللہ خاں افتخار احمد اور عبدالوہاب کے ساتھ کمرے

سے نکل کر گلی میں آ گئے۔ گلی کے موڑ پر حشمت اللہ خاں دو تین افراد کے پاس کھڑے ہوئے۔ ان سے باتیں کر رہے تھے۔ ان سب نے شجاعت اللہ خاں کو سلام کیا اور حشمت اللہ خاں نے آگے بڑھ کر کہا۔

"وکیل صاحب! یہ شخص بہت بد دماغ اور بدتمیز ہے اور اس کا چال چلن بھی اچھا نہیں ہے۔ اس کی بیوی واقعی بہت شریف ہے۔"

انہوں نے اپنے پاس کھڑے ہوئے ایک شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

مجھ کو ابھی آپ سے معلوم ہوا ہے کہ وہ نیک بی بی ان دونوں کو اسی وقت نکال رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ میرے گھر میں بھگائی ہوئی لڑکیوں کے لئے جگہ نہیں ہے۔ لیکن اس شخص نے اپنی بیوی کی بھی نہیں سنی اور ان دونوں کو کوٹھے پر ٹھہرایا اور خود بھی رات کو وہیں سویا۔

"بہت چلتا ہوا آدمی ہے۔" شجاعت اللہ خاں نے کہا حشمت اللہ خاں نے شجاعت اللہ خاں کو علیحدہ لے جا کر کہا۔

"مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ لڑکی بھی بہت تیز ہے۔"

"یقیناً تیز ہو گی ــــ" شجاعت اللہ خاں نے کہا۔

وکیل صاحب! اس کی تیزی کا تو یہ عالم ہے کہ جس لڑکے کے ساتھ آئی ہے اس پر جوتی لے کر کھڑی ہو گئی اور اس کے سامنے علیم الدین کے پہلو میں بیٹھ کر اس سے ہنسی مذاق کرتی رہی۔"

"لاحول ولاقوۃ —" شجاعت اللہ خاں نے کہا۔ خیر وہ یہاں سے چلی جائے۔ بس میں یہی چاہتا ہوں۔ میں معین الدین سے آج کہوں گا کہ وہ اس مکان کو چھوڑ دیں۔"

شجاعت اللہ خاں ان سے دیر تک گفتگو کرنے کے بعد کار پر بیٹھ کر اپنی کوٹھی پہنچے اور عبدالوہاب اور افتخار احمد کو کمرے میں بٹھا کر اندر چلے گئے۔

افتخار احمد کچھ دیر تک خاموش بیٹھے ہوئے کچھ سوچتے رہے۔ پھر عبدالوہاب کو مخاطب کر کے بولے۔

"میاں صاحبزادے اپنی کارگزاریوں کا نتیجہ دیکھ لیا۔"

عبدالوہاب نے سر جھکا لیا۔ انہوں نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"اس کی تباہی اور بربادی کے ذمہ دار تم ہو —"

عبدالوہاب اسی طرح بیٹھا رہا۔

"بزرگوں کا نام خوب روشن کیا ہے —" افتخار احمد نے کہا۔ "تم نے دوسروں کی عزت پر ہاتھ ڈالنا چاہا یہ اسی کی سزا ہے اگر اب بھی سنبھلنے کی کوشش کرو تو کچھ نہیں گیا ہے۔"

"چچا جان — میں خود شرمندہ ہوں۔"

"شرمندگی سے کام نہیں چلے گا۔" افتخار احمد نے کہا۔ اب بہتری اسی میں ہے کہ اپنے والدین کو راضی کر کے اپنی بہن کی شادی نبیل احمد سے

کر دو اور تم کسی دوسرے شہر چلے جاؤ ــــــ وہاں لوگوں کو کیا منہ دکھاؤ گے ۔ اپنے پرائے سب ہی حقارت آمیز نظروں سے دیکھیں گے ۔"

افتخار احمد کچھ اور کہتے لیکن شجاعت اللہ خاں آگئے اور وہ خاموش ہو گئے ۔

" اس لڑکی کے متعلق بھی محلے والوں کی رائے اچھی نہیں ہے ۔" شجاعت اللہ نے کہا ۔

ایسی لڑکیوں کے متعلق کسی کی رائے بھی اچھی نہیں ہو سکتی ۔ افتخار احمد نے جواب دیا ۔

" وہ تو ٹھیک ہے ــــ " شجاعت اللہ خاں نے کہا ۔ محلے والوں نے بتایا ہے کہ وہ جس لڑکے کے ساتھ بھاگ کر آئی ہے ایک روز اس پر بھی جوتی لے کر کھڑی ہو گئی تھی ۔ اور اس کے سامنے عین الدین کے پاس بیٹھ کر ان سے ہنسی مذاق کر رہی تھی ۔"

" عین الدین واقعی بہت بد چلن آدمی معلوم ہوتا ہے ۔" افتخار احمد نے کہا ۔" اگر ہم لوگ نہ آتے تو دو چار روز بعد وہ نبیل کو چلتا کر دیتا اور اس لڑکی کو اپنے پاس رکھ لیتا ۔"

عبدالوہاب سر جھکائے خاموش بیٹھا ہوا ان کی باتیں سُن رہا تھا ۔

ساڑھے گیارہ بجے افتخار نے شجاعت اللہ خاں کے ساتھ کھانا کھایا ۔ افتخار احمد نے عبدالوہاب کو زبردستی اپنے ساتھ کھانا

کھلایا اور بیٹھ کر باتیں کرنے لگے ۔ بارہ بجے عین الدین نبیل احمد اور مغویہ لڑکی کے ساتھ آئے ان کے ساتھ عین الدین کی اہلیہ بھی تھیں ۔ عبدالوہاب نبیل احمد کو دیکھتے ہی اس پر جھپٹ پڑا لیکن افتخار احمد نے اس کو پکڑ لیا اور شجاعت اللہ خاں نے اس کو ڈانٹتے ہوئے کہا ۔

یہ شہدپن یہاں نہ کرنا ۔ اگر غیور ہوتے تو اس واقعہ کی اطلاع ملتے ہی زہر کھا کر خودکشی کر لیتے ۔ پہلے سے بہن کی دیکھ بھال کیوں نہ کی ۔ عبدالوہاب کرسی پر بیٹھ گیا ۔ افتخار احمد نے کہا ۔

" شرافت کا تقاضہ تو یہ ہے کہ پہلے خود سنبھلنے کی کوشش کرو اس واقعہ کے ذمہ وار تم ہو ۔ تم نے اپنی بہن کو غلط راستے پر ڈالا ۔"

شجاعت اللہ خاں نے سب کو صوفوں پر بٹھایا اور عین الدین کی اہلیہ نے گڑگڑا کر کہا ۔

وکیل صاحب ! دونوں آپ کے سامنے موجود ہیں ۔ للہ اب میرے خاندان کی عزت بچا لیجئے ۔

محترمہ ! آپ نے پھر وہی کہا ۔ شجاعت اللہ خاں نے ان کو جواب دیا ۔" میں اس وقت عرض کر چکا ہوں کہ میں لڑکی کا سرپرست نہیں ہوں ۔ آپ پانی پت تشریف لے جائیے اور لڑکی کے والدین سے کہیئے ۔

افتخار احمد نے کہا ۔ حالانکہ آپ کے شوہر نے حالات کو بد سے بدتر بنا دیا ہے ۔ لیکن بہرحال میں کوشش کروں گا ۔ اگر مناسب سمجھیں

تو وہاں چل سکتی ہیں۔ رضا ثنا آپ بھی مجھ سے واقف ہوں گی۔"

"جی ہاں ——" عین الدین کی اہلیہ نے کہا۔ "میں اس امید پر آئی ہوں کہ اگر آپ کہیں گے تو آپ کی بات خالی نہ جائے گی۔"

"اگرچہ مجھ کو ان دونوں میں سے کسی سے بھی ہمدردی نہیں ہے۔ لیکن میں عبدالستار صاحب کو سمجھاؤں گا۔"

عین الدین کا چہرہ اترا ہوا تھا اور وہ اپنی بیوی کے پاس خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔

شجاعت اللہ خاں نے عین الدین کی طرف دیکھ کر ان سے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"آپ بھی بڑی خوبیوں کے بزرگ ہیں۔"

"مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے ان لوگوں کو پناہ دی ——" عین الدین نے کہا۔ "غلطی انسان ہی سے ہوتی ہے۔ رشتہ ایسا نازک تھا کہ مجھ کو پناہ دینا ہی پڑی۔"

"اس رشتہ کو آپ نے اور زیادہ نازک بنا دیا ——" شجاعت اللہ خاں نے کہا —— "اور اگر شاید دو چار روز کا موقع مل جاتا تو اس رشتہ کی نوعیت بھی بدل جاتی۔"

عین الدین کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ افتخار احمد نے کہا۔

"عین الدین صاحب! آپ بال بچے دار آدمی ہیں آپ کو شرم نہ

آئی۔ آپ کے آگے بھی لڑکیاں ہوں گی۔ اگر یہ معاملہ اسی وقت پولیس تک پہنچ جائے تو آپ مکان واپس جانے کے بجائے حوالات میں ہوں گے۔"

عین الدین ہکلانے لگے۔

"صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔" شجاعت اللہ خاں نے کہا۔ "مجھ کو آپ ہی کے محلے والوں سے سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔"

عین الدین نے سر جھکا لیا۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا اور لڑکی بھی برقع میں لپٹی سسکیاں لے رہی تھی۔

نبیل احمد! افتخار نے نبیل کو مخاطب کیا۔ تم نے بھی اپنے بزرگوں کا نام خوب روشن کیا۔

نبیل احمد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شجاعت اللہ خاں نے افتخار احمد سے کہا۔

میں برآمدے میں کرسیاں ڈال کر بیٹھتا ہوں۔ آپ پہلے لڑکی پھر لڑکے اور اس کے بعد عین الدین اور ان کی اہلیہ کو بھیجئے تاکہ میں تینوں کے بیانات لوں۔"

"بیان لے کر کیا کیجئے گا؟" عین الدین نے ملتجیانہ لہجے میں کہا۔

کچہری کے داؤ پیچ والی باتیں نہ کیجئے۔ اگر آپ مجھ کو بیان نہ دینگے تو میں ابھی ٹیلیفون کے ذریعہ پولیس کو طلب کرلوں گا اور

آپ سب ٹھنڈے ٹھنڈے چلے جائیں گے۔"

افتخار احمد نے عین الدین سے دریافت کیا۔

"آخر آپ کو کیا اعتراض ہے؟"

"کچھ بھی نہیں ــــ" انہوں نے آہستہ سے کہا۔ آپ لوگوں کو اختیار ہے۔"

شجاعت اللہ خاں نے آواز دے کر ایک ملازم کو بلایا اور اس سے کہا۔

"برآمدے میں ایک چھوٹی میز اور تین چار کرسیاں ڈال دو۔"

ملازم دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

۴۳

منشی عزت اللہ خاں نے عبدالوہاب کی بہن اور عین الدین کی اہلیہ کو علیحدہ علیحدہ دو کمروں میں بٹھا دیا۔ اور عبدالوہاب نبیل احمد اور عین الدین کو برآمدے میں ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر بٹھا کر انہوں نے اس سے اس کا نام اور پتہ دریافت کر کے افتخار احمد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ان کو پہچانتی ہو ——"؟

جی ہاں —— چچا افتخار ہیں۔"

افتخار صاحب کے ابرو پر بل پڑ گئے۔ اور انہوں نے اس سے کہا

"میں ایسی آوارہ اور بدچلن لڑکیوں کا چچا بننا نہیں گوارا کر سکتا۔ اب آئندہ سے مجھ کو چچا نہ کہنا۔"

"تم نبیل کو کب سے جانتی ہو ـــــ؟" شجاعت اللہ خاں نے دریافت کیا۔

"بہت دنوں سے ـــــ" اس نے ذرے تامل کے بعد جواب دیا۔

"ان سے چھپ چھپا کر ملتی بھی رہی ہو گی ـــــ؟"

"جی ہاں دوسرے تیسرے روز اور کبھی روزانہ انوری کے یہاں ملاقات ہوتی تھی۔"

شجاعت اللہ نے دوبارہ سوالوں کے بعد اس سے پوچھا۔

"تو گویا تم نے نبیل سے کہا تھا کہ وہ تم کو کہیں لے چلیں؟"

"جی ہاں ـــــ میرے والدین میری شادی ایک ایسے شخص سے کرنا چاہتے تھے جو مجھ کو ناپسند تھا۔ اس کی عمر چالیس اور پچاس کے درمیان تھی۔"

"علیم الدین نے تم سے کیا کہا تھا؟"

لڑکی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شجاعت اللہ خاں نے اس سے کہا۔

"دیکھو اگر معاملہ عدالت تک پہنچ گیا تو وہاں تم سے ایسے سوالات کئے جائیں گے کہ تم اس درجہ بے حیا اور بے شرم ہوتے ہوئے بھی عرق عرق ہو جاؤ گی۔ اس لئے بہتر یہی ہو گا کہ مجھ سے سب کچھ صاف صاف بتا دو ورنہ میں تم سب کو پولیس کے حوالے کر دوں گا۔ اور وہاں خدا

نظر آجائے گا ــــ"

وہ آہستہ آہستہ سسکیاں لینے لگی۔

"رونے دھونے سے کام نہ چلے گا۔ صاف صاف بتادو۔"

شجاعت اللہ خاں ایک ساعت کے لئے خاموش ہوئے اور پھر اس سے پوچھا۔

"ہاں بتاؤ ــــ علیم الدین نے تم سے کیا کہا تھا۔"

"جس روز میں آئی ہوں اس روز وہ میری طرف سے عدالت میں درخواست دلانے کے بہانے سے مجھ کو اپنے ساتھ بشن کے یہاں لے گئے تھے ـ!"

"نبیل احمد بھی تمہارے ساتھ تھے ؟"

"جی نہیں ــــ" لڑکی نے کہا۔ "انہوں نے ان سے کہا تھا کہ تم یہیں رہو اور مکان سے باہر نہ نکلو میں مجسٹریٹ کے سامنے ان کا بیان دلا کر ان کو واپس لے آؤں گا اس کے بعد تم دونوں آزادی کے ساتھ رہنا۔"

"تم بشن کے وہاں کس وقت پہنچیں اور کس وقت علیم الدین کے ساتھ واپس آئیں ــــ ؟"

"ہم دونوں وہاں دس بجے پہنچ گئے تھے ــــ" لڑکی نے کہا۔ "اور شام کو پانچ بجے واپس آئے۔"

"وہاں اور کون تھا ؟"

"کوئی بھی نہیں ——" اس نے جواب دیا۔ "ہم لوگوں کے پہنچنے کے بعد بشن وہاں سے چلا گیا۔ اور ہم دونوں اس کمرے میں تنہا رہے۔"

شجاعت اللہ خاں نے افتخار احمد کی طرف دیکھا۔

"جی ہاں میں سن رہا ہوں۔"

اس نے تفصیل کے ساتھ سب کچھ بتا کر کہا۔

"چلتے وقت دولہا بھائی نے کہا تھا کہ دو چار روز بعد وہ نبیل احمد کو کسی بہانے سے ہٹا دیں گے۔ مجھ کو اس کوارٹر میں پہنچا دیں گے اور روزانہ شام کو آیا کرینگے۔"

"اور تم رضامند ہو گئی تھیں ——؟"

اس نے پھر کوئی جواب نہیں دیا۔

جلد جواب دو۔

"دولہا بھائی نے کہا تھا کہ تم نبیل کے ساتھ نہ جانا ورنہ وہ تم کو کسی طوائف کے ہاتھ فروخت کر دے گا۔ تم میرے ساتھ رہنا میں تم کو سو روپے ماہوار دوں گا۔"

"نبیل نے کبھی تم سے کچھ کہا۔"

"جی ہاں —— جب ان کو مجھ پر شک ہوا تو انہوں نے مجھ کو برا بھلا کہا۔ اس وقت دولہا بھائی بھی وہیں تھے۔"

"اور تم جوتی اتار کر اس پر چل پڑیں۔"

"میں نے ان کو مارا نہیں تھا۔ آپ ان سے دریافت کر لیجئے۔"

"تم کیسی رونہ رو رہی تھیں؟"

"جی ہاں ------- باجی نے مجھ کو برا بھلا کہا تھا۔ اس پر دولہا بھائی نے ان کو ایک طمانچہ بھی مارا تھا۔"

افتخار نے پوچھا۔ "خیر یہ بتاؤ کہ تم نبیل احمد سے نکاح کرنا چاہتی ہو یا والدین کے ساتھ رہنا پسند کرو گی؟"

"مجھے میرے والدین کے پاس پہنچا دیجئے ------- اس نے قدرے تامل کے بعد کہا۔

شجاعت اللہ نے اس کو ایک کرسی پر بٹھا دیا اور نبیل احمد کو بلا کر اس سے چند سوالات کرنے کے بعد کہا۔

"کیا تم کو یقین ہے کہ یہ لڑکی تمہارے ساتھ ایک وفادار اور شوہر پرست بیوی کی حیثیت سے رہے گی؟"

"جی نہیں -------" نبیل احمد نے کہا۔ "اگر آج آپ لوگ یہاں نہ پہنچتے تو میں شام کی ٹرین سے کہیں چلا جاتا۔"

"کیوں ------- ؟"

"کل رات کو میں نے اس کو بشیر سے باتیں کرتا ہوا دیکھا۔ یہ بارہ بجے سے تین بجے رات تک اس کے کمرے میں اس کے پاس بیٹھی ہوئی اس سے باتیں کرتی رہی۔"

"کیا باتیں کر رہی تھی؟" شجاعت اللہ خاں نے دریافت کیا۔

"اب یہ خود دریافت کیجئے۔ یہ اس کے ساتھ رہنے پر رضامند

ہے۔ اور اس نے بھی آج صبح مجھ کو ڈرایا اور دھمکایا ہے۔"
"خوب ــــ" شجاعت اللہ خاں نے کہا۔
" افتخار احمد نے شجاعت اللہ خاں سے کہا ــــ" بس اب زیادہ جرح بیکار ہے۔ واقعی نبیل کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔ یہ کہیں رہ نہیں سکتی ہے۔"
لڑکی سر جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔ نبیل نے کہا۔
" یہ مجھ کو زبردستی لائی تھی۔ اس کی سہیلی انوری پانی پت میں موجود ہے۔ اس سے دریافت کر لیجئے اس نے مجھ کو دھمکی بھی دی تھی کہ اگر میں نہ لے جاؤں گا۔ تو وہ زہر کھا لے گی۔"
نبیل احمد کو اس کی جگہ واپس بھیجکر شجاعت اللہ خاں نے عین الدین اور ان کی اہلیہ کو ایک ساتھ بلایا اور لڑکی سے جو کچھ معلوم ہوا تھا۔ اس کا حوالہ دے کر انہوں نے عین الدین سے کہا۔
" تم بہت بدچلن اور پست کردار کے آدمی ہو ــــ دل تو چاہتا ہے کہ تم کو اسی وقت پولیس کے حوالے کر دوں اور اس قدر پٹواؤں کہ تمہارا بھیجہ ناک کے راستے بہہ جائے لیکن میرا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے تم سے صرف اسی قدر کہتا ہوں کہ اسی وقت یہاں سے چلے جاؤ اور کل تک اس مکان کو خالی کر دو ورنہ محلے والے اس بری طرح پیٹیں گے کہ تم کو چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا۔ میں تمہارے متعلق تمہارے افسران بالا سے گفتگو کروں گا۔"

"خاں صاحب! مجھے معاف کر دیجئے۔"

"تم قطعی قابلِ معافی نہیں ہو ——" شجاعت اللہ نے کہا۔

"میں تم کو یہاں سے برخواست کرا کے دم لوں گا۔"

عین الدین نے جھک کر شجاعت اللہ خاں کے پیر پکڑ لئے اور ان کی بیوی رونے لگی۔ افتخار احمد کے سمجھانے پر انہوں نے کہا۔

"خیر میں تم کو معاف کرتا ہوں۔ اور وہ بھی اس لئے کہ تمہاری اہلیہ بہت شریف اور نیک بی بی ہیں۔ بہر حال اب تم یہاں سے فوراً چلے جاؤ۔ اور لبشن سے کہہ دینا کہ وہ ہوشیار رہے اس سے پہلے بھی میں اس کی شکائتیں سن چکا ہوں۔"

عین الدین عذر و معذرت کرنے لگا۔ شجاعت اللہ خاں نے اس کو بہت سختی کے ساتھ ڈانٹ دیا۔

عین الدین کی اہلیہ نے کہا۔

"وکیل صاحب! میرے بھائی کو بچا لیجئے۔"

"وہ واقعی بے قصور ہے ——" افتخار احمد نے کہا۔ "سب خطا اس لڑکی کی ہے۔"

"جہاں بھی جائے گی اور جس گھر میں رہے گی اس گھر کے مردوں کو خراب کرے گی۔"

عین الدین نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ان کا سامان کہاں پہنچایا جائے ...؟"

"اب ایک کا عمل ہے۔ ڈھائی بجے ٹرین جاتی ہے۔ افتخار احمد نے کہا۔ "ان کا کل سامان لے کر اسٹیشن آجائیے"۔

نبیل احمد، عبدالوہاب، اور اس کی بہن کے ساتھ پونے دو بجے اسٹیشن پہنچ گئے۔ دو بجے معین الدین نبیل احمد کا سامان لے کر آ گئے اور وہ لوگ ڈھائی بجے کی ٹرین سے روانہ ہو کر صبح چار بجے پانی پت پہنچ گئے۔

افتخار احمد نے عبدالستار کے مکان پر پہنچکر ان کی لڑکی کو ان کے حوالے کیا اور ان سے کہا۔

"صبح آٹھ بجے اپنی اہلیہ اور لڑکی کو لے کر میرے یہاں آجائیے گا"

"عبدالوہاب کو بھی لیتا آؤں؟"

"لیتے آئیے گا ـــــ"

افتخار احمد اپنے مکان کی طرف روانہ ہوئے۔ حویلی کے پھاٹک پر ان کو نبیل احمد ملا اس کے ساتھ اس کے والد عقیل احمد بھی تھے۔ انہوں نے افتخار احمد کو دیکھتے ہی جھک کر سلام کیا اور کہنے لگے

"افتخار صاحب! آپ ان کو لے تو آئے ہیں لیکن میرے گھر میں اب ان کے لئے جگہ نہیں ہے"۔

"اس وقت تو ان کو جگہ دینا ہی پڑے گی ـــــ" افتخار احمد نے کہا میں بہت خستہ ہو رہا ہوں۔ اس لئے اس وقت آپ سے اطمینان سے ساتھ گفتگو نہ کر سکوں گا۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو کل دس بجے تک

ان کے ساتھ تشریف لائیے اس وقت اس مسئلے میں آپ سے گفتگو کرونگا میں کل دوپہر کی ٹرین سے دلی جاؤں گا۔"

"میں حاضر ہو جاؤں گا۔"

عقیل احمد اپنے لڑکے کے ساتھ واپس چلے گئے۔ افتخار احمد نے حویلی کا پھاٹک کھلوا دیا اور اندر چلے گئے۔

عبدالستار ٹھیک آٹھ بجے اپنی اہلیہ اپنی لڑکی اور عبدالوہاب کے ساتھ افتخار احمد کے پاس پہنچے۔ وہ اسی وقت ناشتے سے فارغ ہو کر کمرے میں بیٹھے تھے۔ اور اپنے بھائی اظہار سے باتیں کر رہے تھے۔ انہوں نے سب کو کرسیوں پر بٹھایا۔

عبدالستار نے ان سے کہا "افتخار بھائی اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ اس ننگ خاندان لڑکی کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔"

"کیا اس کو سزا دینے یا اس پر سختی کرنے سے اس کی اصلاح ہو جائیگی" افتخار احمد نے سوال کیا۔

"اصلاح کی صورت تو آپ نے بتائی تھی لیکن اس وقت میری عقل پر پردے پڑ گئے تھے ——" عبدالستار نے جواب دیا "اور جو کچھ بھی ہوا سب ان کی لاپروائی سے ہوا۔"

انہوں نے اپنی بیوی کی طرف اشارہ کیا۔

"جس کسی کی وجہ سے ہوا ہو بہرحال جو کچھ بھی ہوا بہت برا ہوا۔" افتخار احمد نے کہا "اگر آپ اپنی صاحبزادی کی خواری کی داستان

سننا پسند کریں تو میں مختصر طور پر بتا دوں۔"

"افتخار بھائی اب تو سننا ہی پڑے گی۔"

"یہ محض اس لئے گھر سے فرار ہوئی کہ عبدالمنان کے ساتھ شادی نہیں کرنا چاہتی تھی ——" افتخار احمد نے کہا۔ "اس بدبخت لڑکی نے نبیل احمد کو مجبور کیا کہ وہ اس کو کہیں لے جائے اور اگر وہ نہ لے جائے گا تو یہ زہر کھا کر خودکشی کر لے گی۔"

عبدالستار دانت پیسنے لگے۔

"غصّے کی ضرورت نہیں ——" افتخار احمد نے کہا۔ "اب اس کا وقت گزر چکا ہے۔ پہلے پوری داستان سن لیجئے اس کے بعد جو دل میں آئے کیجئے گا۔"

عبدالستار نے ایک طویل ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔

"فرمایئے۔"

"یہ نبیل احمد کو زبردستی لے گئی۔ بریلی پہنچ کر اس نے نبیل احمد کے بہنوئی علیم الدین سے پینگ بڑھائے اور اس کی وجہ سے اس بیوقوف نے اپنی نیک اور شریف بیوی کو بھی مارا۔"

عبدالستار کی اہلیہ نے اپنی لڑکی کو دو تھپّڑ مارا اور وہ رونے لگی

"دیکھئے میں ان باتوں کو ناپسند کرتا ہوں۔" افتخار احمد نے کہا۔ "میں جو کچھ بھی کہہ رہا ہوں اطمینان کے ساتھ سن لیجئے۔"

عبدالستار اپنی اہلیہ کو ڈانٹنے لگے۔ افتخار احمد نے ان کو

خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

" عین الدین کے گھر اس لڑائی جھگڑے کے باوجود یہ نبیل احمد کا ساتھ چھوڑنے اور عین کے ساتھ رہنے پر رضامند ہوگئی اور کھلے بندوں عین الدین کے پاس اٹھنے بیٹھنے لگی۔ اس سے دریافت کر لیجئے کہ میں غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں۔"

" آپ کہے جائیے۔" عبدالستار نے کہا۔

" نبیل احمد نے جب اس کی روش پر اعتراض کیا تو یہ جوتی لے کر کھڑی ہوگئی۔"

" بچی تم پیدا ہوتے ہی مر جاتیں تو اچھا تھا۔" عبدالستار کی اہلیہ نے روتے ہوئے کہا۔

" اگر یہ مر جاتی تو ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ کیسے لگتا اور میری ناک کیسے کٹتی۔"

عبدالستار نے گلوگیر آواز میں کہا۔

افتخار احمد نے کہا۔ " اس نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس چپڑاسی کے کوارٹر میں پہنچ کر یہ اس سے بھی بے تکلف ہوگئی اور اس نے اس سے وعدہ کر لیا کہ اسی کے ساتھ رہے گی اور اسی کی شہ پر اس شخص نے نبیل احمد کو ڈرایا اور دھمکایا اگر ہم لوگ کل وہاں نہ پہنچ جاتے تو نبیل احمد اس کو وہیں چھوڑ کر کہیں بھاگ جاتا اور عین الدین اور اس چپڑاسی میں چاقو چلتے اور اس کی بھی ناک کٹتی۔"

عبدالستار کی اہلیہ کو غش آگیا اور وہ گر پڑیں۔ اظہار نے پانی لاکر ان کے منہ پر چھینٹا دیا عبدالستار اپنے رومال سے ہوا دینے لگے کچھ دیر بعد انہوں نے آنکھیں کھولیں اور جب ان کو قدرے سکون ہوا تو افتخار احمد نے ان سے کہا۔

"اپنی طبیعت کو سنبھالئے جو کچھ ہو چکا ہے اس پر خاک ڈالئے اور اب اس پہلو پر غور کیجئے کہ آپ لوگوں کو کیا کرنا چاہیئے۔"

عبدالستار نے اپنی بیوی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ان سے تو کچھ دریافت کرنا ہی بیکار ہے۔ اگر ان میں اتنی ہی صلاحیت ہوتی تو یہ دن کیوں دیکھنا پڑتا۔ میں اپنے متعلق آپ سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میرا دماغ کام نہیں کر رہا ہے۔ اب آپ ہی کوئی فیصلہ کیجئے۔"

افتخار احمد نے کچھ سوچ کر کہا۔

"اب عبدالمنان سے شادی کا تو کوئی سوال ہی نہیں رہ گیا ہے۔ اس لئے کہ آپ لوگوں نے اس واقعہ پر مٹی خاک ڈالنے کے بجائے خود ہی سب پر مشہور کر دیا۔ ورنہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ تم لوگوں کے ساتھ دہلی گئی ہے۔"

"جی ہاں بھائی صاحب ——" اظہار نے کہا۔ "ابھی روز تو آپ لوگ بھی دہلی واپس گئے ہیں۔"

عبدالستار کی اہلیہ خاموش بیٹھی ہوئی سنتی رہیں۔ عبدالستار نے

ان کو پُر آنسو نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔
"خدا کی قسم اس بیوقوف عورت نے مجھ کو کہیں کا نہیں رکھا ہے"
"معاف فرمائیے ——" افتخار احمد بول اٹھے "آپ کی عقلمندی سے بھی آپ کو بہت نقصان پہنچا ہے"
عبدالستار خاموش ہو گئے۔ اظہار نے اپنے بھائی سے کہا۔
"بھائی صاحب! میرے خیال میں تو اب نبیل احمد سے اس کا نکاح کر دیا جائے"
"اس کو اس کی صورت سے نفرت ہو گئی ہے ——" افتخار احمد نے کہا "دو چار ہی روز میں اس نے وہاں ایسے گل کھلائے کہ وہ بھی اس سے تنگ آگیا اور اس کو چھوڑ کر بھاگ جانے پر تیار ہو گیا"
"کیا آپ نے اس سے گفتگو کی تھی ؟" اظہار نے دریافت کیا۔
اس سے اور نبیل سے —— دونوں سے دریافت کیا گیا ——"
افتخار احمد نے کہا —— "اس نے نبیل سے نکاح کرنے سے انکار کر دیا اور خود مجھ سے کہا کہ مجھ کو میرے والدین کے پاس پہنچا دیجئے۔ نبیل کا معاملہ تو الگ رہا وہ کیا کوئی شخص بھی اس لڑکی کے کارنامے سننے کے بعد اس سے نکاح کرنے پر آمادہ نہ ہو گا"
"تو پھر عزیزوں اور رشتہ داروں میں تو یہ جانے کے قابل ہے نہیں ——"
"قطعی نہیں ——" افتخار احمد نے کہا۔

"تو پھر اس کا کیا حشر ہوگا......؟"

"کسی باہر والے سے خاموشی کے ساتھ نکاح کر کے اس کو رخصت کر دیا جائے۔"

"بھائی صاحب! آپ ایک بار پھر نبیلی کے خیالات کا جائزہ لیں اور اس کو سمجھائیں۔"

"اظہار! تم بلا وجہ اپنی ٹانگ کیوں اڑا رہے ہو......" افتخار احمد نے اپنے بھائی کو خاموش کراتے ہوئے کہا "اس جگہ وہ لڑکی بھی ہے اس کے والدین بھی ہیں اور اس کے بھائی بھی ہیں۔ تم ان سے بہتر فیصلہ نہیں کر سکتے۔"

"افتخار بھائی!" عبدالستار نے مغموم لہجے میں کہا۔

"میں نے تو آپ لوگوں کو حق دے دیا ہے اور اس کا فیصلہ آپ ہی پر چھوڑ دیا ہے۔"

وہ خاموش ہو گئے اور چند سکنڈ بعد پھر افتخار احمد کہنے لگے۔

"ہاں اس بات کا خیال ضرور رکھنا چاہیئے کہ آج تک ہمارے خاندان کی کوئی لڑکی ملانوں میں نہیں گئی۔"

"ہمارے خاندان کی کوئی لڑکی اس طرح کسی کے ساتھ بھاگی بھی نہیں ہے۔" افتخار احمد نے کہا۔ "بزرگوں کو الزام دینے سے قبل اپنے اور ان کے حالات کا تقابل بھی کر لینا چاہیئے۔"

عبدالستار کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔ افتخار احمد نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"ہمارے بزرگوں نے کبھی ایسے واقعات میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔"

"افتخار بھائی آپ جانتے ہیں، کہ برادرمن بھی ہمیشہ ایسی آلودگیوں سے پاک رہا ہے۔"

"اگر آپ برا نہ مانیں اور اس کو طعنہ زنی نہ سمجھیں تو میں کچھ کہوں۔"

"ضرور کہیئے۔"

"آپ کی اہلیہ بھی اپنے ہی خاندان کی بہن۔" افتخار احمد نے کہا۔

"جی ہاں!"

"اور ان کے حقیقی بھائی محسن بھی۔"

"جی ——"

عبدالستار نے محسن کے نام پر کان کھڑے کرتے ہوئے کہا۔

"وہ یہاں سے بخشو کی لڑکی کو لے گئے، آپ کی اہلیہ نے ان کی مدد کی آپ ان کے نکاح میں شریک ہوئے اور جب بخشو نے اس سلسلے میں آپ سے کہا تو آپ فوجداری پر آمادہ ہو گئے۔"

"افتخار بھائی وہ تو بہت پرانی بات ہے۔"

"اور یہ بالکل نئی بات ہے ——" افتخار احمد نے کہا۔

"زمانہ بدلتا رہتا ہے ۔ وقت گزرتا رہتا ہے ۔ لیکن واقعات اسی طرح ہوتے رہتے ہیں ان کی نوعیت اور اہمیت میں کوئی فرق نہیں آتا ہے ۔ میں گڑے مردے نہیں اکھیڑ رہا ہوں بلکہ آپ کو حقیقت سے قریب تر لانے کی کوشش کر رہا ہوں ۔"

وہ چند سکنڈ کے لئے خاموش ہوئے اور پھر اسی لہجے میں کہنے لگے ۔

" اگر ہم اپنے اسلاف کی پیروی کرنا چاہتے ہیں تو ہم کو زندگی کے ہر شعبے میں ان کی پیروی اور ان کا اتباع کرنا چاہئے ۔"

" ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ ۔۔۔۔" عبدالستار نے طویل سانس لے کر کہا ۔۔۔ " ہم دونوں کو اپنے اعمال کی سزا مل رہی ہے ۔"

" دیکھئے پھر آپ غلط سمجھے ۔۔۔" افتخار احمد نے کہا " آپ کو سمجھا رہا ہوں اور آپ اس کو طعنہ زنی پر محمول کر رہے ہیں ۔"

" جی نہیں ۔۔۔۔" عبدالستار نے کہا " خدا شاہد ہے کہ میرا یہ خیال نہیں ہے ۔ بلکہ اب میں اس کا معترف ہوں کہ میں نے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش نہیں کی ۔ اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ صاحبزادے آوارہ نکل گئے ۔ اس عمر میں انہوں نے اوباشی کا ہر شوق پورا کر لیا اور صاحبزادی خاندان کی ناک کٹا کر گھر سے نکل گئیں ۔

عبدالوہاب خاموش بیٹھا ہوا تھا ۔ اظہار نے اس کی طرف دیکھ کر کہا ۔

"عبدالوہاب! سن رہے ہو؟"

اس نے سر جھکا لیا۔ افتخار احمد نے عبدالستار سے کہا۔

"ستار بھائی! واقعی آپ کی حالت قابلِ رحم ہے۔ لیکن حالات بد سے بدتر ہو چکے ہیں۔۔۔۔۔۔ اگر آپ دلی سے آنے کے بعد ہی دونوں کی اصلاح کی کوشش کرتے تو یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا۔"

"جس دن سے یہ کم بخت یہاں سے گئی ہے میں نے بازار جانا چھوڑ دیا ہے۔۔۔۔" عبدالستار نے کہا۔ "کاروبار چوپٹ ہوتا جا رہا ہے۔ صاحبزادے ماشاءاللہ جوان ہیں لیکن ان میں اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ کاروبار کی دیکھ بھال کر سکیں۔ وہ ابھی خود ہی نہیں سنبھلے ہیں تو کاروبار کو کیا سنبھالیں گے۔"

"کیوں میاں عبدالوہاب!" افتخار احمد نے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

"آپ جو حکم دیں۔"

"یہ ناممکن ہے کہ تم میرے ہر حکم کی تعمیل اور میری ہر ہدایت پر عمل کرو۔ یہ معجزات کا زمانہ نہیں ہے۔" افتخار احمد نے ناصحانہ لہجے میں کہا۔

"بہرحال تم کو سمجھانا میرا فرض ہے۔ اگر تم اپنی حالت نہ سنبھالو گے تو ایک روز ذلیل و خوار ہو گے۔ ابھی کچھ بھی نہیں گیا ہے۔ اگر تم سنبھل

جاؤ اور اپنے والد کا کاروبار سنبھال لو تو بہت جلد اپنے اور پرائے میں عزت حاصل کر لو گے۔ اس واقعہ کو لوگ بہت جلد فراموش کر دیں گے۔ یہی میں اس بدنصیب لڑکی سے بھی کہوں گا۔ اگرچہ اس نے اپنا مستقبل تاریک کر لیا ہے۔ اور جس کے ساتھ یہاں گئی اس کو بھی اپنا دشمن بنا لیا۔ لیکن۔"

وہ یکایک خاموش ہو گئے۔ عبدالستار اسکا مطلب سمجھ گئے اور انھوں نے ان سے کہا۔

"افتخار بھائی! آپ کو اختیار ہے۔ اگر نبیل احمد تیار ہو جائے تو اس کا نکاح اس کے ساتھ کرا دیجئے۔ اس کے علاوہ اس سے نکاح کرنے پر کوئی رضامند نہ ہو گا۔"

"رضامند تو نبیل بھی نہ ہو گا ——" افتخار احمد نے کہا۔ "کیونکہ اب اس کی نظروں میں اس کی کوئی عزت نہیں رہ گئی ہے۔ اس نے اس سے بھی بیوفائی کی —— بہر حال میں نبیل احمد سے گفتگو کروں گا وہ مولوی عقیل احمد کے ساتھ یہاں دس بجے آئے گا۔ اگر وہ آمادہ ہو جائے تو آج ہی نکاح کر دیجئے۔"

"میں تو اسی وقت تیار ہوں ——" عبدالستار نے کہا۔ اس بار سے سبکدوش ہونے کے بعد میں دو چار ماہ کے لئے سہارن پور یا مظفر پور چلا جاؤں گا۔"

اظہار نے عبدالستار کی اہلیہ سے کہا۔

بھابی! ذرا اس سے دریافت تو کیجئے۔ آخر یہ کہتی کیا ہے؟"

"تم ہی پوچھو ——" انھوں نے آہستہ سے کہا۔

افتخار نے اس سے پوچھا۔

"تم خلیل سے نکاح کرنے پر تیار ہو؟"

اس نے آہستہ سے سر ہلایا۔ افتخار احمد نے عبدالستار سے کہا۔

"اچھا اب آپ لوگ جائیے میں ڈیڑھ دو گھنٹے بعد بلوالونگا۔"

عبدالستار اپنی اہلیہ اور لڑکی اور عبدالوہاب کے ساتھ چلے گئے۔

۴۴

"بھائی صاحب!" اظہار نے افتخار احمد سے کہا "اگر نبیل اس سے نکاح کرنے پر نہ تیار ہوا تو کیا ہوگا؟"

"کوشش کرنا میرا کام ہے۔" انہوں نے جواب دیا۔ "اگر وہ تیار نہ ہوا تو میں عبدالستار سے کہہ دوں گا کہ بھائی کوئی دوسرا انتظام کرو۔"

"لڑکا تو واقعی شریف اور سیدھا ہے۔"

"اب سے دو سال قبل عبدالوہاب بھی تو شریف اور فرمانبردار تھا۔"

افتخار احمد نے کہا۔ "بات یہ ہے کہ اب پانی پت کا ماحول بھی خراب ہو چلا ہے۔ یاد رکھو کہ جہاں بھی دو چار بے روزگار جمع ہوں گے اور

بیٹھ کر آپس میں ہنسی مذاق کریں گے۔ وہاں غنڈہ گردی ضرور ہوگی۔"

"بے روزگاری تو عام ہے۔" اظہار نے کہا۔

"ٹھیک کہتے ہو۔" یہ افتخار احمد نے کہا۔ "اگر تمہارا لڑکا بیروزگار ہے۔ تو اس کو گھر کے کسی کام میں لگائے رہو تاکہ کاہل نہ ہونے پائے اور محنت کا عادی رہے۔ اس کے ساتھ اس کو اِدھر اُدھر نہ بیٹھنے دو۔ جہاں چار نوجوان جمع ہوں گے وہاں فضول باتیں ضرور ہوں گی۔ اور ان ہی لغویتوں سے نوجوان بگڑتے ہیں۔"

"بھائی جان! غنڈہ گردی تو یہاں بہت ہونے لگی ہے۔" اظہار نے کہا۔ "خاص طور پر سمیع کے چائے خانے میں تو ہر وقت دس بیس لفنگے جمع رہتے ہیں اس لئے شریف عورتوں نے وہ راستہ چھوڑ دیا ہے۔ آراکشوں اور نعلبندوں کے جاہل لڑکوں سے لے کر خاندان سادات اور خواجگان کے تعلیم یافتہ لڑکے تک وہاں جمع ہوتے ہیں۔ اور وہ اودھم مچاتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔"

"ایسے ہی نوجوان سماج کے لئے مہلک جراثیم کی خاصیت رکھتے ہیں۔ میں تو یہاں رہتا نہیں ہوں ورنہ اس چائے خانے کو بند کرا دیتا۔"

"لالہ گلزاری لال شیخ نیاز احمد نے پولیس کپتان اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے مل کر ان کو حالات سے آگاہ کیا تھا۔ اور انہوں نے خفیہ پولیس بھی لگا دی تھی اس لئے دو تین مہینے امن رہا لیکن پھر رفتہ رفتہ وہی حالت ہوگئی۔"

"میں دلی جانے سے قبل مختار صاحب اور دیگر مقتدر افراد سے کہوں گا کہ وہ شہر کو اس لعنت سے پاک کریں۔"

ایک ملازم نے آکر کہا۔

"میاں! مولوی عقیل احمد صاحب آئے ہیں۔"

"ان کو یہاں لے آؤ ——" افتخار احمد نے کہا۔

ملازم مولوی عقیل احمد اور ان کے لڑکے نبیل احمد کو اندر لے آیا اور افتخار احمد نے دونوں کو اپنے سامنے بٹھا کر خیریت دریافت کی۔

"خدا کا شکر ہے افتخار صاحب!" عقیل احمد نے کہا۔ "بس زندہ ہوں —— ورنہ اصولاً تو مجھ کو اسی روز مر جانا چاہیئے تھا۔ جس روز صاحبزادے عبدالستار کی لڑکی کو لے گئے تھے۔"

"مولوی صاحب! تعجب ہے کہ آپ اپنے لڑکے کو راہ سے نہ لگا سکے۔"

"جی ہاں —— یہ میری بدبختی تھی۔" عقیل احمد نے کہا۔ "میں تو علی الصبح ان کو مولوی ہدایت اللہ کے پاس بھیج دیتا تھا۔ مجھے کیا خبر تھی کہ یہ وہاں جانے کے بجائے بچوں اور لفنگوں میں اٹھتے بیٹھتے ہیں —— خیر مقدر کا لکھا پورا ہو کر رہتا ہے۔"

"مولوی صاحب! آپ جانتے ہیں کہ میں ایسی باتوں کا قائل نہیں۔"

"جی ہاں ——" عقیل احمد نے کہا۔ "اس وقت تو آپ کے کہنے سے میں نے جگہ دے دی تھی۔ اب اس وقت ان کو یہاں لایا ہوں میں ان کو گھر میں نہ رکھوں گا۔ عبدالستار صاحب ان کو پولیس کے حوالے کر دیں

مجھ کو دکھ نہ ہوگا۔"

"اور ہونا بھی نہ چاہیے ـــــ" افتخار احمد نے کہا۔ "اس لئے کہ آپ ہی کی غفلت سے انہوں نے یہ راستہ اختیار کیا آپ یہاں تو خود کو بری الذمہ کہہ کر قانونی گرفت سے بچ سکتے ہیں اور انصاف کی زد سے دور رہ سکتے ہیں۔ لیکن خدا کے سامنے آپ کے یہ استدلال نہ کام آئیں گے۔ آپ اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ یہ آپ کی غفلت سے بگڑے۔"

"افتخار صاحب کہتے تو آپ صحیح ہیں ـــــ" عقیل احمد نے کہا "بہر حال اب یہ بتایئے کہ کیا کیا جائے۔"

"پولیس کے حوالے کرنے کے بجائے ان کو عبدالستار کے حوالے کر دیجئے۔"

"جی ـــــ!" انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"یہ جس لڑکی کو لے کر نکلے تھے۔ وہ زندگی بھر کے لئے ان کے گلے میں باندھ دی جائے۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔" عقیل احمد نے کہا۔ "لیکن میں ان دنوں کو اپنے یہاں نہ رکھوں گا۔"

"آپ نے ان کو نہ تو کوئی ہنر ہی سکھایا اور نہ ایسی تعلیم ہی دلائی کہ اس عمر کو پہنچتے تک اپنی روزی آپ کمانے کے قابل ہو جاتے۔"

افتخار احمد نے بغیر کسی رو رعایت کے کہا۔ "اس لئے اگر یہ علیحدہ

رہیں تو کھائیں گے کہاں سے ؟"

" میری آمدنی محدود ہے اور کچا سا تھ ہے ۔" عقیل احمد نے کہا ۔ "صبح سے شام تک دوکان پر بیٹھتا ہوں ۔ دنیا کا مکر و فریب کرتا ہوں جب شام کو اس قابل ہوتا ہوں کہ بچوں کو روکھا سوکھا کھلا سکوں ۔"

" ہر شخص اسی طرح زندگی بسر کر رہا ہے ۔"

" بہر حال اگر آپ کہتے ہیں تو میں بیس روپے ماہوار ان کو دے دیا کروں گا ۔ بشرطیکہ یہ بھی بیس روپے ماہوار پیدا کریں ۔"

یہ بیس روپے ماہوار کیسے پیدا کریں گے ۔" افتخار احمد نے پوچھا ۔

" پانی پت اگر چہ بڑا شہر نہیں ہے لیکن پھر بھی انسان محنت کر کے کچھ پیدا کر سکتا ہے ۔" مولوی عقیل احمد نے کہا ۔ " ڈاکخانے کے سامنے بیٹھ کر خط لکھا کریں میرے خیال میں یہ کام کسی کنواری لڑکی کو بھگا لے جانے سے زیادہ شرمناک نہیں ہے ۔ یا پھر گلے میں پٹاری لٹکا کر بساط خانے کا سامان گلیوں میں گھوم پھر کر فروخت کریں ۔ دس بیس کا سامان میں دے دوں گا ۔"

" کیوں میاں صاحبزادے !" افتخار احمد نے نبیل احمد سے پوچھا ۔ "سن رہے ہو اپنے والد کی باتیں ؟"

" جی ہاں ——" نبیل نے سر جھکا کر آہستہ سے جواب دیا ۔

" اب کیا کہتے ہو —— ؟" افتخار احمد نے کہا

نبیل سر جھکائے خاموش بیٹھا رہا ۔ افتخار احمد نے پھر کہا ۔

"میاں شرمانے کی ضرورت نہیں جب اتنی بڑی مہم بغیر کسی جھجک کے سر کر لی تو پھر اب کیوں شرما رہے ہو۔ پسینہ حبیب اللہ کا ہے محنت سے وہی شرماتا ہے جو اپنی زندگی سے بیزار ہوتا ہے اور کتوں کی طرح زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔"

"قبلہ میں نے تو آپ سے بریلی ہی میں عرض کر دیا تھا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی ——" جمیل احمد نے افتخار احمد کو جواب دیا۔ "مجھے مجبور کیا گیا تھا۔"

"تم نے غلطی کی۔ اس کا تم کو اعتراف ہے ——" افتخار احمد نے کہا۔

"اب اس کا خمیازہ بھی بھگتو۔ رہا مجبور کرنے کا سوال تو اسے نہ عدالت ہی تسلیم کرے گی اور نہ خدا جو ہمارے دلوں کا حال جانتا ہے۔"

"مجھ کو پولیس کے حوالے کر دیجئے لیکن میری زندگی اس سے نہ وابستہ کیجئے ورنہ مجھ کو دق ہو جائے گی۔"

"یہ کہہ دینا تو بہت آسان ہے اس لئے کہ ابھی تک تم پولیس کے پھندے میں نہیں پڑے ہو۔ دق میں مبتلا ہو کر مر جانا اس سے کہیں بہتر ہے کہ انسان حوالات میں بند ہو اور ہتھکڑیاں پہن کر عدالت میں ملزموں کے کٹہرے میں کھڑا ہو ——"

"خدا دشمن کو بھی وہ دن نہ دکھائے ——" مولوی عقیل احمد

نے جھرجھری لے کر کہا۔
افتخار احمد نے نبیل کو سمجھاتے ہوئے کہا۔
"نبیل میاں! میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔ بریلی ہی میں تم کو پولیس کے حوالے کر سکتا تھا لیکن تم کو معلوم ہے کہ میں نے کس خوبی کے ساتھ معاملات کو سدھارا۔ اب میں تم سے کہتا ہوں کہ میرے مشورے پر عمل کرو ورنہ ایک روز حرام موت مرنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔ دنیا تو خراب ہوئی ہے عقبیٰ بھی خراب ہو جائے گی اور توبہ کے دروازے ہمیشہ کے لیے تم پر بند ہو جائیں گے۔"
نبیل احمد خاموش بیٹھا ہوا اپنی انگلیوں کے ناخن دیکھتا رہا۔
افتخار احمد نے کہا ——— "تم کو یاد ہو گا کل میں نے شجاعت اللہ خاں سے کہا تھا کہ یہ لڑکا بے قصور ہے۔ لیکن حقیقتاً تم بے قصور نہیں بلکہ اس جرم کے محرک ہو۔ اس لڑکی کو یہاں سے لے جانے سے قبل تم نے ضرور اس سے کہا ہو گا کہ تم اس کو بریلی لے جا سکتے ہو۔"
"جی ہاں! میں نے کہا تھا ———" نبیل نے اسی طرح سر جھکائے ہوئے جواب دیا۔ "جھوٹ نہ بولوں گا۔"
افتخار احمد بھی سر جھکا کر کچھ سوچنے لگے۔ نبیل احمد کی گفتگو سے انہوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ زیادہ گرے ہوئے کردار کا نوجوان نہیں ہے اور سنبھل سکتا ہے اس لئے کچھ دیر بعد انہوں نے مولوی عقیل احمد سے کہا۔

"آپ ایک بار پھر غور کر لیں کہ اگر ان کا نکاح اس لڑکی سے کرا دیا جائے تو آپ کو اعتراض تو نہ ہو گا۔"

"افتخار صاحب! میں غور کر چکا ہوں۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا لیکن میں پھر یہ عرض کر رہا ہوں کہ میں ان دونوں کو گھر میں قدم نہ رکھنے دوں گا۔"

"خیر مجھے اس سے سروکار نہیں ——" افتخار احمد نے کہا۔ میں تو صرف معلوم کرنا چاہتا تھا۔"

"میں نے عرض کر دیا کہ مجھ کو کسی قسم کا اعتراض نہ ہو گا ——"

"اچھا تو پھر مجھ کو اجازت دیجیے کہ میں ان سے کچھ دیر تخلیہ میں گفتگو کر لوں۔"

"شوق سے گفتگو کیجیے۔ میں کچھ تو سمجھ کر آپ کے پاس حاضر ہوا تھا۔ میں باہر جاتا ہوں۔"

وہ کرسی سے اٹھنے لگے۔

"آپ تشریف رکھیے ——" افتخار احمد نے ان کو کرسی پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ "میں دوسرے کمرے میں جا کر گفتگو کر لوں گا۔"

وہ نبیل احمد کو دوسرے کمرے میں لے گئے اور اس کو ایک کرسی پر بٹھا کر خود دوسری کرسی پر اس کے سامنے بیٹھ گئے اور اس کی طرف دیکھ کر بولے۔

"ہاں میاں نبیل احمد! اب بے تکلفی کے ساتھ مجھ سے گفتگو کرو اور

مجھ کو بتاؤ کہ تم اس سے نکاح کیوں نہیں کرنا چاہتے ہو۔"

"قبلہ! میں کیا عرض کروں۔ آپ کو تو سب کچھ معلوم ہی ہے۔"

"تم اس کو یہاں سے کس ارادے سے لئے گئے تھے۔" افتخار احمد نے کہا۔ "اسی ارادے سے لے گئے تھے تاکہ اس سے نکاح کرو گے؟"

"جی ہاں۔"

"اور اب اس لئے نکاح پر رضامند نہیں ہو کہ اس نے تم سے بیوفائی کی۔ اس نے تمہارے بہنوئی عین الدین سے ربط و ضبط بڑھا لیا اور بیشن کے ساتھ رہنے پر بھی رضامند ہو گئی۔"

"آپ میرے بزرگ ہیں ——" نبیل احمد نے کہا۔ "میں آپ سے کیا عرض کروں کہ میں نے اس کو وہاں کس عالم اور کس حالت میں دیکھا ہے۔"

"میں تمہارا مطلب سمجھ گیا ——" مختار احمد نے کہا۔ "اس نے واقعی تم سے بے وفائی۔ لیکن نبیل میاں اس پہلو پر بھی تو غور کرو کہ اس کو بے وفائی کرنے کا موقع کس نے دیا۔ عورت ناقص العقل تو ہوتی ہی ہے۔ اور پھر ایک سولہ سالہ الھڑ لڑکی، ناتجربہ کار اور اجنبی ماحول سے غیر مانوس —— جب مرد ہوتے ہوئے تم اپنی بہنوئی کی باتوں میں آ گئے اور اس کو ان کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی تو وہ تو پھر تمہارے مقابلے میں بے وقوف تھی۔ تم میری باتیں سمجھ رہے ہو؟"

"جی ہاں ——" نبیل احمد نے جواب دیا۔

"انسان کا شیطان انسان ہوتا ہے ـــــ" مختار احمد نے کہا۔ "عین الدین چھٹا ہوا گھاگ ہے گرگ باراں دیدہ ـــــ اس نے الٹی سیدھی پٹی پڑھا کر اس کو اپنی راہ پر لگا لیا ـــــ اب تم تسلیم کر دیا نہ کرو لیکن غلطی تمہاری تھی ـــــ تم اپنے بہنوئی کی طبیعت سے واقف تھے لیکن اس کے باوجود ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آ گئے ـــــ میں غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں۔"

"جی نہیں ـــــ"

"تم کو اپنی غلطی کا احساس ہے؟"

"جی ہاں! میں نے واقعی غلطی کی اگر میں ان کو اسے لے جانے کی اجازت نہ دیتا تو یقیناً یہ حالات نہ پیدا ہوتے۔"

"تم دل سے اپنی غلطی کا اعتراف کر رہے ہو؟"

"جی ہاں ـــــ میں صدق دل سے اعتراف کر رہا ہوں۔"

"ماشاءاللہ تم سمجھ دار ہو اور تم میں سنبھلنے کی صلاحیت ہے۔" افتخار احمد نے کہا۔ "رہا بشن کا معاملہ تو وہ غنڈہ اور بدمعاش ہے اس نے تم سب کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا اور اس کو بہلا پھسلا کر ہموار کر لیا ورنہ تم ہی غور کرو کہ زندگی اور مستقبل کا فیصلہ کہیں اس قدر جلد ہوتا ہے۔"

نبیل احمد خاموش بیٹھا ہوا دیوار کی طرف دیکھتا رہا۔ افتخار احمد نے اس کو بغور دیکھ کر کہا۔

جب وہ گھر سے تمہارے ساتھ فرار ہوئی ہے تو اس نے تم ہی کو اپنی زندگی کا واحد سہارا سمجھا تھا۔ لہذا اب تمہارا فرض ہے کہ اس کی اور اپنی غلطیوں کو فراموش کر کے اس کا ساتھ دو۔ اور اس سے نکاح کر لو۔ اس نے نادانستگی میں جو کچھ بھی کیا ہے اس پر وہ خود نادم ہوگی۔ اور اگر تم اس کو سہارا دو گے تو وہ بھی تمہارے لئے سہارا ثابت ہوگی اور اس طرح تم دونوں سنبھل جاؤ گے اور تمہاری زندگیاں سنور جائیں گی۔"

نبیل کو خاموش دیکھ کر انہوں نے پھر اس کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"وہ تمہارے مقابلے میں ابھی ایک نازک شاخ ہے تم اس کو جس طرف جھکاؤ گے وہ جھک جائے گی ـــــ اور اگر تم اطمینان کے ساتھ اپنے دل کا جائزہ لو گے تو اس کے ہر گوشے میں اسی کی محبت کا جلوہ دیکھو گے۔ اور اسی کے لئے کسک محسوس کرو گے۔"

وہ خاموش ہو گئے۔ نبیل نے ان کی طرف دیکھا لیکن زبان سے کچھ نہ کہہ سکا۔

"ہاں کہو ـــــ کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ میرا ساتھ دے گی۔ اور فقر و فاقہ میں بھی خوش رہے گی؟"

"اس کا انحصار تمہاری روش اور تمہارے برتاؤ پر ہے۔" افتخار احمد نے کہا۔ "اگر تم نے یہ ثابت کر دیا اور اس کو یقین دلا دیا کہ اس کی لغزشوں

کو تم نے واقعی نظر انداز کر دیا ہے۔ اور اسی کو اپنے ارمانوں کی دنیا سمجھ رہے ہو۔ تو وہ ایک زر خرید کنیز کی طرح تمہارے اشاروں پر چلے گی عورت کو جب یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اس کا شوہر صرف اس کو اپنے ارمانوں کی دنیا اور اپنی تمناؤں کا مرکز سمجھتا ہے تو پھر وہ اس پر اپنی جان بھی نچھاور کر دیتی ہے۔"

نبیل پھر کچھ سوچنے لگا ـــــــ افتخار صاحب کی آنکھوں میں خوشی کی چمک پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ چند سکنڈ بعد انہوں نے اس سے کہا۔

"نبیل اس دور پر غور کرو۔ جسے عرف عام میں آغاز محبت کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ اس وقت تم نے اس کے لئے کیا کیا سوچا ہو گا۔ یہ وہی عائشہ ہے جو تمہارے خوابوں کی ملکہ تھی۔"

نبیل گھبرا کر کھڑا ہوا۔ اس کو آغاز محبت کا وہ زمانہ یاد آ گیا جب وہ اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے چلچلاتی دھوپ میں اس کے مکان کے گرد گلیوں میں چکر لگاتا رہتا تھا۔ اور کٹکٹاتی سردی میں صرف ایک شال اوڑھ کر چوروں کی طرح نصف شب کے بعد اس کے مکان کے پچھلے دروازے پر پہنچتا تھا اور وہ بھی اپنی جان پر کھیل کر اس کو اندر بلا لیتی تھی۔ نبیل کو اپنے وہ قول و قرار بھی یاد آ گئے جو پہلی ملاقات کے موقع پر اس نے عائشہ سے کئے تھے اور اس کے کہے ہوئے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے۔

" عائشہ خواہ تم بے وفائی کرو لیکن میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر

کہتا ہوں کہ میں بے وفائی نہ کروں گا ۔۔۔ میں تمہارا ہی رہوں گا ۔"

نبیل کی نگاہیں دیوار پر جمی ہوئی تھیں اور افتخار احمد کی اس کے چہرے پر ۔۔۔ یکایک اس نے جھرجھری لے کر ان کی طرف دیکھا اور پر جوش لہجے میں بولا ۔

"میں تیار ہوں ۔۔۔ میں عائشہ سے نکاح کروں گا ۔ میں نے خدا کو حاضر و ناظر جان کر اس سے وعدہ کیا تھا ۔ شاید خدا میرے گناہوں کو اسی بہانے سے معاف کر دے ۔"

"شاباش ۔۔۔" افتخار احمد نے اس کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے کہا ۔

"خدا تم کو ضرور معاف کرے گا ۔ جو سلامتی کی راہ اختیار کرتے ہیں وہ ان پر رحم کرتا ہے ۔ نکاح بھی زوجین کو سلامتی کی طرف لے جاتا ہے ۔"

افتخار احمد نبیل کے ساتھ اس کمرے میں آ گئے جہاں مولوی عقیل احمد بیٹھے ہوئے تھے ۔ عقیل احمد ان کو دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے ۔ افتخار احمد نے ان کو کرسی پر بٹھا کر کہا ۔

"نبیل نکاح کے لئے رضا مند ہو گئے ہیں ۔"

"تو پھر یہ رسم بھی آپ ہی کی موجودگی میں ادا ہو جانا چاہیئے ۔"

"کیا آپ تعاون کرینگے ؟"

"فرمائیے ! آپ کس قسم کا تعاون چاہتے ہیں ۔"

"ان کو غسل کرا کے صاف ستھرا جوڑا پہنائیے اور یہاں لے آئیے ۔"

"افتخار احمد نے کہا "میں عبدالستار صاحب کو ابھی بلاتا ہوں"
"ان کو تو اعتراض نہ ہو گا ـــــ" عقیل احمد نے دریافت کیا۔
"آپ اس کی فکر نہ کریں۔ ظہر کی نماز سامنے حویلی کی مسجد میں ادا کیجئے۔ اس کے بعد عقد نکاح ہو جائے گا"
"نکاح کے بعد یہ اپنی عروس کو لے کر کہاں جائیں گے؟"
"خدا اس مشکل کو بھی آسان کر دے گا"
عقیل احمد نے افتخار احمد سے مصافحہ کر کے ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد افتخار احمد نے آواز دے کر اظہار کو بلایا اور ان سے کہا۔
"اظہار! خدا نے بات رکھ لی۔ نبیل نکاح کے لئے رضامند ہو گیا۔ واقعی وہ بہت شریف اور سمجھدار لڑکا ہے اور مجھ کو خدا کی ذات سے قوی امید ہے کہ وہ بہت جلد سنبھل جائے گا"
"تو پھر اب کیا ارادہ ہے؟" اظہار نے پوچھا۔
"میں آج ہی دہلی جاؤں گا۔ اس لئے میں یہ چاہتا ہوں کہ بعد نماز ظہر یہیں نکاح ہو جائے۔ تم عبدالستار کے یہاں جاؤ اور ان سے کہہ دو کہ لڑکی کو غسل کرا کے نیا جوڑا پہنائیں اور ظہر سے قبل یہاں آ جائیں بعد نماز ظہر نکاح ہو گا۔ اس کام میں وہ تاخیر نہ کریں"۔
اظہار اسی وقت چلے گئے اور بیس منٹ بعد عبدالستار اور عبدالوہاب کے ساتھ واپس آ گئے۔

عبدالستار نے آتے ہی افتخار احمد کا شکریہ ادا کیا۔ اور ان سے کہا۔

"عائشہ کو اُن کی ماں نہلا رہی ہیں۔ میں نے کہہ دیا ہے کہ ریشمی جوڑا پہنا دو۔ اب یہ بتائیے کہ اس کے زیورات بھی اس کو پہنائے جائیں یا نہیں؟"

"آپ کو اختیار ہے ——" افتخار احمد نے کہا: "اگر آپ لڑکی کے زیورات اس کو دینا چاہتے ہیں تو نکاح کے بعد دیدیجئے گا۔"

"اس کے کپڑے بھی اس کو دے دوں؟"

"رکھ کر کیا کیجئے گا ——" افتخار احمد نے کہا: "اس کو دیجئے گا تو وہ پہن ڈالے گی۔"

"ان کی والدہ کا خیال ہے کہ دو چار برتن بھی دے دیئے جائیں۔"

یہ تو میں آپ سے کہنے ہی والا تھا۔ اس لئے کہ مولوی عقیل احمد ان دونوں کو اپنے یہاں نہ رکھیں گے۔"

"تو پھر وہ تنہا کہاں رہے گی؟"

"اگر آج کوئی مکان نہ مل سکا تو یہیں رہنے کی جگہ دے دوں گا اتنی بڑی لق و دق حویلی خالی ہی تو پڑی رہتی ہے۔ جہاں دل میں آئے رہیں۔"

"اگر آپ روزمرہ کے استعمال کے لئے برتن دے دیں گے تو اچھا ہے۔ ورنہ کوئی انتظام ہو ہی جائے گا۔"

"لیکن وہ لڑکا تو کچھ کرتا دھرتا نہیں ہے۔"

"اب کرے گا ـــ" افتخار احمد نے کہا۔ "مولوی عقیل احمد صاحب پڑھے لکھے اور سمجھدار آدمی ہیں میرے کہنے پر وہ بیس روپے ماہوار اس شرط پر دینے پر تیار ہو گئے ہیں کہ نبیل احمد بھی بیس روپے ماہوار پیدا کریں۔"

"لیکن وہ کرینگے کیا کام!"

"ڈاکخانے میں بیٹھ کر خط لکھ سکتے ہیں بساط خانے کے سامان کی پھیری لگا سکتے ہیں۔"

"خط لکھیں گے ـــ" عبدالستار نے کہا۔ "دنیا کیا کہے گی۔"

"جو کچھ اس وقت کہہ رہی ہے اس سے بہتر ہی کہے گی۔ انسان کو کسی کام میں شرم نہ کرنا چاہیے۔"

"خیر آپ جو مناسب سمجھیں کریں۔"

"آپ لڑکی کو یہاں کس وقت لائیں گے؟"

"ساڑھے بارہ بجے تک۔"

"اگر مناسب سمجھئے تو یہ بھی بتا دیجئے کہ کیا سامان دیجئے گا۔"

"سر دست جو ممکن ہو سکے گا دے دوں گا ـــ" عبدالستار نے کہا۔

"پلنگ، بستر دو چار برتن دو اسٹیل ٹرنک ایک سوٹ کیس چار چھ جوڑے کپڑے اور اس کے زیورات دے دونگا۔"

"خدا آپ کو جزائے خیر دے۔" افتخار احمد نے کہا۔ "مجھ کو یقین ہے۔ کہ ان کی زندگی سنور جائے گی۔"

"خدا کی ذات سے مجھ کو بھی یہی امید ہے۔" عبدالستار نے کہا۔ "خدا آپ کو اور آپ کے بچوں کو خوش رکھے۔ یہ سب آپ ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔"

"ستار بھائی اب آپ ان کو سنبھالنے کی کوشش کریں۔" انہوں نے عبدالوہاب کی طرف اشارہ کیا۔ "اس لئے کہ ان ہی سے آپ کا نام چلنا ہے۔"

"اللہ مالک ہے ——" عبدالستار نے کہا۔ "جب اس نے یہ مشکل آسان کر دی ہے تو آپ کی کوشش سے یہ بھی سر ہو جائیں گے۔"

عبدالستار اپنے لڑکے کے ساتھ چلے گئے۔

۴۵

اظہار نے ایک بڑے کمرے میں سب کے بیٹھنے کا انتظام کر دیا اور ساڑھے بارہ بجے عبدالستار اپنی اہلیہ اور عائشہ کو لے کر آ گئے۔ عبدالوہاب جہیز کا سامان دو مزدوروں کے سر پر رکھا کر بارہ بجے پہنچ چکا تھا۔ عائشہ اور عبدالستار کی اہلیہ کو دوسرے کمرے میں بٹھا دیا گیا۔ اس وقت حویلی میں صرف اظہار کی اہلیہ ان کی لڑکی اور بہو عقیل افتخار احمد نے ان کو بھی بلا کر دلہن کے پاس بٹھایا۔ اظہار نے چائے کا انتظام کر لیا۔ عقیل احمد اپنے لڑکے نبیل احمد اور اپنے چھوٹے بھائی عدیل احمد کے ساتھ ایک بجے آ گئے۔

نبیل قمیص پائجامہ اور سفید شیروانی پہنے ہوئے تھا۔ اظہار نے دولہا اور دلہن کے لئے پھر بھی ہار اور پھولوں کا گہنا تیار کرا لیا تھا۔

افتخار احمد نے پہلے عبدالستار اور عقیل احمد کو ایک دوسرے کے گلے سے ملایا اس کے بعد نبیل عبدالستار اور عبدالوہاب کے گلے ملا اور سب بیٹھ گئے۔

افتخار احمد نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"میرے لئے واقعی یہ انتہائی مسرت کا باعث ہے کہ میری کوششوں سے آپ لوگوں میں صلح اور صفائی ہو گئی۔ جو کچھ ہوا وہ انتہائی افسوسناک واقعہ تھا۔ لیکن اگر آپس میں مصالحت اور میل نہ ہوتا اور معاملات اس خوبی کے ساتھ نہ سلجھتے تو یہ اور بھی برا ہوتا۔"

"اظہار نے کہا۔" دونوں کی بدنامی ہوتی۔ اور اگر معاملہ پولیس کے ہاتھ میں پہنچ جاتا تو ذلت اور رسوائی کے ساتھ ہی روپیہ بھی برباد ہوتا اور نتیجہ کچھ بھی نہ نکلتا۔"

"کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتے۔" افتخار احمد نے کہا۔ "غلطی انسان ہی سے ہوتی ہے۔ اگر ہم ہی سے کسی سے غلطی سرزد ہو تو دوسروں کا فرض ہے کہ غلطی کرنے والوں کو معاف کر دیں اور گرتے ہوئے کو سہارا دے کر اٹھائیں۔ ہمارے نبی صلعم سے کفار نے کیسی گستاخیاں کیں لیکن آپ نے ہمیشہ معاف کر دیا۔ معاف کرنے والے کا درجہ بلند ہوتا ہے۔"

"افتخار بھائی! یہ سب آپ کی جدوجہد اور دوڑ دھوپ کا نتیجہ ہے۔" عبدالستار نے کہا۔ "میں کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔"

"ستار بھائی! ہر کام منجانب اللہ ہوتا ہے"۔ افتخار احمد نے کہا "اس میں بھی اس کی کوئی مصلحت تھی - ورنہ پرسوں میں دہلی میں تھا آپ لوگ پانی پت میں تھے اور نبیل میاں اور عائشہ بریلی میں تھے کسی کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ آج پانی پت کے دو مشہور اور پرانے معزز خاندانوں میں یہ رشتہ بھی قائم ہو گا - میں خوش ہوں کہ اس بہانے سے ایک سلسلہ قائم ہو گیا"۔

"افتخار صاحب"! مولوی عقیل احمد نے کہا "میں آپ کے اس خلوص اور اس ہمدردی کا کس طرح شکریہ ادا کروں - میرے پاس اس کے لئے مناسب اور موزوں الفاظ نہیں ہیں"۔

"میں نے صرف اپنا فرض ادا کیا"۔ افتخار احمد نے کہا ——— "پروردگار عالم نے انسان کو اسی لئے پیدا کیا کہ وہ ایک دوسرے کے کام آئیں - ایک دوسرے کے درد اور دکھ میں شریک ہوں اور وقت پر ایک دوسرے کی مدد کریں - اگر ہم میں یہ جذبہ نہیں ہے تو ہم میں اور جانور میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا ہے"۔

"بیشک اس میں کیا کلام ہے"۔

افتخار احمد نے گھڑی دیکھ کر کہا۔

"ظہر کا وقت ہو چکا ہے - آئیے پہلے نماز ظہر ادا کر لیں اس کے بعد اس فریضہ کو بھی ادا کر دیں"۔

سب نے حویلی کی مسجد میں نماز ظہر ادا کی اور اسی کمرے میں آ گئے

اظہار نے دلہن کا گہنا اور بدھی وغیرہ اندر بھیجدی اور نبیل کو اپنے ہاتھ سے بدھی پہنائی۔ عقیل احمد نکاح کے لئے چھوہارے وغیرہ لے آئے تھے۔ اور افتخار مسجد سے مولوی صاحب کو بلانے گئے تھے۔ افتخار احمد نے خود ہی سوا پانچ سو روپے کا مہر مقرر کیا۔ اور مولوی صاحب سے اجازت لے کر وکیل کی حیثیت سے دلہن کے پاس ایجاب و قبول کے لئے گئے اظہار اور عبدالوہاب گواہوں کی حیثیت سے ان کے ساتھ تھے۔ انہوں نے عائشہ سے دریافت کیا اور واپس آکر مولوی صاحب سے بتا دیا۔ مولوی صاحب نے نبیل سے بھی تین بار دریافت کیا ان کو پانچوں کلمے پڑھائے اور نکاح کا خطبہ پڑھ دیا۔

عقیل احمد نے اٹھ کر ان کو بطور نذرانہ پانچ روپے پیش کئے اور اپنے ہاتھ سے چھوہارے تقسیم کر کے بیٹھ گئے۔ نکاح میں دس بارہ افراد شریک ہو گئے تھے۔ اظہار نے چائے اور بسکٹ سے سب کی تواضع کی۔ اور جہیز کی فہرست پر نبیل کے دستخط کرانے کے بعد اس کی ایک فرد عبدالستار کو دے دی اور دوسری مولوی عقیل احمد کو دیتے ہوئے کہا۔

" سامنے کمرے میں جہیز رکھا ہوا ہے۔ آپ لوگ ملاحظہ فرمالیں "

افتخار احمد اور اظہار کے اصرار پر عقیل احمد اور ان کے بھائی نے کمرے میں جا کر جہیز دیکھا اور دونوں نے واپس آکر افتخار احمد کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کیا۔ اظہار اور افتخار نے بھی دولہا اور دلہن کے والدین کو مبارک باد دی اور سب بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

افتخار احمد نے عبدالستار اور عقیل احمد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "اب یہ میل آپ لوگوں میں رسمی نہ ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ خدا نے اس کو منافقت سے تعبیر کیا ہے۔ اور منافق کو برا کہا ہے۔ مسلمان کی شان یہ ہے کہ جس سے بھی ملے خندہ پیشانی کے ساتھ ملے دل میں کھوٹ اور کپٹ نہ رکھے۔"

"افتخار بھائی ۔۔۔۔" عبدالستار نے کہا "آپ کی شخصیت بھی کتنی متاثر کن ہے واقعی آپ ہم لوگوں کے لئے مشعل راہ ہیں۔"

عقیل احمد نے کہا "افتخار صاحب! یہ تو ایک حقیقت ہے واقعی آپ کی شخصیت پر کشش اور ہم لوگوں کے لئے ایک مثال ہے آپ نے جو کچھ بھی کیا ہے۔ خدا آپ کو اس کا نیک اجر دے گا۔"

"میں نے ہمیشہ خود کو دوسروں کا خادم سمجھا ہے۔" افتخار احمد نے کہا "دوسروں کو خوش دیکھ کر مجھ کو انتہائی مسرت ہوتی ہے۔ میرے لڑکے اور لڑکی کی شادی ہونے والی ہے ان فرائض کی ادائیگی کے بعد مجھ کو جو خوشی ہو گی وہی خوشی میں اس وقت بھی محسوس کر رہا ہوں گویا میں نے دنیا فتح کر لی ہے۔"

"بھائی صاحب! آپ کو تو خوش ہونا بھی چاہیئے کیونکہ یہ سب آپ ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے لیکن میں آپ سے بیان نہیں کر سکتا کہ مجھ کو کس درجہ خوشی ہوئی ہے۔"

"خاندانی نجابت اور شرافت چھپی نہیں رہتی" مولوی عقیل احمد

نے کہا " آپ دونوں اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ شاخ ثمردار ہی جھکتی ہے۔ اور اس کی زندہ مثال آپ ہیں۔ ورنہ کہاں ہم اور کہاں آپ "

" عقیل احمد صاحب ایسے الفاظ زبان سے نہ نکالئے " افتخار احمد نے عقیل احمد سے کہا " اس سے مجھ میں نخوت و غرور پیدا ہو سکتا ہے "

" افتخار صاحب! یہ ناممکن ہے۔ آپ کی شخصیت اور نخوت و غرور متضاد چیزیں ہیں "

" اچھا اب یہ بتائیے کہ فی الحال نبیل احمد اور ان کی اہلیہ کہاں رہیں گے ؟ "

افتخار احمد نے عقیل احمد سے دریافت کیا۔

" میں تو آپ سے صبح ہی کو عرض کر چکا ہوں " عقیل احمد نے کہا۔ " ویسے آپ کو اختیار ہے جو حکم دیں ہم اس کی تعمیل کے لئے تیار ہوں "

افتخار احمد کچھ سوچ کر اٹھے اور عقیل احمد کو ایک طرف لے جا کر کہا۔

عبدالستار نے تو بالکل اسی طرح یہ رسم ادا کی ہے جس طرح والدین کو کرنا چاہیئے۔ اور ہونا بھی یہی چاہیئے۔ یہ ناراضگی اور کشیدگی سب وقتی چیزیں ہیں عقیل صاحب ایک روز یہی آپ کے فرزند دلبند ہونگے یہی آپ کی بہو ہوں گی اور یہی آپ ہوں گے ——— آپ سب شیر و شکر ہو کر رہیں گے اور لڑکی اسی طرح اپنے والدین کے یہاں آیا جایا کرے گی

جس طرح عام طور پر لڑکیاں سسرال سے میکے اور میکے سے سسرال آتی جاتی ہیں۔"

عقیل احمد خاموش کھڑے ہوئے سنتے رہے۔

افتخار احمد نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"اگر آپ، فی الحال کسی خاص وجہ سے دونوں کو اپنے یہاں نہ رکھنا چاہتے ہوں تو نہ رکھیے لیکن میرے خیال میں تو دلہن کو آج یہاں سے رخصت ہو کر آپ ہی کے مکان پر جانا چاہیے۔"

"ضرور جائے گی۔" عقیل احمد نے کہا۔ "آپ ہمارے محسن ہیں۔ آپ کے حکم کی تعمیل ہو گی۔"

"یہ میرا حکم نہیں بلکہ استدعا ہے۔" افتخار احمد نے کہا۔ "مجھے اس سے بہت خوشی ہو گی۔"

"آپ کی خوشی ہماری خوشی ہے۔"

افتخار احمد نے عقیل احمد کو لپٹا لیا اور ان کی پشت تھپتھپا کر کہا۔

"آپ نے میری بات رکھ لی۔ مجھے شک تھا کہ شاید آپ میری یہ استدعا قبول نہ کریں۔"

"وہ کیسے ہو سکتا تھا ——" عقیل احمد نے کہا۔ "میں دونوں کو اسی وقت لے جاؤں گا۔"

"مجھے واقعی انتہائی مسرت ہو گی۔" افتخار احمد نے کہا۔ "اور مجھ سے زیادہ آپ کی اہلیہ کو خوشی ہو گی۔ ایسے موقعوں پر ماں کو جو خوشی

ہوتی ہے ہم اور آپ اسکا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے ہیں۔"

"افتخار صاحب یہ تو ایک حقیقت ہے۔" عقیل احمد نے کہا۔

"میرے ڈر سے انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ لیکن مجھ کو معلوم ہے کہ اس وقت ان کے دل پر کیا بیت رہی ہو گی۔"

"آپ مجھ ہی پر نہیں بلکہ اس بے بس اور بیکس ہستی پر بھی احسان کریں گے۔"

"افتخار صاحب یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ میں تو خود آپ کا احسان مند ہوں۔"

دونوں باتیں کرتے ہوئے دولہا کے پاس آ گئے اور افتخار احمد نے عبدالستار سے کہا۔

"ستار بھائی! دلہن اس وقت رخصت ہو کر اپنی سسرال جائیگی اب یہ بتائیے کہ آپ اس کو کل کس وقت بلائیں گے۔ یہ باتیں میں اس لئے دریافت کر رہا ہوں کہ میں آج ہی شام کی ٹرین سے دہلی چلا جاؤنگا"

"کیا آپ کل تک بھی نہ قیام کریں گے۔" عقیل احمد کے بھائی ہدیل احمد نے دریافت کیا۔

"جی نہیں بھائی جان۔" افتخار احمد نے فوراً جواب دیا۔

"آیندہ ہفتہ میرے لڑکے اور لڑکی کی بھی شادی ہے میں آج کل رخصت پر ہوں اور ان ہی انتظامات میں مصروف ہوں۔

"میری تو یہ خواہش تھی کہ آپ کل صبح دعوت ولیمہ میں شریک

ہو جاتے اور گیارہ بجے کی ٹرین سے چلے جاتے۔"

"اگر واقعی آپ لوگوں کا ایسا خیال ہے اور آپ لوگوں نے تہیہ کر لیا ہے کہ یہ کام اسی طرح ہو گا جس طرح ہونا چاہیئے تو میں ضرور قیام کروں گا۔ اس تقریب کو زیادہ سے زیادہ کامیاب اور پُر مسرت بنانے کے لیئے میں اپنے لڑکے اور لڑکی کی شادی کی تاریخیں بھی بڑھا سکتا ہوں۔"

"افتخار صاحب! مولوی عقیل احمد نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "آپ کے اس خلوص نے ہمارے عزائم بلند کر دیئے ہیں۔ ہم میں ایک نئی جرأت پیدا کر دی ہے۔"

"ہم دراصل اس وقت تک عزیزوں اور رشتہ داروں کی طعنہ زنی سے ڈر رہے تھے لیکن آپ نے ہماری ہمت افزائی کی ہے۔ جب آپ ہمارے ساتھ ہیں تو آپ کی وجہ سے ہم پر کوئی بھی طعنہ زن نہ ہو سکے گا۔"

"دنیا کی پرواہ نہ کیجئے۔" افتخار احمد نے کہا۔ "دنیا والوں کو تو کسی پہلو قرار نہیں آتا ہے وہ ایسے موقعوں پر اپنی اپنی بولیاں ضرور بولتے ہیں۔ میں تو سو کی ایک بات کہتا ہوں کہ جس کو ملنا ہو وہ ملے اور جو نہ ملنا چاہے وہ اپنے گھر خوش رہے۔ وقت ایک روز سب کو ایک سطح پر لے آئے گا۔"

"سبحان اللہ۔ افتخار بھائی —" عبدالستار نے پُر جوش

لہجے میں کہا ——— "کیا بات کہہ دی آپ نے۔ مجھے اس کا تجربہ ہو چکا ہے"

"عدیل میاں۔ خدا تم کو بہو مبارک کرے۔ میں تمہارے خیالات کی قدر کرتا ہوں۔ تم جاؤ اور ولیمہ کا انتظام کرو۔ میں اور میرے قریب ترین عزیز اس تقریب میں شریک ہوں گے۔ زیادہ نہیں تم سو سوا سو آدمیوں کی دعوت کا انتظام کر لو۔"

"انتظام تو چٹکی بجاتے ہو جائے گا ———" عدیل نے کہا۔ میرے بھی خاص عزیز اور رشتہ دار اس دعوت میں شریک ہوں گے ہم ایک اچھے گھرانے کی لڑکی کو بہو بنا کر لئے جا رہے ہیں۔ اگر کوئی ہمارے اس اقدام کو غلط ثابت کر دے تو ہم اس کے ہر مشورے پر عمل کرنے کے لیے تیار ہیں۔"

"بیشک! یہ ہے جرأت مندانہ اقدام۔ ہم پرانے اور فرسودہ سماج کو اسی طرح بدل سکتے ہیں اور بدعتوں اور غیر شرعی رسم و رواج سے اسی طرح چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں۔" افتخار صاحب نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "میں کہتا ہوں کہ غلطی کس سے نہیں ہوتی لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اس سے ہمیشہ کے لیئے قطع تعلق کر لیا جائے۔ ہم کو اپنے نبی کا اتباع کرنا چاہیئے۔ وہ سب کو معاف کر دیتے تھے۔ ہم کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اسی طرح غلطی کرنے والے کی اصلاح ہو سکتی ہے۔"

وہ چند سکنڈ کے لئے خاموش ہوئے اور پھر عقیل احمد سے کہا

"اچھا تو پھر مزدور اور ٹانگے بلوا لیجیے تاکہ جہیز پہنچا دیا جائے۔
اور دلہن رخصت ہو کر اپنے سسرال جائے۔ عدیل میاں تم جا کر اپنی بھاوج سے کہہ دو کہ ان کی بہو آ رہی ہے اور اسی طرف سے ٹانگے اور مزدور لیتے آؤ۔"

عدیل احمد اسی وقت چلے گئے۔ عبدالستار نے افتخار احمد سے کہا۔

"افتخار بھائی۔ اب جبکہ سب معاملات طے ہو گئے ہیں اور واقعی صحیح معنوں میں صلح اور صفائی ہو گئی ہے تو مجھے اجازت دیجیے کہ میں ہر وہ چیز جو میں نے لڑکی کو دینے کے لئے خریدی تھی لے آؤں۔"

"اس سے بڑھ کر خوشی کی اور کیا بات ہو سکتی ہے۔" افتخار احمد نے کہا "وہ واقعی بڑا کارساز ہے۔ آپ جا کر سب سامان لے آئیے رخصتی سے قبل ہم سب کو دو رکعت نفل ادا کرنا چاہیئے۔"

عبدالستار نے اپنی اہلیہ کے پاس جا کر ان سے گفتگو کی اور ان کو اور عبدالوہاب کو اسی وقت اپنے ساتھ لے گئے۔ افتخار احمد نبیل کو سمجھانے لگے۔ عقیل احمد نے کہا۔

"افتخار صاحب! ان کو تو دوسرا کاروبار کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اگر کوشش کریں تو اسی دوکان سے سوگنی آمدنی ہو سکتی ہے۔"

"اب ان کو کوشش کرنا ہی پڑے گی۔ آج سے ان کی زندگی

کا نیا دور شروع ہو رہا ہے۔ اگر ان میں ذرا بھی عقل ہے تو اس زندگی کو ہر جہت سے خوشگوار بنانے کی کوشش کریں گے۔"

وہ دونوں نبیل احمد کو سمجھاتے رہے۔ کچھ دیر بعد عدیل مزدور اور دو تانگے لے کر آ گئے۔ ایک تانگے پر نبیل کی والدہ اور بہن بھی تھیں ان کو دلہن کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ عدیل کی واپسی کے نصف گھنٹہ بعد عبدالستار بیس تانگوں پر جہیز کا کل سامان لے آئے۔ اظہار نے اسی وقت دوسری فہرست مرتب کی اور بعد نماز عصر عائشہ حویلی سے رخصت ہو کر اپنی سسرال پہنچ گئی۔

افتخار احمد شام کو عبدالستار کے ساتھ چند رشتہ داروں سے ملنے کی غرض سے نکلے اور سب سے پہلے مختار احمد کے پاس پہنچے۔ ان کو نکاح کی خبر مل چکی تھی۔ انہوں نے دونوں کو دیکھتے ہی مبارک باد دی ان کے لہجے میں طنز تھا۔ افتخار صاحب نے فوراً کہا۔

"کیا آپ کو اس اقدام سے اتفاق نہیں ہے؟"

"میرا اتفاق اور اختلاف کوئی اہمیت نہیں رکھتا ہے۔"

"یعنی آپ عبدالستار صاحب سے بے تعلق ہو چکے ہیں؟" افتخار احمد نے کہا۔

"یہ تو میں نے نہیں کہا۔"

"لیکن اس کا مطلب تو یہی ہے۔" افتخار احمد نے کہا۔

"افتخار بھائی آپ تو مجھ سے زیادہ سمجھدار ہیں۔" مختار احمد نے کہا

"یہ طنز ہے یا آپ کے خیالات کی صحیح ترجمانی ؟"

"حقیقت ہے۔"

"تو پھر آپ کو اس نکاح پر اعتراض نہ ہونا چاہیئے ۔۔۔" افتخار احمد نے کہا۔ "صورت حال کے پیش نظر اس سے بہتر کوئی دوسری تجویز نہیں تھی۔"

اپنے اور پرائے کا منہ آپ کیسے بند کریں گے۔" مختار احمد نے کہا۔ "آپ کس کس کو سمجھائیں گے۔"

"جب آپ کی لڑکی کی شادی ہوئی تھی تو آپ نے کھانا پکانے کے لئے دہلی سے باورچی بلائے تھے اور واقعی انہوں نے بہت اچھا کھانا پکایا تھا۔ لیکن خاندان کے بعض افراد نے اس کھانے کا بھی مذاق اڑایا تھا۔ یہ باتیں یاد ہیں نا آپ کو ؟"

"جی ہاں ۔۔۔ یاد ہیں۔"

"اب مجھے یہ بتائیے کہ آپ نے کس کس کا منہ بند کیا تھا ؟"

مختار احمد بغلیں جھانکنے لگے۔ افتخار احمد نے کہا۔

"کہنے والے کی زبان نہیں پکڑی جا سکتی ۔۔۔ جو کچھ ہوا واقعی برا ہوا لیکن اب اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے۔ کہ غلطی کرنے والے کی اصلاح نہ کی جائے۔"

"بہرحال میں تو آپ کا ہم خیال ہوں۔ میرے دل میں جو بات کھٹک رہی تھی میں نے کہہ دی اور آپ نے مجھ کو مطمئن کرا دیا۔"

"اگر اس مسئلہ پر کوئی بحث کرے تو اسے اس کو مطمئن کرانا آپ کا کام ہے۔ آپ بھی ماشاءاللہ دانا اور بینا ہیں"۔

عبدالستار نے کہا۔ "کل دعوت ولیمہ ہے۔ میرے ساتھ آپ بھی چلیں گے۔ میں رات کو کسی وقت اگر تنہا جاؤں گا کہ کتنے آدمی چلیں گے"۔

دونوں ان سے رخصت ہو کر چند دیگر رشتہ داروں کے مکان پر پہنچے۔ ان میں سے صرف ایک نے اس تقریب میں شرکت سے انکار کیا۔ افتخار احمد کو اپنے خاندان کے ہر فرد کے متعلق معلوم تھا۔ کہ وہ کیا ہے اس لیے اپنے استدلال سے انہوں نے اس رشتہ دار کو بھی اپنا ہم خیال بنا لیا اور آٹھ بجے حویلی واپس آ گئے۔

عدیل احمد ان دونوں کے انتظار میں اظہار احمد کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ افتخار احمد کو دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے۔

"کیوں عدیل میاں کیسے زحمت کی؟" افتخار احمد نے دریافت کیا۔

"نو بجے سے کھانا شروع ہو گا۔" عدیل نے کہا۔ "بھائی صاحب نے کہا کہ پچاس مرد اور پچاس عورتیں آئیں۔ انہوں نے آپ سے بہت معذرت کی ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ افتخار صاحب کو حالات کا علم ہے۔ اس لیے اس پر اعتراض نہ کریں کہ تعداد کیوں مقرر کی"۔

"میاں یہ بھی بہت ہے۔" افتخار احمد نے کہا۔ "میں نے تو چلتے وقت کہہ دیا تھا کہ اپنے اور عبدالستار صاحب کے مہمانوں کو ملا کر سو کا انتظام کر لو"۔

"ڈھائی سو کا انتظام کیا ہے۔"

"خدا ان کی روزی میں برکت دے۔" افتخار احمد نے کہا "میں تو آٹھ بجے پہنچ جاؤں گا اب تم اپنے سمدھیانے بھی چلے جاؤ اور اپنے سمدھی سے کہہ دو۔ تاکہ وہ اسی وقت رشتہ داروں کو مطلع کر دیں۔ شام سے تو وہ میرے ہی ساتھ تھے ابھی مکان گئے ہیں۔"

"بہتر ہے۔" عدیل احمد نے کہا "میں یہاں سے وہیں جاؤں گا۔"

عدیل احمد کے جانے کے بعد افتخار احمد نے نماز عشا ادا کی اور اظہار احمد کے ساتھ کھانا کھا کر اپنے پلنگ پر بیٹھ گئے اور حقہ پینے لگے۔

"بھائی صاحب! آج تو معجزہ ہوا ہے۔"

"میاں یہ اس کی کریمی ہے۔ جب کام بنتا ہے تو اسی طرح بنتا چلا جاتا ہے۔"

آپ نے سلام کرائی میں کیا دیا؟"

"پچاس روپے ــــــ"

"پچاس میں نے بھی دے دیئے۔"

"بس ٹھیک ہے۔" افتخار احمد نے کہا "خدا کا شکر ہے۔ کہ سب کام حسب منشا ہو گیا۔"

"جی ہاں! اور یہ بھی ایک اتفاق تھا کہ میں کل باجی کے ساتھ گیا۔ بچے وغیرہ تو سب تیار ہو چکے تھے۔"

"اب کل گیارہ بجے کی ٹرین سے چلو۔ دو بجے تک پہنچ جائیں گے۔"

"جی ہاں! سب سامان بندھا ہوا رکھا ہے۔"

افتخار احمد کچھ دیر بعد سو گئے۔ صبح اٹھ کر نماز فجر ادا کی اور اظہار کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ عبدالستار رات ہی کو ولیمہ میں شرکت کے لئے تیار تھے۔ اس لئے وہ اور اظہار معہ اہل وعیال کے آٹھ بجے نبیل احمد کے مکان پر پہنچ گئے۔ سب نے افتخار احمد کی روانگی کی وجہ سے نو بجے کھانا کھایا۔ جس کو جو کچھ بھی دینا تھا اس نے عقیل احمد کو دیا اور دس بجے افتخار صاحب حویلی واپس آ گئے۔ ملازم نے ٹانگے بلا لئے تھے۔ تانگوں پر سامان رکھا گیا اور افتخار احمد، اظہار اور ان کے بال بچوں کے ساتھ کچھ دیر بعد اسٹیشن پہنچ گئے۔ اسٹیشن پر نبیل احمد ان کے والد اور چچا اور عبدالستار وغیرہ ان کو رخصت کرنے آئے۔ افتخار احمد نے ایک بار سب کو سمجھایا اور گیارہ بجے کی ٹرین روانہ ہو گئے۔"

۴۶

افتخار احمد نے جیسے ہی گھر میں قدم رکھا۔ جبیدہ بیگم نے ان کو دیکھتے ہی کہا۔

"افتخار! تم تو پانی پت پہنچکر ایسے جھمیلے میں پڑ گئے کہ گھر کی خیر ہی نہ رہی!"

"باجی کیا بتاؤں ـــــ!" افتخار احمد نے پلنگ پر بیٹھتے ہوئے کہا "معاملہ ہی ایسا تھا کہ ٹھہرنا پڑا۔ اگر میں نہ ٹھہرتا تو نبیل احمد کی دعوت ولیمہ میں عبدالستار کی طرف سے خاندان کا کوئی شخص بھی نہ شریک ہوتا!"

زبیدہ بیگم بھی آکر بیٹھ گئیں اور شفیق اور عتیق بھی کمروں سے نکل آئے۔ افتخار احمد نے تفصیل کے ساتھ سب واقعات بتانے کے بعد کہا۔

"مجھے اس حد تک کامیابی کی توقع نہ تھی۔"

"واقعی یہ تو ایک معجزہ ہو گیا ــــ" شفیق الرحمن نے کہا "مولوی عقیل احمد تو خیر بہت معقول انسان ہیں لیکن عبدالستار بہت ضدی اور ہٹ کے پکے ہیں۔ انکا رضامند ہو جانا واقعی کمال ہے۔"

افتخار احمد نے کہا "افتخار احمد نے تو پہلے انکار ہی کر دیا تھا۔ کہ دونوں گھر میں قدم نہ رکھ سکیں گے لیکن حالات خود بخود ایسی شکل اختیار کرتے رہے کہ وہ بھی نکاح سے قبل راہ راست پر آگئے۔"

"افتخار! واقعی تم نے بہت بڑا کام کیا ہے" شفیق الرحمن نے کہا ــــ "ورنہ حالات بد سے بدتر ہی ہوتے جا رہے تھے اور آپس میں فوجداری کا لاانتہائی سلسلہ شروع ہو جاتا اس لئے کہ عقیل احمد کا خاندان بھی بڑا ہے اور ان کے رشتہ داروں میں ایک سے ایک اجڈ اور چنڈو باز ہے اور عبدالستار کی وجہ سے اپنے گھرانے والوں کو بھی بولنا پڑتا۔"

زبیدہ بیگم نے کہا "کل شام سے بہن دو مرتبہ دریافت کر چکی ہیں۔"

"میں ابھی ادھر سے یہاں جاتا ہوں ــــ" افتخار احمد نے کہا۔ "طاہرہ اور حامد میاں تو خیریت سے ہیں۔"

"طاہرہ کو زکام ہو گیا ہے۔ کل تمام دن گری پڑی رہیں۔"

"ڈاکٹر کو نہیں دکھایا ــــ؟" افتخار احمد نے دریافت کیا۔

"میں شام کو ڈاکٹر کے یہاں لے گئی تھی۔ حامد کسی ضرورت سے اپنے بڑے ماموں کے یہاں گئے ہوئے تھے اس لئے میں نے اعجاز کو اپنے ساتھ لے لیا تھا۔"

"اب تو ٹھیک ہیں؟"

"جی ہاں! آپ بھی ہو آئیے۔" زبیدہ بیگم نے کہا۔

افتخار احمد اسی وقت حامد کے یہاں پہنچے۔ حامد اس وقت بھی کسی ضرورت سے کہیں گیا ہوا تھا۔ طاہرہ نے ان کو کمرے میں بٹھایا اور سلام کیا۔ انہوں نے اس کی طبیعت کے متعلق دریافت کیا۔ اسی عرصہ میں احمدی بیگم پردے کے پاس آ کر کھڑی ہو گئیں اور افتخار احمد سے باتیں کرنے لگیں۔ انہوں نے ان کو بھی تفصیل کے سب واقعات سنائے

"خدا آپ کو اس کا نیک اجر دے گا ——" احمدی بیگم نے کہا۔ "آپ نے بہت اچھا کیا جو ٹھہر گئے۔ دونوں خاندانوں میں میل تو ہو گیا۔"

"بہن! میں آپ سے بیان نہیں کر سکتا کہ مجھ کو کتنی مسرت ہوئی ہے۔"

"آپ کو حج اکبر کا ثواب ملے گا۔" احمدی بیگم نے کہا۔ "جب آپ کل شام کو نہیں آئے تو میں سمجھ گئی کہ مصالحت کی کوئی صورت نکل آئی ہے۔ اسی لئے آپ نہیں آئے ہیں۔"

"اعجاز کی امی کہہ رہی تھیں کہ آپ کو مجھ سے کوئی کام تھا۔"

"جی ہاں۔" احمدی بیگم نے کہا۔ "دریافت یہ کرنا تھا کہ کیا آپ

کہیں سے تفسیر قادری کامل منگا سکتے ہیں "۔

"میں آج شام کو جامع مسجد کی طرف جاؤں گا تو دریافت کر لوں گا۔

"اور یہ بھی پوچھنا تھا کہ کیا چوتھی اور چالے کی رسمیں ہوں گی ؟"

"جی نہیں بہن ــــــ" افتخار احمد نے فوراً جواب دیا۔ "یہ سب فضول رسمیں ہیں۔ اب ضرورت اس کی ہے کہ ان بدعتوں کو ختم کر دیا جائے دراصل مسلمانوں میں یہ رسمیں راجپوتوں کے توسط سے آئیں۔ اور صرف دہلی اور یوپی ہی میں ان کا رواج ہے "۔

"میں خود بھی ان بدعتوں کی قائل نہیں " احمدی بیگم نے کہا۔

"اور کل میں نے بہن زبیدہ بیگم سے یہی کہا تھا لیکن بابا کی باتوں سے پتہ چلا کہ وہ ان رسموں کے حق میں ہیں "۔

"میں آج شام کو ان سے گفتگو کروں گا اور ان کو سمجھاؤں گا "۔ افتخار احمد نے کہا۔ "اگر وقت ملے تو آپ بھی بعد مغرب آجائیے گا "۔

"اگر بڑی بھابی آگئیں تو میں ضرور آؤں گی"۔

افتخار احمد نے کہا "اب تو ان لوگوں کو کچھ عرصے کے لئے مستقل طور پر آجانا چاہیئے "۔

"جی ہاں! وہ آج سے یہیں رہیں گی۔ تاج کی دلہن بھی آجائیں گی۔ اور پرسوں نور بانو "۔

طاہرہ نے اندر سے خاصدان لا کر ان کے سامنے رکھ دیا۔

"بھئی ابھی عصر کی نماز نہیں پڑھی ہے ــــــ" انہوں نے مسکرا

کر کہا۔

"ابھی تو وقت ہے قلی کر لیجئے گا۔" امی نے ان کی طرف نقاہت سے پان بڑھاتے ہوئے کہا۔

افتخار احمد پان کھا کر چلے گئے۔ شام کو احمدی بیگم ان کے یہاں گئیں۔ دالان میں زبیدہ بیگم کے پاس زبیدہ بیگم اور صغریٰ بیٹھی ہوئی ان سے باتیں کر رہی تھیں۔ طلیعہ سہیل کے کمرے میں تھی اور شاہدہ اور زاہدہ دالان کے ایک گوشے میں بیٹھی ہوئی اپنے دوپٹے میں ٹچکہ ٹانک رہی تھیں۔ زبیدہ بیگم نے احمدی بیگم کو اپنے پاس بٹھا لیا اور عبیدہ بیگم نے مسکرا کر پوچھا۔

"سمدھی سے کیا باتیں ہوئیں؟"

"ایسی باتیں دوسروں سے نہیں بتائی جاتی ہیں۔" انھوں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"دیکھئے سمدھن!" زبیدہ بیگم نے احمدی بیگم کا ہاتھ پکڑ کر ان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "آپ خواہ چوتھی اور چالوں کو بدعت کہیں یا شرک کہیں ان شادیوں میں تو یہ رسمیں ضرور ہوں گی۔"

"ماشاءاللہ بھرا پرا کنبہ ہے۔ لڑکیاں اگر ایک ایک روز کے لئے ایک ایک رشتہ دار کے یہاں جائیں تو سات چالے ہو جائیں گے۔"

"میں نے انکار تو نہیں کیا ہے۔" احمدی بیگم نے ہنس کر کہا۔

"میں نے تو صرف اپنا خیال ظاہر کیا ہے اور بھائی صاحب کا بھی

یہی خیال ہے۔"

"وہ تو وقت سے پہلے سٹھیا گئے ہیں ۔۔۔۔" حمیدہ بیگم نے کہا

"مجھ کو تو اٹھتے بیٹھتے روشن خیالی اور مغرب کی کورانہ تقلید کے طعنے دیتے رہتے ہیں۔ لیکن خود بزرگوں کی رسمیں ترک کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ یہی دن ہوتے ہیں نئی نویلی دلہن کی قدر کے اور اسی بہانے اس کی خاطر و تواضع ہو جاتی ہے۔ ورنہ بعد میں کون کس کو پوچھتا اور بلاتا ہے۔ بس گھر گرہستی کے جھمیلوں میں پھنس جاتے ہیں۔"

"حقیقت تو یہی ہے ۔۔۔" صغریٰ باجی نے کہا۔ "گھر ہی میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔"

افتخار احمد کہیں گئے ہوئے تھے۔ وہ بھی آ گئے۔ شبیدہ بیگم نے ان کو دیکھ کر احمدی بیگم سے کہا۔

"سمدھی سے کب تک پردہ کیجئے گا۔"

"پردہ تو خیر کیا ہاں آنکھوں کی شرم ہے ۔۔۔" احمدی بیگم نے جواب دیا۔

افتخار احمد صحن ہی میں آڑ میں کھڑے ہو گئے تھے۔ زبیدہ بیگم نے اپنے دوپٹے کا آنچل تان لیا اور دوسرے کمرے میں چلے گئے۔

"صغریٰ باجی نے حمیدہ بیگم سے کہا۔ اب اپنے بہنوئی سے بحث کر لو۔"

"ان سے کیا بحث کروں وہ دوسرے کی تو سنتے ہی نہیں ہیں۔ بس

اپنی کیے جاتے ہیں۔"

"کیا قصہ ہے باجی ــــ" افتخار احمد نے کہا۔" آپ کیوں ناراض ہو رہی ہیں۔"

زبیدہ بیگم بول اٹھیں۔" ناراض اس بات پر ہو رہی ہیں کہ سمدھی اور سمدھن مل کر چوتھی اور چالے کی رسم ختم کرنا چاہتے ہیں۔"

"تو اس میں ناراضگی کی کونسی بات ہے ــــ" افتخار احمد نے کہا۔

"یہ تو ایک اچھی مثال ہوگی اور دوسرے اس کی پیروی کریں گے۔"

"ایسی اچھی مثال سے معاف رکھیئے۔" عبیدہ بیگم نے کہا۔ "ان شادیوں میں تو چوتھی بھی ہوگی اور چالے بھی ہونگے اس کے بعد اپنے بیٹے اور اپنی بہو اور اپنی بیٹی اور اپنے داماد سے کہہ دیجئے گا کہ وہ اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کی شادیوں میں یہ بدعتیں نہ کریں۔"

"باجی ــــ آخر اس سے فائدہ کیا ہوگا؟"

"تو نقصان بھی کیا ہوگا؟" عبیدہ بیگم نے بھی برجستہ پوچھا۔

"میں بحث نہیں کر رہا ہوں۔ بلکہ آپ کو سمجھا رہا ہوں۔"

"اور میں سمجھنے سے انکار کر رہی ہوں اور کرتی رہوں گی۔ عبیدہ بیگم نے کہا۔ افتخار اس سلسلہ میں نہ تمہاری ضد چلے گی اور نہ تمہاری سمدھن کے استدلال سے کوئی مرعوب ہوگا۔"

احمدی بیگم نے ہنس کر کہا۔" جن میں نے تو آپ سے کچھ کہا بھی

نہیں ——"

"اسی لئے تو میں بھی آپ سے کچھ نہیں کہہ رہی ہوں"

"اچھا صاحب ——" افتخار احمد نے کہا "چوکی بھی ہوگی اور چاولے بھی ہوں گے"

"ضرور ہوں گے ——" عبیدہ بیگم نے پورے یقین کے ساتھ کہا "دوسروں کے ارمان بھی تو نکلیں"

احمدی بیگم نے اسی طرح مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو پھر جلوا اور سہرا بھی ہوگا؟"

"ضرور ہوگا۔ اسی وقت تو خاندان کی لڑکیاں اور عورتیں دولہا کو اطمینان کے ساتھ دیکھتی ہیں"

افتخار احمد ہنسنے لگے۔ عبیدہ بیگم نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"پرانی رسمیں تو سب ہوں گی"

صغریٰ بول اٹھیں ——" کہہ تو دیا افتخار نے کہ سب رسمیں ہونگی۔

"لیکن میراثنیں نہیں آئیں گی ——" افتخار احمد نے کہا "یہ رسمیں تو خیر بدعت ہیں۔ لیکن وہ جو کچھ بھی کرتی ہیں وہ شرک ہے۔ میں جان بوجھ کر اس کا مرتکب نہیں ہو سکتا"

"ان کو صرف گانے اور ناچنے کے لئے بلایا جائے" عبیدہ بیگم نے کہا "اس میں تو تم کو یا تمہاری سمدھن کو کوئی اعتراض نہ ہوگا"

"بہن! آپ سمدھن کے پیچھے تو ہاتھ دھو کر پڑ گئی ہیں۔" احمدی بیگم نے فوراً ہنس کر کہا۔ "اپنے بہنوئی سے آپ ہی نپٹئے۔ دوسروں کو بلا وجہ کیوں گھسیٹ رہی ہیں۔"

"مجھے تو حق ہے ۔۔۔" عبیدہ بیگم نے کہا۔ "میں تو ضرور آپ کو کہوں گی۔"

"تو پھر سننے کے لئے بھی تیار رہو ۔۔۔" صغریٰ باجی نے کہا۔

"بیشک ۔۔۔" عبیدہ بیگم نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ "کہوں گی تو سنوں گی بھی!"

زبیدہ بیگم نے عائشہ کا ذکر چھیڑ دیا اور وہ آپس میں آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگیں۔

سبل ۔۔۔ اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی ان کی باتیں سن رہی تھی۔ اس نے صبیحہ سے کہا۔

"آج امی بہت خوش ہیں۔"

"بھابی جان آپ ان کو ممی کیوں نہیں کہتی ہیں۔"

"اس لئے کہ اب میں مشرقی ہوں اور مجھ کو مشرقی باتیں پسند ہیں۔" سبل نے کہا۔ "امی کہنے سے جس خلوص کا اظہار ہوتا ہے لفظ ممی میں اس کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا ہے۔"

صبیحہ نے کہا۔ "جب شاہدہ اور زاہدہ ابا کو ڈیڈی کہتی ہیں تو مجھ کو ہنسی آجاتی ہے۔"

سنبل ہنسنے لگی۔ اسی وقت شاہدہ اٹھ کر اندر آئی اور اس نے دونوں کے پاس بیٹھ کر ان سے کہا۔

"خالہ امی کہہ رہی ہیں کہ نائشہ مسنہ بریلی میں نبیل کو چھوڑ دیا تھا اور اس پر جوتی لے کر کھڑی ہو گئی تھی۔"

صبیحہ نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور شاہدہ سے کہا۔

"شاہدہ ایسی باتیں سننا بھی گناہ ہے۔ اگر اتفاق سے تمہارے کان میں ایسی کوئی بات پڑ جائے تو توبہ اور استغفار کے بعد دوسروں کے لئے دعائے خیر کرو۔"

شاہدہ شرمندہ ہو کر ہنسنے لگی اور زاہدہ بھی اپنا دوپٹہ لئے ہوئے اندر آ گئی۔ اس نے آتے ہی سنبل سے کہا۔

"ممی نے سب کو راضی کر لیا ہے۔ ان شادیوں میں سب رسمیں ہوں گی۔"

"میرے خیال میں عورتوں کی دلچسپی اور تفریح کے لئے دو چار ایسی رسمیں ضرور ہونا چاہئیں ۔۔۔" سنبل نے کہا۔ "لیکن ان کو وہ اہمیت نہ دینا چاہیئے جو ہندوستانی گھرانوں میں آج کل دی جا رہی ہے۔"

صبیحہ مسکرائی لیکن فوراً ہی سنجیدہ ہو گئی۔ سنبل نے فوراً اس سے کہا۔

"تم مسکرائی کیوں! اور فوراً سنجیدہ کیوں ہو گئیں؟"

"کوئی خاص بات نہ تھی —" صبیحہ نے ٹالنے کی غرض سے کہا۔

"میں کبھی نہ مانوں گی —" سبل نے کہا۔ "تھی ضرور کوئی خاص بات۔"

صبیحہ نے انکار کیا۔ سبل نے فوراً اپنی قسم دے کر کہا۔

"جلد بتاؤ۔"

"رسموں پر ایک دلچسپ قصہ یاد آیا۔" صبیحہ نے کہا۔ "بھابی جان آپ نے کبھی اس پہلو پر بھی غور کیا ہے۔ کہ رسمیں کیسے بنتی ہیں۔"

"نہیں —" سبل نے ہنس کر کہا۔ "مجھے تو خیر مشرقی معاشرے اختیار کئے ہوئے ابھی جمعہ جمعہ صرف آٹھ ہی دن ہوئے ہیں۔ لیکن میرے خیال میں شاید ہماری بڑی بوڑھیوں نے بھی اس پر غور نہ کیا ہوگا۔ کہ رسمیں کس طرح بنتی ہیں؟"

"ہاں یہ تو ایک حقیقت ہے۔" صبیحہ نے کہا۔

زاہدہ بول اٹھی۔ "صبیحہ آپا! للّٰہ وہ قصہ سنائیے۔"

"سناتی ہوں۔" صبیحہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کسی قصبے میں ایک خانصاحب رہتے تھے ان کے یہاں ایک کالی بلی پلی ہوئی تھی۔ بلیاں تو چور ہوتی ہی ہیں ان کو جو چیز مل جاتی ہے چٹ کر جاتی ہیں۔ خاں صاحب کی بلی بھی بہت چور تھی۔ جب خانصاحب کے لڑکے کی شادی ہوئی تو خانصاحب کی بیوی اور گھر کی دوسری عورتیں برات کے

ساتھ جانے کے لئے تیار ہوئیں اور سواریوں پر بیٹھنے لگیں اس وقت خانصاحب کی اہلیہ کو خیال آیا کہ گھر میں کھانے پینے کی ہر چیز یعنی دودھ دہی بالائی پلاؤ قورمہ سب ہی کچھ کھلا ہوا رکھا ہے۔ اگر بلّی کو کھلا ہوا چھوڑ دیا گیا تو وہ سب چیزیں برباد کر دے گی۔ اس لئے انہوں نے اپنے چھوٹے بچوں اور رشتہ داروں سے کہا کہ بلّی کو پکڑ کر جھلّی کے نیچے بند کر دیں اور اس کے اوپر سِل رکھ دیں۔"

شاہدہ زاہدہ اور سنبل بہت توجہ کے ساتھ قصّہ سن رہی تھیں صبیحہ نے قصّہ سناتے ہوئے کہا۔

" خانصاحب کی اہلیہ اس کالی بلّی کو بہت چاہتی تھیں۔ جب برات واپس آئی تو انھوں نے دلہن کو کمرے میں بٹھانے کے بعد اپنی لڑکیوں کو آواز دے کر کہا کہ وہ بلّی کو کھول دیں۔"

اور بلی کھول دی گئی" سنبل نے ہنس کر کہا۔

" جی ہاں ——— اور بات آئی گئی ہو گئی ———" صبیحہ نے کہا۔ خانصاحب کے لڑکے کے یہاں خدا نے بیٹا دیا اور جب وہ جوان ہوا تو اس کی بھی شادی ہوئی۔ اس وقت خانصاحب اپنی اہلیہ کے ساتھ کسی دوسرے شہر میں تھے۔ اس لئے اپنے پوتے کی شادی میں شریک نہ ہو سکے۔ لیکن ان کی لڑکیاں اپنے بھتیجے کی شادی میں شریک ہوئیں اور جب بارات جانے لگی تو خانصاحب کی ایک لڑکی نے اپنی بھاوج سے کہا کہ بھابی برات روانہ ہونے سے پہلے ایک کالی بلّی بھی تو گھر میں جھلّی کے نیچے بند کی جاتی ہے۔

سنبل مسکرانے لگی۔ صبیحہ نے داستان بیان کرتے ہوئے کہا۔
"لڑکے کی ماں کو یاد آگیا کہ جب وہ دلہن بن کر آئی تھی اور کمرے میں پہنچائی گئی تھی تو اس کی ساس نے اپنی لڑکیوں سے ایک بلی کو کھلوا دیا تھا۔ اس لئے اس نے بھی اپنے شوہر کو بلا کر کہا کہ جب تک بلی ٹب کے نیچے بند نہ کر دی جائے برات کیسے جا سکتی ہے۔"
شاہدہ اور زاہدہ بھی ہنسنے لگیں۔ صبیحہ نے قصہ سناتے ہوئے کہا۔
"ہر طرف ایک کالی بلی تلاش کی جانے لگی اور بدقت تمام ایک شخص نے پانچ روپے لے کر ایک کالی بلی دی اور اس کے بعد اس خاندان میں برات کی روانگی سے قبل کالی بلی کو بند کرنے کی رسم عام ہو گئی۔ خاں صاحب اور ان کی اہلیہ نے بھی اس رسم پر توجہ نہ دی۔ لیکن جب خاں صاحب کے رشتہ داروں نے اس عجیب رسم کے متعلق خاں صاحب اور ان کے گھر والوں سے دریافت کیا تو یہ راز کھلا کہ خاں صاحب کی اہلیہ نے محض کھانے کی حفاظت کے خیال سے اپنی کالی بلی کو جھل کے نیچے بند کر دیا تھا۔"
سب کھلکھلا کر ہنسنے لگیں اور جب ان کے قہقہے کم ہوئے، تو سنبل نے کہا۔
"واقعی یہ مہمل رسمیں اسی طرح چلتی ہوں گی۔"
"کن مہمل رسموں کی مذمت ہو رہی ہے۔" احمدی بیگم نے کمرے

میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

صبیحہ سلام کر کے شرما گئی۔ سبل زاہدہ اور شاہدہ نے بھی سلام کیا اور ہنسنے لگیں۔ احمدی بیگم صبیحہ کے پاس بیٹھ گئیں اور اس کی پشت پر ہاتھ رکھ کر انہوں نے کہا۔

"تم آج آئیں نہیں ؟"

" آج یہ صبح سے بہت مصروف رہیں ——" سبل نے ہنس کر کہا۔ لڑکی ہے محنتی اور سگھڑ۔"

صبیحہ اور زیادہ شرما گئی۔ احمدی بیگم کچھ دیر بیٹھ کر چلی گئیں۔ ان کے جانے کے بعد سبل نے صبیحہ سے کہا۔

" چلو اچھا ہوا —— " ساس نے بھی سن لیا۔

شاہدہ نے کہا —" میرے خیال میں پوری کہانی نہیں صرف آپ کا جملہ سنا ہے"۔

" کہانی بھی سن لیتیں تو کیا برائی تھی ——" سبل نے ہنس کر کہا۔ جس کسی نے بھی یہ کہانی گھڑی ہو ــــ گھڑی خوب ہے "

" جی ہاں —— " صبیحہ نے کہا " واقعی رسموں کے معاملہ میں تو تا بی بھی ہے یہ تو خیر ایک سنی سنائی داستان ہے۔ لیکن اسی محلے میں ایک قصہ ہم لوگوں نے بچشم خود دیکھا اور اس رسم کے بننے کی وجہ بھی معلوم ہو گئی "

" وہ قصہ کیا ہے ... ——" شاہدہ نے کہا " ذرا وہ بھی سنا دیجئے "

"جس مکان میں مدرسہ ہے اس کے سامنے ایک سہ منزلہ مکان ہے۔" صبیحہ نے کہا۔

"ہاں ——— داروغہ جی والا ———" زاہدہ نے کہا۔ اس روز آپ ہی نے تو بتایا تھا کہ وہ مکان ایک داروغہ جی کا ہے۔ انہوں نے رشوت کی رقم سے اپنی لڑکی کو جہیز میں دینے کے لئے لیا تھا۔ لیکن وہ شادی سے قبل ہی غائب ہو گئی۔"

شاہدہ نے فوراً ہنس کر کہا ——— مال حرام بود، بجائے حرام رفت۔"

"خیر وہ لڑکی تو حرام کا مال نہ ہو گی۔" سبل نے کہا۔

"اس کی ماں طوائف تھی۔" صبیحہ نے بتایا۔

"تو پھر سب ٹھیک ہی ہوا۔" سبل بول اٹھی۔ "بہر حال اس مکان میں تو اب ایک ٹھیکیدار رہتے ہیں۔"

"جی ہاں ———" صبیحہ نے کہا۔ "ان سے قبل ایک خانصاحب رہتے تھے۔ ہم لوگ چھوٹے تھے جب کا ذکر ہے کہ ان کے لڑکے کا ختنہ ہوا۔ ختنہ کے بعد میں بھی ابو کے ساتھ پہنچ گئی۔ اس وقت صحن میں صرف دس بارہ آدمی تھے۔ صحن کے وسط میں ایک بڑی جھلنگی رکھی ہوئی تھی۔ اور اس پر سفید چادر پڑی ہوئی تھی۔ اس جھلنگی پر سے چادر میرے سامنے اٹھائی گئی اور جب جھلنگی کو ہٹایا گیا تو اس کے نیچے کوڑا کرکٹ نکلا۔"

"کوڑا کرکٹ ——؟" شاہدہ نے متعجبانہ لہجے میں کہا۔

"ہاں —— گھر کا کوڑا کرکٹ ——" صبیحہ نے کہا۔ ویسے تو وہ گھر بہت صاف ستھرا تھا۔ خان صاحب کے گھر کی عورتیں بھی بہت صفائی پسند تھیں کیا مجال جو کہیں کوئی چیز بے قاعدہ رکھی ہوئی مل جائے جس نے بھی کوڑا کرکٹ دیکھا اس کو تعجب ہوا —— میرے ابو کے دریافت کرنے پر خانصاحب نے مسکرا کر کہا کہ ان کے دادا الور میں راجہ کی فوج میں ملازم تھے کسی بات پر راجہ سے ناراض ہو گئے اور ملازمت چھوڑ کر ایک گاؤں میں جا کر رہنے لگے۔ وہاں انہوں نے اپنے ایک لڑکے کا ختنہ کیا ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا لڑکے کو لے کر بیٹھنے کے لیے چوکی تک نہیں تھی۔ ایک جھلی پڑی ہوئی تھی۔ اس کو کوڑے پر ڈال کر خانصاحب اپنے لڑکے کو لے کر بیٹھ گئے اور ختنہ ہو گیا۔ اس وقت وہ پریشان تھے اس لئے ان کی اولاد کے یہاں بطور یادگار۔ اب تک وہ رسم منائی جاتی ہے۔"

شاہدہ نے کہا —— "پہلا قصہ بہت دلچسپ تھا۔"

"یہ قصہ نہیں ہے یہ تو میں نے چشم دید واقعہ بتایا ہے!"

سبل نے کہا۔ "ایسی رسوم کے متعلق چھان بین کر کے بہت دلچسپ کتاب لکھی جا سکتی ہے۔"

"ہاں! لکھی تو جا سکتی ہے۔" صبیحہ نے کہا! "خیر دیکھا جائے گا۔ شادی کے بعد لکھنا" سبل نے کہا۔ صبیحہ نے شرما کر سر جھکا لیا۔

۴۷

"طاہرہ آپا اب بھی سویرا ہے" نور بانو نے طاہرہ سے کہا۔
"میں ابھی کچھ ستا کر معاملے کو ختم کرا سکتی ہوں"
"دماغ تو نہیں خراب ہوا ہے تمہارا" طاہرہ نے نور بانو سے کہا۔

"جی نہیں آپا" نور بانو نے بہت سنجیدگی سے کہا۔
میں پورے ہوش و حواس سے دریافت کر رہی ہوں تاکہ سندر سے اور وقت ضرورت کام آسکے"

"ذرا خدا کے لئے چپ رہو —" طاہرہ نے تنگ آکر منہ بناتے ہوئے کہا "تم روز بروز بکی ہوتی جا رہی ہو تمہارا منہ بھی نہیں تھکتا ہے"

"بعض چیزیں چھلکنے والی نہیں ہوتی ہیں۔"

"ہر بات کا جواب ضرور دو گی۔ خواہ بے تکا ہی کیوں نہ ہو۔"

"اللہ آپا ـــــ" نور بانو نے گڑگڑا کر خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

"بتا دیجئے ـــــ"

"کیا بتا دوں ـــــ؟" طاہرہ نے پوچھا۔

"یہی کہ آپ اس رشتے سے خوش ہیں نا ـــــ؟" نور بانو نے کہا۔

"میں یہ اس لیے دریافت کر رہی ہوں کہ ادھر آپ لوگوں کے پاس اٹھنے بیٹھنے کا وقت نہیں ملا۔ خدا معلوم یہ رشتہ پسند ہے یا نہیں۔"

"جس وقت سے میرے دل میں یہ سوال پیدا ہوا ہے۔ اس وقت سے واقعی میں بہت پریشان ہوں۔"

نور بانو کی سنجیدگی پر طاہرہ نے اس کو بغور دیکھا اور ہاتھ جوڑ کر اس سے ملتجیانہ کہا۔

"نور العین خدا مجھ پر رحم کرو۔ ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گی۔"

"اے نہیں آپا ـــــ" اس نے پھر سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ خدا نہ کرے۔ پاگل ہوں آپ کے دشمن جو آپ کو دیکھ نہ سکیں۔ پاگل ہو رضوانہ۔"

"اس غریب کو کیوں کہہ رہی ہو۔"

"دہی تو ابتدا ہیں لٹو ہو رہی تھیں اعجاز صاحب پر ——"

نورا نے کہا —— "اور ایسی زبردست سازش کی تھی انہوں نے کہ خدا کی پناہ —— آپ کو تو کہیں کا بھی نہ رکھتی وہ کم بخت۔"

"خیر ——" طاہرہ نے کہا۔ "رسیدہ بود بلائے و لے بخیر گذشت۔ خدا سب کو نیک توفیق دے۔ لیکن واقعی تم نے بھی اس سلسلے میں بہت کام کیا۔"

"شادی کے بعد آپ سے بھی انعام لوں گی اور دولہا بھائی سے بھی۔"

نور بانو نے شرارت آمیز لہجے میں کہا۔ "میں نے اب تک پرانے ہی رشتے کو مقدم سمجھے ہوئے ہوں۔"

طاہرہ اُٹھ کر جانے لگی۔ نور بانو نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور منتیں کرنے لگی۔

"اچھا اب کچھ نہ کہوں گی۔ اگر کچھ کہوں تو جو چور کی سزا وہ میری۔"

طاہرہ اس کے پاس بیٹھ گئی۔ اس نے چار پانچ ماہ قبل کروشیا کی چادر بنانا شروع کی تھی۔ اور وہ ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔ تھوڑا کام باقی رہ گیا تھا۔ وہ اس وقت کروشیا ہی بنا رہی تھی۔

طاہرہ کے بیٹھنے کے بعد ہی سنبل آ گئی۔ اور اس نے اس کی قمیص کا ناپ لے کر اس سے دریافت کیا۔

"تم کو الاسٹک والی جمپر پسند ہے نا؟"

"ہم کو جمپر ہی نہیں پسند ہے۔" طاہرہ نے ہنس کر کہا۔ "جمپر تو دراصل چُست ہوتا ہے۔"

"ہاں لیکن عرف عام میں اب قمیص کو بھی کہتے ہیں۔"

نور بانو کی آنکھوں میں شرارت چمک رہی تھی اس نے سنبل سے پوچھا۔

"کیوں بھابی جان آپ کو چست جمپر پسند ہے یا ڈھیلا ڈھالا۔"

"نہ زیادہ چست ہو اور نہ ڈھیلا۔" سنبل نے اس کے جملے کو کوئی اہمیت نہ دیتے ہوئے کہا۔

"اور بھائی صاحب کو ——؟"

اس کے اس سوال پر سنبل نے اس کو بغور دیکھا اور مسکرا کر کہا۔

"نورا تم کسی وقت بھی چوکتی نہیں ہو۔"

"اچھا بھابی جان آپ کا کیا خیال ہے۔" نورا نے فوراً لہجہ بدل کر کہا۔

وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ شاہدہ زاہدہ اور صبیحہ آگئیں اور اس نے شاہدہ کو دیکھتے ہی سنبل سے کہا۔

"میرے خیال میں تو یہ مسئلہ چاروں آپس میں طے کر سکتے ہیں۔"

"کیسا مسئلہ ——؟" صبیحہ نے فوراً دریافت کیا۔

"یہی کہ جمال کی شادی شاہدہ سے ہو گی یا زاہدہ سے ——؟"

نور بانو نے بہت سادگی کے ساتھ کہا۔

"نورا! واقعی تم بہت شریر ہو ۔۔۔۔" سبل نے مسکرا کر کہا۔

"بھابی جان! میں صحیح عرض کر رہی ہوں ۔۔۔۔" نور بانو نے پھر اسی لہجے میں کہا "بالکل سیدھی سی بات ہے کہ بڑے بھائی کی شادی بڑی بہن سے ہو اور چھوٹے کی چھوٹی سے۔"

شاہدہ اور زاہدہ اس کو استفسارانہ نظروں سے دیکھنے لگیں نور بانو نے بہت معصومیت کے ساتھ شاہدہ سے دریافت کیا۔

"کیوں۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا ہے۔" شاہدہ نے کہا۔

"خیر ۔۔۔ مجھ سے کیا ۔۔۔" نور بانو نے اسی انداز میں بے تعلقی ظاہر کرتے ہوئے کہا "تم جانو اور تمہارا کام۔"

وہ ان دونوں پر دو چار فقرے اور چست کرتی لیکن احمدی بیگم نے اس کو بلا لیا اور وہ مسکراتی ہوئی چلی گئی۔

طاہرہ نے کہا "خاموش بیٹھنا جانتی ہی نہیں۔"

سبل نے صبیحہ سے کہا "کمال تبی کی رسم والا قصہ طاہر کو بھی سنا دو۔"

"ان کو معلوم ہے۔"

"اور نورا کو ۔۔۔؟"

"نورا ہی نے تو سنایا تھا ۔۔۔"

شاہدہ نے کہا —— "میں تو ایسی رسموں کے خلاف ہوں۔"

"بہرحال مشرقی روایات کو برقرار رکھنے کے لئے چند رسمیں تو ضروری ہیں —— ان کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔"

وہ سب اسی پر تبادلہ خیال کرنے لگیں۔ کچھ دیر بعد طاہرہ نے کہا۔

"واقعی بعض رسموں کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً سلام کرائی۔ منہ دکھائی یا لڑکی کے رشتہ داروں سے متعلق۔"

شاہدہ نے کہا: "طاہرہ آپا۔ میں کئی روز سے ایک بات دریافت کرنے کا ارادہ کر رہی تھی لیکن موقع ہی نہیں ملتا تھا۔"

"کیا دریافت کرنا چاہتی تھیں ؟"

"دریافت یہ کرنا چاہتی تھی کہ شادی کے بعد عام طور پر سمدھیانوں میں تنازعہ کیوں پڑ جاتا ہے۔ جب تک لڑکے اور لڑکی کی شادی نہیں ہوتی ہے۔ اس وقت تک تو فریقین ایک دوسرے کے جذبات کا اس طرح احترام کرتے ہیں گویا ان لوگوں سے زیادہ دوسروں میں خلوص ہو گا ہی نہیں لیکن شادی کے بعد خاص طور پر لڑکی کے والدین راندہ درگاہ ہو جاتے ہیں اور ان میں کپڑے پڑ جاتے ہیں۔"

"یہ سب جہالت کے کرشمے ہیں ——" طاہرہ نے کہا۔

سنبل نے بھی سنجیدگی ساتھ دریافت کیا۔

"آخر ایسا ہوتا کیوں ہے ؟"

"ایسا اس لیئے ہوتا ہے کہ ایسے لوگ دوسروں کے حقوق کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے ہیں ۔" طاہرہ نے سبل کو سمجھاتے ہوئے کہا ۔

" لڑکے کے والدین یہ چاہتے ہیں کہ شادی کے بعد بھی لڑکے کے جملہ حقوق ان ہی کے نام محفوظ رہیں وہ نہ اپنی بیوی کے حقوق ادا کرے اور نہ اس کے والدین اور رشتہ داروں کے ۔ لیکن لڑکا ایسا نہیں کرتا ہے اور اس کے والدین اس کی اس روش کو اس کی نافرمانی پر محمول کرتے ہیں ۔ اور اس کا ذمہ دار لڑکی کو قرار دیتے ہیں ۔"

" اس طرح تو لڑکے کی زندگی المناک ہو سکتی ہے ۔" سبل نے کہا ۔

" اور عموماً ہو جاتی ہے ـــــ" طاہرہ نے کہا ۔" گلشن گنج میں ایک نئے شادی شدہ جوڑے نے گزشتہ سال اسی لیئے خودکشی کر لی تھی ۔"

" اس کی اصلاح ہونی چاہیئے ۔" سبل نے کہا ۔

جس وقت تک مسلم گھرانوں میں تعلیم عام نہ ہو گی ۔ جب عورتیں دینی تعلیم سے بے بہرہ رہیں گی اس وقت تک یہ خامیاں دور نہ ہونگی ۔ طاہرہ نے کہا ـــــ اولاد کے والدین پر یا والدین کے اولاد پر کیا حقوق ہوتے ہیں اس کے متعلق کمتر لوگوں ہی کو علم ہوتا ہے ۔ حالانکہ یہ باتیں بچپن ہی میں بتا دینا چاہیئیں ۔"

" خالہ جان ! تو ہر روز لڑکیوں کو ایک گھنٹے تک یہی باتیں سمجھاتی

ہیں" صبیحہ نے کہا۔ ان کے پاس حقوق العباد نامی ایک چھوٹا سا رسالہ ہے۔ اس میں ان باتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور سمجھایا گیا ہے"

"میں خالہ جان سے وہ رسالہ لے کر پڑھوں گی" سبل نے کہا۔

طاہرہ نے شاہدہ اور زاہدہ سے کہا۔

"تم دونوں کو بھی ایسی کتابیں پڑھنا چاہئیں۔ کیونکہ بچپن میں دینی تعلیم نہیں ملی ہے"

"میں نے بہشتی زیور تو دوبار پڑھ ڈالا ہے" زاہدہ نے کہا۔

"صرف پڑھنے سے کام نہیں چلتا ہے۔ صبیحہ نے کہا۔

"اس کو سمجھنے کی کوشش کرو"

"طاہرہ نے مسکرا کر اس سے پوچھا" اچھا بتاؤ ماں کا کیا درجہ ہے؟"

"ماں کا بہت بڑا درجہ ہے" زاہدہ نے جواب دیا۔

"یہ تو سب ہی جانتے ہیں" طاہرہ نے کہا "یہ بتاؤ کہ خداوند تعالےٰ نے اس کے متعلق کیا فرمایا ہے"

زاہدہ نے اپنے حافظے پر زور دیا۔ اور جب وہ کچھ بھی نہ بتا سکی تو طاہرہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

یہ مثل تو تم نے سنی ہی ہو گی کہ ماں کے پیروں کے نیچے جنت ہوتی ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ جو شخص بھی اپنی ماں کی خدمت کرتا ہے

اور اس کے مشورے پر چلتا ہے دنیا اس کے لئے جنت ہو جاتی ہے"۔

صبیحہ بول اٹھی "خدا نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر میں انسان کے لئے سجدے کو جائز کرتا تو وہ انسان والدین ہی ہوتے"۔

"واقعی کتنی اچھی تعلیم ہے" سبل نے کہا "والدین کو اپنی اولاد جس قدر پیاری ہوتی ہے اس کی تشریح کی ضرورت نہیں۔ والدین خواہ کیسے ہی برے کیوں نہ ہوں لیکن اپنی اولاد کو اچھی باتیں ہی بتاتے ہیں سا گر اولاد اس تعلیم پر عمل کرے تو واقعی یہ دنیا اس کے لئے جنت ہو جائے"۔

"کیا دین مسیح میں بھی ایسی ہی ہدایتیں ہیں ——— ؟" صبیحہ نے سبل سے دریافت کیا۔

"نہیں ———" سبل نے فوراً جواب دیا "مطالعہ اسلامیات کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ اس نے انسان کے سامنے ایک مکمل ضابطہ حیات پیش کیا ہے"۔

"قرآن میں سب کچھ موجود ہے۔ لیکن مسلمان اس پر توجہ ہی نہیں دیتے ہیں" صبیحہ نے کہا "بس اب تو مسلمان نام کے رہ گئے ہیں۔ اگر بنظر غور دیکھا جائے تو ان کو اسلام سے دور کا واسطہ بھی نہیں رہ گیا ہے"۔

طاہرہ بول اٹھی "اسی لئے درس قرآنی کی تحریک شروع کی گئی ہے۔ لیکن ایسی تحریکوں کو چلانے والوں کا طریق کار بہت غلط

ہوتا ہے۔ اس لئے ہر ایسی تحریک ناکام ہوتی ہے۔"

"ایسی تحریکوں کی ناکامی کا باعث ہمارے علمائے کرام ہیں ۔۔۔" صبیحہ نے کہا ۔۔۔" وہ خود کو عام مسلمانوں سے اونچا اور بڑا سمجھنے لگے ہیں حالانکہ اسلام نے ایسے رجحانات کی مذمت کی ہے اور عصبیت کو انسانیت کی توہین قرار دیا ہے۔"

طاہرہ نے کہا۔" ہمارے رسولؐ نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ جو مسلمان عصبیت کا شکار ہو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

" اس سے آپس میں طبقے پیدا ہوتے ہیں اور طبقوں کی کشمکش ہی ملی شیرازے کو پراگندہ کر دیتی ہے۔" صبیحہ نے سبل کو سمجھاتے ہوئے کہا۔" اسلام نے سب کو برابر کا درجہ دیا ہے۔"

" خالہ جان نے تم دونوں کو بہت اچھی تعلیم دی ہے ۔۔۔" سبل نے کہا۔" میں اسی لئے کچھ عرصہ تک ان کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔ تاکہ دینی معلومات حاصل کر سکوں۔"

" آپ بہت جلد سب کچھ حاصل کریں گی۔" طاہرہ نے کہا۔ " کیونکہ آپ حاصل کرنا چاہتی ہیں ۔۔۔ جس کے دل میں لگن ہوتی ہے۔ وہ حاصل بھی کر سکتا ہے۔"

صبیحہ نے زاہدہ سے کہا۔" تم بہشتی ثمر اور مفتاح الجنۃ بھی پڑھو اس کے بعد اگر تفسیر قادری پڑھ ڈالو تو سونے پر سہاگہ ہو جائے۔"

" ڈیڈی نے کہا تو ہے کہ لادیں گے۔"

طاہرہ نے فوراً زاہدہ سے کہا "تم لوگ اب اپنے والد کو ڈیڈی کے بجائے ابو کہا کرو۔ ہم کو اپنی وضع نہ بدلنا چاہیئے۔ رکسی نے کیا خوب شعر کہا ہے ؎

تو وضع پر اپنی قائم رہ قدرت کی مگر تحقیر نہ کر
دے پائے نظر کو آزادی خود بینی کو زنجیر نہ کر

"خالہ امی نے بھی کئی بار یہی مشورہ دیا ——" شاہدہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لیکن بچپن سے کچھ ایسی عادت پڑ گئی ہے کہ اب ابو کہتے جھجک سی محسوس ہوتی ہے۔"

"یہ بھی ایک قسم کی کمزوری ہے ——" طاہرہ نے کہا "اچھی عادت کو کسی جھجک کے بغیر اختیار کر لینا چاہیئے"۔

احمدی بیگم نے کچھ دیر بعد سب کو بلایا تخت پر جوڑے رکھے ہوئے تھے۔ انہوں نے لڑکیوں سے کہا۔

"جوڑوں کو تہہ کر کے پیٹیوں میں رکھو۔"

انہوں نے سبل کو اپنے پاس بٹھا لیا اور طاہرہ صبیحہ شاہدہ اور زاہدہ پیٹیوں میں جوڑے رکھنے لگیں۔ نور بانو دالان میں بیٹھی ہوئی دوپٹہ چن رہی تھی۔ سبل اللہ کر اس کے پاس پہنچی اور بغور دیکھنے لگی کہ دوپٹہ کس طرح چنا جاتا ہے۔

"واقعی تم دوپٹہ خوب چنتی ہو مجھ کو بھی سکھا دو۔"

"سیکھ لیجئے مشکل ہی کیا ہے۔" نور بانو نے کہا۔ "یہ کام تو دیکھ کر

سیکھا جاتا ہے اور مشق سے مہین اور موٹا چنا جاتا ہے۔ میری چٹکیوں کی طرف دیکھئے چٹکی جس قدر باریک ہوگی اسی قدر باریک چنائی ہوگی"۔

"دوپٹہ شاہدہ بھی اچھا چُن لیتی ہیں"۔ سنبل نے کہا۔

"وہ تو پاندان کے ڈھکنوں اور کوڑی سے چنتی ہیں"۔

"کیرم کے اسٹرائیکر اور فونٹین پن کی کیپ سے بھی چنا جاتا ہے" نوربانو نے کہا۔۔۔۔ "چننے کا طریقہ ایک ہی ہوتا ہے"۔

حامد نے کمرے سے آواز دی۔ طاہرہ نے اس سے کہا۔

"بھائی ادھر ہی رہیئے گا"۔

سنبل بول اٹھی۔ "ادھر تمہاری دلہن اور سالیاں ہیں"۔

صبیحہ شرما گئی اور شاہدہ اور زاہدہ ہنسنے لگیں۔ طاہرہ نے مسکرا کر کہا۔

"زہرہ اور مشتری آئی ہیں"۔

حامد نے کمرے سے کہا۔ زہرہ اور مشتری سے کہو کہ گانا سنائیں۔

نوربانو مسکراتی ہوئی اٹھی اور اس نے ایک کمرے سے ڈھولک لاکر ان دونوں کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"لو۔۔۔۔ بہنوئی کی فرمائش ہے۔ دیکھو انکار نہ کرنا"۔

شاہدہ اور زاہدہ ہنسنے لگیں۔ سنبل بھی ان کے پاس پہنچ گئی اور اصرار کرنے لگی۔ احمدی بیگم نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"میں جا رہی ہوں اپنے کمرے میں تم لوگ لڑو جھگڑو"۔

وہ اٹھ کر چلی گئیں۔ نور بانو نے زاہدہ سے کہا۔

وہی فلمی گانا شروع کرو ——— وہ بھولا بالم کیا جانے۔"

"تم بھی بیٹھو ———" زاہدہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا۔

شاہدہ اور زاہدہ گانے میں بہت تیز تھیں دونوں گانے لگیں اور نور بانو بھی شریک ہو گئی۔

سہیل نے دروازے کے پاس جا کر حامد سے کہا۔

"اب اپنی سالیوں کو انعام دو۔ انہوں نے اس وقت تمہاری فرمائش پر گایا ہے۔"

"ان کو میرے پاس بھیجئے۔ میں انعام دوں گا۔"

زاہدہ گانا ختم کر کے حامد کے پاس پہنچ گئی اور اس کی قمیص کا دامن پکڑ کر کہا۔

"دلائیے دولہا بھائی انعام۔"

"اب انعام ضرور دو ———" سہیل نے کہا۔ "آج پہلی بار چھوٹی سالی نے دولہا بھائی کہا ہے۔"

"کیا لو گی ——— ؟" حامد نے مسکرا کر دریافت کیا۔

زاہدہ نے آواز دے کر شاہدہ کو بلا لیا۔ نور بانو اور طاہرہ بھی وہیں آ گئیں۔ شاہدہ نے حامد سے کہا۔

"میں تو کوئی نشانی لوں گی۔"

"نشانی تو خیر کہاں دیں گے۔" نور بانو نے مسکرا کر کہا۔ "یعنی انگوٹھی وغیرہ ہاں اور کچھ مانگو۔"

"تو پھر ـــــ" شاہدہ نے چھت کی طرف دیکھتے اور کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اچھا جو آپ کی سمجھ میں آئے۔"

"ہاں!" زاہدہ نے کہا۔ "آپ کو جو چیز پسند ہو۔"

"اچھا تو پھر شام تک کے لئے مہلت دو۔ بازار سے خرید کر لاؤں گا۔"

"کیا لائیے گا ـــــ؟" شاہدہ نے پوچھا۔

"اب یہ نہ پوچھو ـــــ" سبل بول اٹھی۔

حامد نے کہا ـــــ "دو چار گانے اور سناؤ۔"

"آہاہا ـــــ" شاہدہ بولی۔ "اب تو آپ پیچھے ہی پڑ گئے۔"

"نورا نے کہا ـــــ" خیر دو ایک گانے اور سنا دو۔"

وہ سب دالان میں آگئیں اور بیٹھ کر گانے لگیں۔ دوپہر سے کچھ قبل زبیدہ بیگم احمدی بیگم کے پاس آئیں اور صبیحہ شاہدہ اور زاہدہ ان ہی کے ساتھ چلی گئیں۔ احمدی بیگم اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی یادداشت کے لئے حساب لکھ رہی تھیں۔ سبل ان کے پاس جا کر بیٹھ گئی اور ادھر اُدھر کی دو چار باتیں کرنے کے بعد اس نے ان سے کہا۔

"خالہ جان! شاہدہ کے بھائی جان نے دریافت کیا ہے۔

کہ آپ جہیز کا کل سامان خرید چکی ہیں یا ابھی کچھ خریدنا ہے۔"

"چند چھوٹی موٹی چیزیں خریدنا ہیں ——" احمدی بیگم نے کہا۔ "مثلاً سرمہ دانی۔ ایک عطردان اور سنگار کا سامان۔"

سبل نے کہا —— "اگر آپ ان چیزوں کے نام لکھ کر دے دیں تو وہ آج ہی خرید لائیں۔"

"میں ان کو سہ پہر کو بلاؤں گی ——" احمدی بیگم نے کہا۔ اس وقت تک میرے بھائی صاحب بھی آجائیں گے شاید وہ اس میں کا کچھ سامان لیتے آئیں۔"

"خالہ امی نے بھی ایسی چھوٹی موٹی چیزیں ابھی نہیں خریدی ہیں۔" سبل نے کہا۔ "شاید آج خالو ابا خریدنے جائیں گے۔ اسی لئے تو شاہدہ کے بھائی جان نے کل رات کو مجھ سے کہا۔"

"دلہن! میرے پاس رکھا ہی کیا ہے ——" احمدی بیگم نے کہا۔ "اس کی کرمی ہے جو اس قدر بھی ہو گیا۔ میں نے گھر کے اخراجات میں ہمیشہ تنگی ترشی کی اور اسی دن کے لئے کچھ نہ کچھ جمع کرتی رہی۔ میں نے اپنے بچوں کا دل توڑا۔ ان کو جس طرح کھلانا پلانا چاہتی تھی اس طرح کھلا پلا نہ سکی محض اس لئے کہ شادی کے وقت شرمندگی نہ ہو ——"

"خالہ جان ——" سبل نے کہا۔ "واقعی آپ نے محدود آمدنی میں اس قدر جمع کر کے کمال کر دیا ہے۔ ہزاروں روپے

ماہوار پیدا کرنے والے بھی تو اپنی لڑکی کو ایسا جہیز نہ دے سکیں گے"

"کہہ تو دیا دلہن کہ سب اس کی کریمی ہے"

۴۸

"میں تو دلہن کو چندن ہار پہناؤں گی ——" زبیدہ بیگم نے اپنے شوہر سے کہا۔ "پندرہ تولے کا چندن ہار مناسب رہے گا۔"

"مناسب تو بیس تولے کا بھی ہو سکتا ہے اور آج ہی خریدا بھی جا سکتا ہے ——" افتخار احمد نے کہا۔ "لیکن ایسا ہو گا نہیں۔"

"کیوں ——؟" زبیدہ بیگم نے فوراً سوال کیا۔

"بہن کا بھی تو خیال کرو۔ وہ پندرہ تولے کا چندن ہار کہاں سے لا کر اپنی بہو کو پہنا سکتی ہیں ——" افتخار احمد نے کہا۔ "انہوں نے جو کچھ بھی کیا ہے۔ بہت اچھا کیا ہے۔ جب تم اپنی بہو کو ہار پہناؤ گی تو ان کو دکھ ہو گا۔ ہم کو ہر معاملہ اور ہر حالت میں ان کے جذبات اور احساسات کا خیال رکھنا چاہیئے۔"

زبیدہ بیگم نے کچھ دیر تک کسی پہلو پر غور کرنے کے بعد کہا۔

"جی ہاں —— یہ بات تو ہے لیکن اس کی دوسری صورت بھی ہو سکتی ہے۔"

"وہ کیا ——؟" افتخار احمد نے دریافت کیا۔

"وہ یہ کہ میں دس دس تولے کے دو چندن ہار خرید لوں۔ گلزار محمد کی دوکان پر اس روز میں نے دو ہار دیکھے تھے۔ ایک منہ کے وقت اپنی بہو کو پہنا دوں گی۔ اور دوسرا ہار منہ دکھائی کے وقت ان کی طرف سے ان کی بہو کو پہنا دوں گی۔ آخر بہن کا رشتہ بھی تو ہے۔ میں نے ان کو اور انہوں نے مجھ کو بہن کہا اور اس دن سے ہم دونوں نے ایک دوسرے کو حقیقی بہن سے زیادہ ہی سمجھا ہے۔"

"برا تو نہ مانیں گی؟"

"نہیں وہ اس طبیعت ہی کی نہیں ہیں ——" زبیدہ بیگم نے کہا۔ اور ایمان کی بات تو یہ ہے کہ ان کے بھائیوں نے بھی مجھ کو ان ہی کی طرح سمجھا ہے۔ ہر فصل میں جو پھل پھلاری ان کو بھیجتے ہیں۔ وہی میرے اور بچوں کے لئے بھی بھیجتے ہیں۔ تاج الدین بھائی بمبئی سے طاہرہ کے لئے دوپٹہ لائے تو صبیحہ اور فاطمہ کے لئے بھی لائے۔"

اگر تمہارا ایسا خیال ہے۔ تو ضرور چندن ہار خرید لو۔ لیکن بہر صورت ہم کو بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔"

"کیوں ——؟" زبیدہ بیگم نے پوچھا۔

یہ رشتہ بہت نازک ہوتا ہے ۔ دو گھرانوں میں انتہائی میل اور بہترین تعلقات ہوتے ہیں ۔ لیکن ادھر ایک گھر کی لڑکی دوسرے کے گھر گئی یا آئی اور ادھر آپس میں کشیدگی شروع ہوئی حقیقی بھائیوں اور حقیقی بہنوں میں تنازعہ ہو جاتا ہے ۔ اور زندگی اور موت کے تعلقات یک لخت اٹھ جاتے ہیں ۔ فصیح بھائی اور مسیح بھائی کی مثال تمہارے سامنے ہے ۔"

"جی ہاں! یہ تو صحیح ہے کہ ہندوستانی گھرانوں میں عموماً سمدھیانے کا رشتہ بہت نازک ہوتا ہے اور اچھے دل بلاوجہ برے ہو جاتے ہیں ۔ لیکن ہم لوگوں میں ایسا نہ ہو گا ۔ نہ وہ اس طبیعت کی ہیں اور نہ ہم لوگ ہی ایسے ہیں ۔ اس کے علاوہ انہوں نے آج تک صبیحہ فاطمہ اور طاہرہ کو ایک ہی نظر سے دیکھا ہے ۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ صبیحہ کی تعلیم اور تربیت ان ہی کی نگرانی میں ہوئی ہے ۔"

افتخار احمد خاموش بیٹھے ہوئے بہت سنجیدگی کے ساتھ کچھ سوچتے رہے ۔

زبیدہ بیگم چند سیکنڈ کے لئے خاموش ہوئیں اور پھر کہنے لگیں ۔

"ایسے تنازعات میں عموماً قصور دونوں کا ہوتا ہے ۔ بلکہ اس رشتے سے متعلق ہر شخص کا اس کشیدگی میں ہاتھ ہوتا ہے ۔ اگر ہم حقوق العباد کو سمجھنے لگیں تو ایسی گتھیاں نہ پڑیں ۔"

"یہی میرا بھی خیال ہے ۔" افتخار احمد نے کہا ۔ "ہم شادی کے

بعد دوسروں کے احساسات کا نہ تو اندازہ لگاتے ہیں اور نہ جذبات کا احترام کرتے ہیں۔ صرف اپنے ہی مفاد اور اپنے ہی جذبات، اور احساسات کو پیش نظر رکھتے ہیں۔"

"یہ تو خود غرضی ہوئی۔ اور خود غرضی تباہی کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔" زبیدہ بیگم نے کہا۔ پرسوں بہن سے اسی موضوع پر بہت دیر تک تبادلہ خیال ہوتا رہا ہے۔ ان کا بھی یہی خیال ہے —— دوسروں کے جذبات کا احترام کرنا ان کی فطرت ثانیہ ہے۔"

"اگر تم اپنی بہو کو ہار پہنانا چاہتی ہو تو ان کی بہو کو بھی ہار پہناؤ۔ حامد یتیم اور وہ بیوہ ہیں۔"

عبیدہ بیگم اپنی بہن کو تلاش کرتی ہوئی آگئیں۔ زبیدہ بیگم نے ان کو اپنے پاس بٹھالیا۔ عبیدہ بیگم نے چندن ہار دیئے جانے کے متعلق سنکر کہا۔

"ہاں اگر چندن خریدے جائیں گے تو دو خریدے جائیں گے۔ میں نے دو فریجریٹر خریدے ہیں۔"

"ان کے بھائیوں نے بھی دوہرا انتظام کیا ہے۔" زبیدہ بیگم نے کہا۔ "مجھے تو سب سے زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ طاہرہ میرے گھر آرہی ہے۔ اگر خدانخواستہ وہ ننگی بچی آتی اور ہاتھ گلے میں چاندی کا ایک تار بھی نہ ہوتا۔ جب بھی مجھ کو اسی قدر خوشی ہوتی۔ لڑکی کا اصلی زیور اس کا جوہر ہے۔ اس کا سگھڑپن اور رکھ رکھاؤ ہے۔

اور میں بغیر کسی جھجک کے کہہ سکتی ہوں کہ بعض باتوں میں وہ صبیحہ سے بھی زیادہ سلیقہ مند ہے۔"

"اور یہ بھی ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہماری لڑکی ایسے گھر جا رہی ہے۔ اگر اس میں کچھ کمی رہ گئی ہے۔ تو وہ وہاں پہنچکر پوری ہو جائیگی۔" عبیدہ بیگم نے کہا ــــ "میں حیران ہوں کہ انھوں نے محدود آمدنی میں ایسا انتظام کیسے کر لیا۔ وہ اپنے بھائیوں تک کی شرمندہ احسان نہیں ہیں۔ اب یہ اور بات ہے کہ ان کے بھائی اپنے بھانجے اور بھانجی کے ساتھ کچھ سلوک کریں۔"

"وہ بھی تو اپنے بھتیجوں کو اسی طرح سمجھتی رہتی ہیں۔" زبیدہ بیگم نے کہا ــــ "تہواروں میں برابر نیتی دیتی رہتی ہیں۔"

"بہت گرہست بیوی ہیں۔" افتخار احمد نے کہا ــــ "وہ ہم سب کے لئے ایک مثال ہیں۔ ان کا وجود ہم سب کے لئے باعث خیر و برکت ہے۔ عائشہ اور نبیل کے سلسلے میں اگر وہ مجھ کو نہ سمجھاتیں تو میں کبھی بریلی نہ جاتا۔ اور وہ معاملہ سلجھنے کے بجائے اُلجھ جاتا۔"

"دو گھر تباہ ہوتے۔" عبیدہ بیگم نے کہا۔

"دو نہیں بلکہ تین ــــ" افتخار احمد نے کہا ــــ "عین الدین عائشہ کے لئے اپنی بیوی کو چھوڑ دیتا۔"

"ہاں باجی۔" زبیدہ بیگم نے اپنی بہن سے کہا۔ "وہ کم بخت بھی اس کل کی چھوکری پر فریفتہ ہو گیا تھا۔ وہ تو کہیئے کہ شجاعت اللہ خاں کے دباؤ سے وہ دست کش ہو گیا۔ ورنہ عائشہ نبیل کو چھوڑ

کر اس کے ساتھ ہو جاتی۔"

"خدا غارت کرے ایسی لڑکیوں کو ۔۔۔" عبیدہ بیگم نے نفرت آمیز لہجے میں کہا۔

"غارت تو ہوتی ہی ہیں ایسی لڑکیاں ۔۔۔" زبیدہ بیگم نے کہا۔" خدا کو کچھ اچھا کرنا منظور تھا۔ جو یہ بریلی پہنچ گئے۔ ورنہ بی عائشہ کی تو گت بن جاتی۔ دو تین دن ہی میں معلوم نہیں کس کس کو جینا دے بیٹھی تھی وہ لڑکی۔"

"ماں پر پڑی ہے ۔۔۔" عبیدہ بیگم نے کہا۔" مثل مشہور ہے کہ جیسا سوت ویسی پھیٹی۔ جیسی ماں ویسی بیٹی۔"

"کیا عبدالستار کی اہلیہ بھی ایسی ہی تھیں ۔۔۔؟" افتخار احمد نے متعجبانہ لہجے میں کہا۔

"وہ تو ایسی تھیں کہ خاندان والے پناہ مانگتے تھے۔ ہمارے والدین تو ان کو ہم لوگوں کے قریب نہیں پھٹکنے دیتے تھے۔" زبیدہ بیگم نے کہا ۔۔۔" خیر کسی کے ساتھ بھاگیں وا گیں نہیں لیکن رشتہ داروں میں امتیاز بھی نہیں ہوتا۔ عبدالستار کی شادی بھی تو اسی طرح ہوئی۔"

"اچھا مجھ کو اس کا علم نہیں تھا۔" افتخار احمد نے کہا۔

"کان گنہگار ہیں ۔۔۔" عبیدہ بیگم بولیں۔" سنتی ہوں کہ عبدالوہاب پیٹ میں تھا جب عبدالستار سے ان کا نکاح ہوا ہے۔"

"وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے ——" زبیدہ بیگم نے کہا مجھ کو تو دن اور تاریخ تک یاد ہے۔ میرے نکاح کے پانچ ماہ بعد عبدالستار کا نکاح ہوا ہے۔ صفر میں میری شادی ہوئی اور جمادی الثانی میں ان کا نکاح ہوا —— اور محرم میں عبدالوہاب پیدا ہوا اسی لئے تو اس کو اٹھواسا مشہور کیا گیا۔ حالانکہ پورے دن کا اچھا خاصا توانا اور تندرست تھا۔ چچی اماں سے میرے سامنے وحیدن دائی نے کہا تھا کہ لڑکا اٹھواسا نہیں بلکہ پورے دن کا ہے۔ ایسی باتیں کہیں چھپی رہتی ہیں۔"

"ٹھیک ——" افتخار احمد نے پُرمعنی انداز میں سر ہلا کر کہا۔ جب ہی سے صاحبزادے ان اوصاف کے حامل ہیں کہ چھوٹی بہن کو ذوردار بنا کر دوسری لڑکیوں تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں ——"

زبیدہ نے کہا —— "خدیجہ نے کیا نہیں کیا —— اپنی چھوٹی پھوپھی تک کا گھر تباہ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ وہ تو کہیئے کہ عبدالستار کو بروقت معلوم ہو گیا اور انہوں نے فوراً اس کا نکاح کر دیا ——"

"میں توحید آباد میں تھی ——" عبیدہ بیگم نے کہا "سنا ہے کہ اس نے ایک بار تو تیہ پھانک لیا تھا لیکن اس وقت اسپتال میں ایک ڈاکٹر بہت شریف تھا اس نے کوئی دوا دے کر قے کرا دی۔"

"سب سن چکی ہوں ——" زبیدہ بیگم نے کہا۔" جس لڑکے سے نکاح ہوا ہے۔ اسی کے لئے زہر کھایا تھا۔ اس کے والدین خدیجہ کے لئے رضامند نہ تھے اور انہوں نے دوسری جگہ اس کی نسبت طے کی تھی جب خدیجہ کو علم ہوا تو اس نے اس کو بلا کر اس سے گفتگو کی۔ لڑکا بہت سیدھا اور سعادت مند ہے۔ اس نے شاید والدین کے طے کئے ہوئے رشتے میں مداخلت سے انکار کیا اور خدیجہ نے پسا ہوا توتیہ پھانک لیا ——"

"غضب کر دیا اس لڑکی نے ——" افتخار احمد نے کہا۔" جب اس کی حالت خراب ہوئی ہو گی تو عبدالستار گھبرا کر اس کو اسپتال لے گئے ہونگے۔"

"جی نہیں ——" زبیدہ بیگم نے کہا۔" وہ بہت پکی ہے۔ ادھر وہ واپس گیا اور ادھر وہ سر پر برقع ڈال کر اسپتال پہنچی اور ڈاکٹر کو نبض دکھا کر کہا۔ کہ دل دھڑکتا ہے اس نے نسخہ لکھ دیا خدیجہ نے دواخانے سے دوائی لی اور اسپتال کے پھاٹک پر پہنچکر اس دوا کو تو پھینک دیا اور پسا ہوا توتیہ پھانک کر پانی پی لیا۔ پانی پیتے ہی ایک استفراغ ہوا۔ اتفاق سے اسی وقت بڑا ڈاکٹر اس طرف سے گزر رہا تھا۔ اس نے اس کی حالت غیر دیکھی اور اس کو فوراً اسپتال کے اندر لے گیا اور دوائیاں دے کر قے کرائی۔ شام تک قے ہوتی رہی۔ جب اس کی جان بچی۔ لیکن مہینوں پڑی رہی۔"

"اور عبدالستار نے کچھ نہ کہا ——؟" افتخار نے پوچھا۔

"وہ اس مٹی ہی کے بنے نہیں ہیں۔"

"لاحول ولاقوۃ ——" افتخار احمد نے کہا۔ اُن کی جگہ میں ہوتا تو اسپتال ہی میں اس کا گلا دبا دیتا۔"

"انہوں نے تو یہ مشہور کر دیا تھا۔ کہ خدیجہ کو ہیضہ ہو گیا ہے۔"

عبیدہ بیگم نے کہا۔" خیر چھوڑو ان قصوں کو، جیسی کرنی ویسی بھرنی اب یہ بتاؤ کہ کمال اور جمال کے والدین کو کس طرح منع کیا جائے۔ میں نے سنا ہے کہ وہ سب کے لیے جوڑے لا رہے ہیں۔"

"ایسا تو نہ ہونا چاہیئے ——" افتخار احمد نے کہا۔" بات یہ ہے کہ پہلے سے تو ان سے شناسائی ہے نہیں —— یہ رشتے تو حال ہی میں طے ہوئے ہیں۔ تو بلاوجہ اپنے سر پر بار کیوں لیا جائے۔"

"یہی تو میں بھی کہہ رہی ہوں کہ ان کو کیسے منع کیا جائے۔ عبیدہ بیگم نے کہا۔

"میں آج ہی ان کے یہاں جاؤں گا۔ اور ان کے والد سے باتوں باتوں میں کہہ دوں گا کہ وہ جوڑوں کا انتظام نہ کریں۔ تحفے تحائف کی بات دوسری ہے۔"

"اس طرح کہیئے گا کہ برا نہ مانیں ——" زبیدہ بیگم نے کہا۔ رشتہ نازک ہے۔ وہی سمدھیانے والا معاملہ ہے۔"

دونوں مسکرا دیئے۔ عبیدہ بیگم نے کہا۔

"اُن سے کہہ دینا کہ میں نے اُن کی اہلیہ کو بلایا ہے۔ کل دوپہر کا کھانا یہیں کھائیں۔"

"ہاں آپ بھی ان کو سمجھا دیجئے گا۔"

عبیدہ بیگم اُٹھ کر چلی گئیں۔ افتخار احمد نے اپنی اہلیہ سے کہا۔

"اب باجی کے خیالات میں بھی زمین اور آسمان کا فرق ہو چکا ہے۔"

"دولہا بھائی نے ان کو میم صاحب بنا دیا تھا۔ ورنہ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ وہ صوم صلوٰۃ کی کس حد تک پابند تھیں۔"

"ہاں ایک بات تو کہنا بھول ہی گیا۔" افتخار احمد نے کہا۔

"زبیدہ بیگم سراپا گوش ہو گئیں۔"

افتخار احمد نے کہا "شادی میں عائشہ ضرور آئے گی۔"

"تو کیا ہے۔ آنے دیجئے۔ ایسے موقعوں پر تو اچھے اور برے سب ہی آتے ہیں اور شریک ہوتے ہیں۔"

"نبیل کے والدین بھی آئیں گے۔"

"ان کو آنا چاہیئے اس لئے کہ اب تو رشتے داری ہو گئی ہے۔"

زبیدہ بیگم نے الماری میں رکھی ہوئی ٹائم پیس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"گیارہ بجنے والے ہیں۔ آپ درزی کے یہاں ہو آئے۔"

افتخار احمد نے اُٹھ کر شیروانی پہنی اور زبیدہ بیگم سے باتیں کرتے ہوئے صحن میں پہنچ گئے۔ صبیحہ شاہدہ کے پاس بیٹھی ہوئی مخملی فیتے پر

پوت کی بیل بنا رہی تھی۔ افتخار احمد نے زبیدہ بیگم سے کہا۔

"شاہدہ اور زاہدہ سینا پرونا کر انہیں جانتی ہیں ان کو سکھاؤ ورنہ سسرال والے کیا کہیں گے۔"

"بہت بدشوق ہیں دونوں۔" زبیدہ بیگم نے کہا۔" اس روز میں نے کس کس طرح سے بخیہ کے ٹانکے نکالنا بتایا۔ اور سمجھایا ہے لیکن ان کی سمجھ میں خاک نہ آیا۔"

"بہرحال کچھ تو بتانا ہی پڑے گا۔" افتخار احمد نے کہا۔ ورنہ تم لوگوں کی بدنامی ہو گی۔ سسرال والے نام دھریں گے۔"

"وہ لوگ بھی ایسے ہی ہیں۔ گھر کے بجائے ہوٹل میں کھانا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اور روزمرہ کے استعمال کے کپڑے تک درزی کی دوکان پر سلتے ہیں۔"

"ہاں معلوم تو ایسے ہی ہوتے ہیں۔"

افتخار احمد زبیدہ سے باتیں کر کے باہر آئے۔ دروازے کے سامنے رضوانہ کے والد حاجی صاحب کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے افتخار احمد کو دیکھتے ہی کہا۔

"افتخار صاحب، آپ سے خوب ملاقات ہو گئی۔ میں دراصل آپ ہی کے پاس آیا تھا۔"

"فرمایئے۔"

"آج چار بجے شام کو رضوانہ کی بات چیت کے لئے کچھ لوگ آئیں گے

اس وقت آپ کی موجودگی ضروری ہے۔ تاکہ ان سے معاملات طے ہو جائیں۔"

"میں حاضر ہو جاؤں گا۔" افتخار احمد نے کہا۔ "لیکن ایک گھنٹہ بعد مجھ کو چھوڑ دیجئے گا۔"

"اس سے بھی کچھ پہلے۔"

افتخار احمد ان سے باتیں کرتے ہوئے سڑک کی طرف چلے گئے شام کو چار بجے حاجی صاحب کے چند عزیز رضوانہ کی بات چیت کے لئے آئے۔ افتخار احمد نے حاجی صاحب کی طرف سے ان سے گفتگو کی اور نسبت پختہ ہو گئی۔ وہاں سے اٹھ کر وہ جمالی اور کمال کے والد کے پاس پہنچے اور بہت دیر تک ان سے باتیں کرتے رہے۔ وہ کسی قیمت پر اپنا فیصلہ بدلنے پر تیار نہ ہوئے۔ اور انہوں نے کہہ دیا کہ اگر ان کو منع کیا گیا تو واقعی ان کو دکھ ہوگا۔ افتخار احمد کو مجبوراً خاموش ہو جانا پڑا اور انہوں نے مکان پہنچ کر جمیدہ بیگم اور اپنی اہلیہ سے کہہ دیا۔

رات کو اظہار زیورات کے چھ بسکٹ لائے۔ افتخار احمد نے ان سے کہا۔

"تم کو اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔"

"کیوں کیا وہ میری لڑکی نہیں ہے؟"

"ہے ــــــ! اسی لئے تو کہہ رہا ہوں۔" افتخار احمد نے کہا۔ "اس قدر زیورات تو گھر میں موجود ہیں، جو زیور پسند آئے اپنی طرف

سے پہنا دینا "

یہ تو صحیح ہے۔ لیکن اس طرح وہ خوشی نہ حاصل ہوتی "

"میاں یہ سب کہنے کی باتیں ہیں " افتخار احمد نے کہا۔

" تم بھی فضول خرچ ہو۔ وقت کو نہیں دیکھتے ہو۔ ان ہی پرانے خیالات اور ماضی کے دھندلکوں میں کھڑے ہو "

اظہار ہنسنے لگے۔ اظہار اور افتخار کے بہنوئی وقار احمد بھی وہیں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے افتخار احمد سے کہا۔

" پہلے دیکھ تو لو کہ وہ لائے کیا ہیں۔ پھر لکچر بازی کرنا "

افتخار احمد نے زیورات دیکھے۔

" زیورات تو واقعی بہت خوشنما اور نئے ڈیزائن کے ہیں "

افتخار احمد نے کہا " خصوصاً کنگن تو بہت اچھے اور لاجواب ہیں۔ کیا کام بنایا ہے ظالم نے "۔

"اور یہ ہار ——— ؟" اظہار نے پوچھا۔

" یہ کنگنوں سے بھی زیادہ خوبصورت ہیں " افتخار احمد نے کہا۔

" کاریگر اپنے فن میں ماہر معلوم ہوتا ہے کتنے سبک اور خوش نما پھول بنائے ہیں "

" جی ہاں ——— ! اور یہ بین جوڑے کا پھول ہے "

سبحان اللہ ! واہ واہ ——— اظہار واقعی تمہارا انتخاب سب میں بہتر رہا۔ یہ زیورات لائے کہاں سے ہو "

"چاندنی چوک سے۔" اظہار نے کہا۔

"واقعی زیورات بہت اچھے ہیں۔" وقار احمد نے کہا۔ "تمہارا انتخاب واقعی بہت اچھا ہوتا ہے۔ تم نے صرف بیوی کے انتخاب میں چوٹ کھائی ہے۔ ورنہ ہر انتخاب قابل داد ہے۔"

"شکریہ ———" اظہار نے کہا۔ "یہ سب آپ کی قدردانی ہے۔"

"خیر یہ بات تو نہیں ہے۔" وقار احمد نے داڑھی کھجلا کر بہت سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "تم اس غلط فہمی میں نہ مبتلا ہونا۔ بہر حال میاں زیورات ہیں بہت اچھے۔ یہ تم نے پسند کئے ہیں یا تمہاری دلہن نے۔"

"وہ میرے ساتھ گئی تھیں۔"

"اب بتائی ہے تم نے بات۔"

وقار احمد کچھ کہنے ہی والے تھے کہ ان کی اہلیہ صغریٰ آ گئیں۔ اور ان سے کہنے لگیں۔

"آپ آج بھی نہیں گئے اور اظہار زیورات بھی خرید لائے۔"

"اب زیورات خرید کر کیا کرو گی۔" وقار احمد نے کہا۔ "اب اگر زیور ہی دینا ہے۔ تو بہشتی زیور کا مل دے دو۔"

"آپ ہر بات مذاق میں ٹال دیتے ہیں۔" صغریٰ نے کہا۔ "خیر اب آج وقت نہیں رہ گیا ہے۔ کل دس بجے دن کو مجھے لے چلئے میں خود اپنی پسند کی چیزیں خرید دوں گی۔"

"میرے بجائے اپنی چھوٹی بھاوج کو لے جاؤ۔ دیکھو وہ آج کیسے اچھے

زیورات لائی ہیں۔ ان کو یہاں بلاؤ ذرا داد تو دوں۔ اُن کے انتخاب کی۔"

صغریٰ زیورات دیکھنے لگیں۔ افتخار احمد نے کہا۔

"واقعی زیورات بہت اچھے ہیں۔"

زبیدہ بیگم بھی آگئیں۔ اور انہوں نے اپنی بہن اور ان کے شوہر کو بھی بلا لیا۔ وقار احمد نے شفیق الرحمٰن کو دیکھتے ہی کہا۔

"شفیق بھائی ہمارے سمدھی کے انتخاب کی داد دیجئے۔"

صغریٰ نے اپنے شوہر کو ٹیڑھی نظر سے دیکھا اور وہ بہت توجہ کے ساتھ ہار دیکھنے لگے۔ زبیدہ بیگم نے اپنے شوہر سے کہا۔

"آپ کو بہن نے بلایا ہے۔ ابھی حامد میاں آئے تھے۔ شاید وہ برتنوں کے لئے کہیں گے۔ آپ کہہ دیجئے گا کہ برتنوں کا انتظام ہو گیا ہے۔"

افتخار احمد اسی وقت چلے گئے۔

۴۹

محلے میں دس نیک دل، شریف اور ہمدرد ہوتے ہیں۔ تو ایک دشمن اور حاسد بھی ہوتا ہے۔ حاسد کو بغیر کسی وجہ کے لوگوں سے للٰہی بغض ہوتا ہے۔ ایسی طبیعت کے لوگ دوسروں کو کھاتا پیتا دیکھ کر بلاوجہ برائی شروع کر دیتے ہیں۔ اور حسد کی آگ میں جلنے لگتے ہیں۔ احمدی بیگم کے مکان سے کچھ ہی فاصلے پر خورشید حسن نامی ایک صاحب رہتے تھے۔ وہ بھی کچھ اسی طبیعت کے تھے۔ بظاہر تو وہ ہر شخص سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے تھے لیکن بقول حاجی محمد شفیع وہ کسی کو روٹی کھاتا ہوا نہیں دیکھ سکتے تھے۔

خورشید حسن امروہہ کے رہنے والے تھے اور دہلی میں ایک دواخانے میں ملازم تھے۔ صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے لیکن حسد کا یہ عالم تھا کہ

محلے کے پیش امام کے اس کھانے کو بھی دیکھ کر حسد کرتے تھے جو محلے کے گھروں سے اُن کے لئے آتا تھا۔ مثل مشہور ہے کہ کند ہم جنس باہم جنس پرواز ——— ان کی بیوی عالیہ بھی کچھ اسی طبیعت کی تھیں اپنے شوہر کی طرح وہ جب چار عورتوں میں بیٹھتی تھیں۔ تو دوسروں ہی کے تذکرے کرتی تھیں۔

احمدی بیگم نے جس سلیقہ کے ساتھ محدود آمدنی میں اپنا گھر بنایا تھا۔ اور اپنے بچوں کو تعلیم دلائی تھی۔ اور جس طرح اثاثہ جمع کیا تھا اس کا خورشید حسن اور عالیہ کو بھی علم تھا۔ لیکن اس کے باوجود جب کبھی بھی کہیں ان کا ذکر آجاتا تھا۔ میاں بیوی کے سینے پر سانپ لوٹ جاتا تھا۔ اور دونوں غریب احمدی بیگم پر طرح طرح کے اعتراضات کرنے لگتے تھے احمدی بیگم کے خلاف جب ان کی بھاوجوں نے اپنے شوہروں کو ورغلا کر محاذ قائم کیا تھا تو عالیہ اور ان کے شوہر خورشید حسن نے بھی اس میں سرگرم حصہ لیا تھا۔ اور خوب خوب حاشیہ آرائی کی تھی اور ان دونوں نے احمدی بیگم جیسی نیک دل اور عفت مآب خاتون کے چال چلن پر بھی رکیک حملے کئے تھے لیکن جب اپنے اخلاق اور اپنے کردار کی خوبیوں سے احمدی بیگم نے سب کے شکوک رفع کر دیئے تھے تو دونوں اپنا سا منہ لے کر رہ گئے تھے۔

عالیہ نے اس سلسلے میں منہ کی کھانے کے بعد احمدی بیگم کے یہاں آمد و رفت بند کر دی تھی۔ لیکن ایسی طبیعت کے لوگوں میں غیرت

اور حیا نام کو نہیں ہوتی۔ احمدی بیگم کو ان کے ہتھکنڈوں اور ان کی باتوں کا علم تھا۔ لیکن انہوں نے ان کی باتوں کا کوئی اثر نہیں لیا تھا۔ اور ایک تقریب کے موقع پر خود عالیہ کے مکان پر جا کر ان کو لائی تھیں۔ اور اس طرح احمدی بیگم اور زبیدہ بیگم کے یہاں پھر ان کی آمدورفت شروع ہو گئی تھی۔ اظہار جس وقت زیورات خرید کر لائے تھے۔ عالیہ بیگم زبیدہ بیگم کے یہاں تھیں اور عبیدہ بیگم کے پاس بیٹھی ہوئی اُن سے باتیں کر رہی تھیں۔ عبیدہ بیگم اظہار کی اہلیہ کی آواز پر اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔ اور کچھ دیر بعد وہ زیورات لا کر عالیہ بیگم کو بھی دکھائے۔

عالیہ بیگم زیورات دیکھ کر بظاہر بہت خوش ہوئیں۔ لیکن پیٹ میں چوہے دوڑنے لگے کہ طاہرہ کو ایسے قیمتی زیورات ملیں گے۔ زیورات دیکھنے کے بعد ایک پان کھا کر وہ اپنے مکان پہنچیں۔ خورشید حسن عشا کی نماز پڑھ کر پلنگ پر دراز ہو چکے تھے۔ بیوی کے قدموں کی چاپ سن کر انہوں نے کمرے کے دروازے کی طرف دیکھا اور ان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"تم جہاں جاتی ہو وہیں کی ہو کر رہ جاتی ہو۔ غضب خدا کا، آٹھ بجے گئی تھیں اور اب سوا دس کا وقت ہے۔"

"شادی بیاہ کے گھر میں تو دیر ہوتی ہے۔"

عالیہ نے برقع اتار کر الگنی پر ڈالتے ہوئے کہا۔

"صبیحہ کی خالہ سے باتیں کرنے لگی ——— آج تو بڑے قیمتی زیورات

آئے ہیں۔"

"طاہرہ کے لئے ——؟"

"بیٹی اور بہو —— دونوں کے لئے آئے ہیں۔"

عالیہ بیگم نے کہا۔" طاہرہ بھی نصیبے کی سکندر ہے۔ خدا بیٹی دے تو ایسا ہی مقدر بھی دے۔ چچیا سسر آج ہار کنگن اور جوڑے کے پھول لائے ہیں —— سلمیٰ کے ابا میں سچ کہتی ہوں ایسے زیورات تو میں نے لکھ پتی گھرانوں کی عورتوں کو بھی پہنے ہوئے نہیں دیکھے ہیں۔"

"احمدی بیگم بڑے جوڑ توڑ کی عورت ہے۔" خورشید حسن نے کہا۔ اسی لئے تو اس نے ڈپٹی صاحب کی بیوی سے بہناپا جوڑا تھا۔ وہ تمہاری طرح گدھی نہیں ہے۔ دیکھو کیسا شیشے میں اتارا ہے کہ ان کے خاندان کا بچہ بچہ اسی کے گن گا رہا ہے اور اسی کا کلمہ پڑھ رہا ہے۔"

"میں کیا کروں۔ اپنی طبیعت سے مجبور ہوں ——" عالیہ بیگم نے اپنا جوڑا باندھتے ہوئے کہا۔" مجھ کو ایسا چھر چھندپن نہیں آتا ہے۔"

"وہ اپنے شوہر کے پاس بیٹھ گئیں اور دروازے کی طرف دیکھ کر کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"احمدی بیگم نے جب لڑکیوں کو پڑھانے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ میں نے اسی وقت کہا تھا کہ عورت بہت تیز ہے اور اس بہانے سے کوئی ڈھونگ رچائے گی۔"

"رچایا تو ہے ڈھونگ ——" خورشید حسن نے کہا۔" مدرسہ

قائم کر کے دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹ رہی ہے۔ مکان پندرہ بیس سے زیادہ پر نہیں اٹھتا لیکن مدرسہ کمیٹی پچاس روپے ماہوار دے رہی ہے۔"

"لڑکیوں سے فیس کے ساتھ تحفے تحائف بھی تو لیتی ہیں۔"

"اسی کی بدولت اچھی خاصی حیثیت بنالی ہے۔" خورشید حسن نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کہاں جارہے ہو ——؟" عالیہ بیگم نے پوچھا۔

"رفیع بھائی کے پاس ——" خورشید حسن نے کہا۔ احمدی بیگم کا بہت بڑا پارٹ لیتے ہیں۔ روز جب اس کا ذکر آتا ہے تو اسے رانڈ بیوہ اور اس کے بچوں کو یتیم کہتے ہیں۔ ان کو جا کر بتا آؤں کہ اسی رانڈ اور بیوہ کی یتیم لڑکی کو ہزاروں روپیہ کی مالیت کے زیورات ملیں گے۔"

"—— جی ہاں —— اور یہ بھی کہہ دیجئے گا کہ احمدی بیگم خود تو شرع کا ڈھول پیٹتی رہتی ہیں اور دوسروں کو تلقین کرتی ہیں کہ شادی بیاہ میں زیادہ تزک و احتشام نہ ہو شرع کے مطابق شادی ہو اور یہ کہاں کی شرع ہے کہ بیٹی کو ہزاروں کا جہیز دے رہی ہیں۔ پانی ٹھنڈا کرنے اور برف جمانے کی مشین تک خریدی گئی ہے جہیز کے لئے۔"

"رفریجریٹر ——" خورشید حسن نے کہا۔" اسے رفریجریٹر کہتے ہیں۔ چھوٹی مشین تین ساڑھے تین ہزار کی آتی ہے۔"

"میں کہتی ہوں آخر احمدی بیگم کے پاس اتنی دولت آئی کہاں سے؟"

"سب، ڈپٹی صاحب کی رقم ہے۔ وہ قصہ جو پہلے مشہور ہوا تھا میرے خیال میں وہ صحیح ہے۔ ورنہ مکانوں کے کرائے سے نہ تو ایسی شاندار زندگی گزاری جا سکتی ہے اور نہ اتنی دولت جمع کی جا سکتی ہے۔"

خورشید نے سلیپر پہنے اور لوئی اوڑھ کر اپنے ہمسایہ رفیع صاحب کے مکان پر پہنچے۔ وہ اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے حاجی صاحب سے ان ہی تقریبوں کے متعلق باتیں کر رہے تھے اور حاجی صاحب پُرجوش لہجے میں کہہ رہے تھے۔

"رفیع صاحب! احمدی بیگم واقعی ایک مثال ہیں۔ خدا ان کی مامتا ٹھنڈی رکھے۔ ان کے بچے بھی ویسے ہی ہیں۔ میں نے حامد کو کبھی ادھر اُدھر گھومتے پھرتے نہیں دیکھا۔"

"لڑکا محنتی اور ذہین ہے۔" خورشید حسن نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس وقت آپ جو کچھ بھی دیکھ رہے ہیں یہ سب ڈپٹی صاحب کی توجہ کا نتیجہ ہے۔"

"خورشید صاحب! میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا؟" حاجی صاحب نے فوراً سوال کیا۔

رفیع صاحب حاجی صاحب کی طبیعت سے واقف تھے وہ اگر کسی بات پر کسی سے الجھ جاتے تو گھنٹوں کے لئے فرصت کر دیتے تھے اور جب تک پوری طرح مطمئن نہیں ہو جاتے تھے خاموش نہیں ہوتے

تھے۔ اس لئے انہوں نے بات کو وہیں ختم کرانے کی کوشش کی۔ لیکن حاجی صاحب خاموش نہیں ہوئے۔ اور خورشید حسن سے پھر وہی سوال کیا۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ حامد میاں کی تعلیم و تربیت میں ڈپٹی صاحب کا بھی بہت ہاتھ رہا ہے"۔

"بالکل غلط ——" حاجی صاحب نے کڑک کر کہا۔ "بہن احمدی بیگم بہت دور اندیش اور قابل خاتون ہیں۔ انہوں نے بچپن ہی سے اپنے بچوں کو ایسی تعلیم دی کہ اب ان کو مستقبل میں کسی کی رہنمائی کی ضرورت نہ پڑے گی۔ انہوں نے پچاس لڑکیوں کو بھی ایسی ہی تعلیم دی ہے"۔

"حاجی صاحب! عورت خواہ کتنی ہی قابل کیوں نہ ہو۔ لیکن وہ مرد کی سی سوجھ بوجھ سے کام نہیں لے سکتی"۔

"شاید ایسا ہی ہو ——" حاجی صاحب نے کہا۔ "لیکن احمدی بیگم پر یہ کلیہ نہیں عائد ہو سکتا یہ بات میں اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر کہہ رہا ہوں" ——" خورشید میاں —— احمدی بیگم اپنی آپ مثال ہیں"۔

خورشید حسن کے دل میں حسد کا لاوا کروٹیں لے رہا تھا۔ انہوں نے کہا۔

"حاجی صاحب! ہو سکتا ہے کہ وہ بہت قابل ہوں۔ اور ضرور ہوں گی اس لئے کہ ایک مدرسہ چلا رہی ہیں۔ لیکن حامد میاں کے والد مرحوم کی مالی حالت سے آپ بھی واقف تھے"!

"یہاں مالی حالت کا کیا سوال ہے۔" حاجی صاحب نے پوچھا۔
"احمدی بیگم نے اپنی لڑکی طاہرہ کے لئے ہزاروں کا زیور خریدا ہے۔ اور جہیز میں وہ چیزیں دی جائیں گی جو بڑی بڑی رئیس زادیوں کو نہ ملتی ہوں گی۔"

"یہی تو اس وقت میں بھی کہہ رہا تھا ——" حاجی صاحب نے کہا۔ "کیوں رفیع بھائی اس وقت میں یہی تو کہہ رہا تھا۔ کہ عورت ہوتے ہوئے اپنے سگھڑ پن اور سلیقہ مندی سے انہوں نے اپنی حیثیت بنالی اور ان کی یہ سلیقہ مندی ہمارے گھر کی عورتوں کے لئے مشعل راہ ہے۔"

"حاجی صاحب! میری سمجھ میں تو یہ سلیقہ مندی آتی نہیں ہے۔"

"تو اس میں کسی کا کیا قصور ہے۔" حاجی صاحب نے کہا۔ "محلہ کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ انہوں نے اپنی کوششوں سے اپنی آمدنی کے وسائل بڑھائے۔ پیسہ پیسہ اور دو دو پیسہ پس انداز کر کے اپنے بچوں کے لئے رقم جمع کی۔"

"یہ خود ایک حقیقت ہے۔" رفیع صاحب نے کہا۔ "میری اہلیہ بتاتی ہیں۔ کہ احمدی بیگم نے تین تین بجے رات تک محنت کر کے کرتے اور روئی والی ٹوپیاں بنائی ہیں۔ فاضل وقت میں بچوں کو پڑھایا ہے اور اپنے بچوں کے اخراجات پورے کئے ہیں۔"

خورشید حسن نے اپنی دال گلتے نہ دیکھ کر کہا۔

"خیر اس کا تو مجھ کو بھی اعتراف ہے۔ —— لیکن وہ جس تزک و احتشام

سے شادی کر رہی ہیں۔ اُن کو زیب نہیں دیتی ہیں۔"

"کیوں ——— ؟" رفیع صاحب نے فوراً سوال کیا۔

"وہ خود ہی ہر ایک کو تلقین کرتی رہتی ہیں کہ شادی سادہ طریقہ پر ہو شرع کے مطابق ہو اور اب اپنی لڑکی اور لڑکے کی شادیاں اس شان کے ساتھ کر رہی ہیں۔"

"خورشید حسن صاحب!" حاجی صاحب نے کہا۔ "آپ کو شاید ان سے کچھ بغض ہے۔ ورنہ آپ ایسی بات نہ کہتے۔ یہ شادیاں بالکل سادہ طریقہ پر اور شرع کے مطابق ہو رہی ہیں۔"

"کیا نبی کریم نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو بھی ہزاروں کے زیورات دیئے تھے؟"

خورشید حسن نے حاجی صاحب سے دریافت کیا۔

"آنحضرتؐ نے جہیز کا تعین نہیں کیا تھا۔ کہ لڑکی کو ایک لوٹا ایک کوڑا ایک چمڑے کا گدا دیا جائے۔ احادیث موجود ہیں۔ نبی کریم نے بارہا جہیز کے مسئلہ پر کہا کہ حسب حیثیت جہیز دو ———"

حاجی صاحب نے خورشید حسن کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"آپ نے حضرت فاطمہ کو جہیز میں جو کچھ دیا دراصل وہ ہمارے لئے ایک نظیر تھی۔ اس کا مطلب یہ نہیں تھا۔ کہ انہوں نے اپنی نورِنظر کو جو کچھ بھی دیا۔ اس سے زائد نہ دیا جائے۔"

"خورشید حسن صاحب! آپ تو ماشاءاللہ تعلیم یافتہ ہیں لیکن اس

کے باوجود ایسی باتیں کر رہے ہیں۔"

"رفیع صاحب بول اُٹھے۔ "شادیاں تو واقعی بہت سادگی کے ساتھ ہوں گی۔ ناچ گانا اور باجا وغیرہ کچھ نہ ہو گا۔"

"کم از کم آٹھ طرح کے کھانے ہوں گے ـــــ" خورشید حسن نے کہا۔ زردہ، پلاؤ، قورمہ، نان، شیرمال، شامی کباب، شاہی ٹکڑے اور مائتہ۔"

"تو اس میں کیا برائی ہے۔ عرب تو مہمانوں کے لئے اپنی عزیز ترین متاع بھی قربان کر دیتے تھے۔"

حاجی صاحب نے فوراً جواب دیا۔

خورشید حسن بغلیں جھانکنے لگے۔ رفیع صاحب نے کہا۔

"شادیاں شرع کے مطابق ہوں گی۔"

"حاجی صاحب نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"خورشید حسن میاں! اگر بُرا معلوم ہو تو منہ پر کہہ دیجئے گا۔ آپ کا یہ ٹلّھی بغض مناسب نہیں۔ وہ غریب تو سب ہی کا بھلا چاہتی ہیں۔ اور سب ہی کے لئے دعائے خیر کرتی رہتی ہیں۔ انہوں نے کبھی دانستہ یا نادانستہ طور پر کسی کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی۔"

"حاجی صاحب دراصل آپ میرا مطلب نہیں سمجھے۔"

خورشید حسن صاحب نے حاجی صاحب کو ہموار کرنے کی کوشش کی۔

حاجی صاحب بہت زیادہ برہم ہو چکے تھے۔ انہوں نے کہا۔

"یہ میری بدقسمتی ہے۔"

حاجی صاحب کھڑے ہو گئے۔ ان کے ساتھ رفیع صاحب بھی اُٹھے اور مجبوراً خورشید حسن کو بھی اٹھنا پڑا۔ رفیع صاحب نے گھڑی دیکھ کر کہا۔

"آج باتوں باتوں میں وقت کا بھی اندازہ نہ ہو سکا۔"

"بارہ بج چکے ہوں گے۔" حاجی صاحب نے کہا۔

"ساڑھے گیارہ کا وقت ہے۔"

خورشید حسن اپنے مکان میں داخل ہوئے۔ ان کی اہلیہ کھڑکی میں بیٹھی ہوئی بی ہمسائی سے کھسر پھسر کر رہی تھیں۔ خورشید حسن نے اپنی بیوی کو مخاطب کر کے کہا۔

"آج ابھی تک جاگ رہی ہو۔"

"جی ہاں بی ہمسائی کی آواز سُن کر کھڑکی میں آ گئی۔"

خورشید حسن کو معلوم تھا کہ بی ہمسائی کا تاپوسی دوسروں کی غیبت اور حسد میں ان کی اہلیہ عالیہ بیگم سے کم نہیں ہیں اور اس وقت ان دونوں کی گفتگو کا موضوع وہی شادیاں ہوں گی۔ اس لئے انہوں نے ہنس کر اپنی بیوی سے کہا۔

"دعوتوں میں لمبے ہاتھ مارنے کے لئے ہموار کر رہی ہو۔"

"لمبے ہاتھ تو سب ہی ماریں گے۔" بی ہمسائی نے کھڑکی کے اس طرف

سے جواب دیا۔ آپ بھی تو دونوں طرف سے مدعو ہوں گے "

" لیکن پیٹ تو ایک ہی ہے "۔ خورشید حسن کے بھائی اُن کی اہلیہ عالیہ بیگم نے کہا "کھانا ایک وقت میں صرف ایک ہی جگہ کھایا جا سکتا ہے۔ خواہ وہاں کھایا جائے یا وہاں "

" بی ہمسائی نے خورشید حسن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

بھائی صاحب! یہ کیسی شرعی شادی ہے۔ کہ ہزاروں روپے خرچ ہو رہے ہیں "

" بڑوں کی بات بڑی ہوتی ہے "۔ خورشید حسن نے کہا " وہ لوگ ننگے ہو کر ناچیں گے تو وہ بھی شرع کے مطابق کہا جائے گا "

" میں بہن سے ابھی یہی کہہ رہی تھی کہ احمدی بیگم دوسروں کو تو فضول خرچی سے منع کرتی ہیں۔ لیکن خود پانی کی طرح روپیہ بہا رہی ہیں "

" کیا کہا جائے "۔ خورشید حسن نے کہا " ابھی رفیع بھائی کے کمرے میں یہی بات میں نے حاجی صاحب سے کہہ دی تو وہ آپے سے باہر ہو گئے "

" وہ کیوں نہ باہر ہوں گے "۔ بی ہمسائی نے کہا " وہ اُن کے پردہ دار ہیں اور وہ اُن کے "

" یعنی ــــــ؟ " خورشید حسن نے پوچھا۔

" رضوانہ کا قصہ تو بہن نے آپ کو بتایا ہی ہوگا ــ بی ہمسائی نے کہا " ڈپٹی صاحب کے رشتے کا ایک بھتیجا رضوانہ کو لیے جا رہا تھا۔

اور وہ اس کے ساتھ جانے پر رضامند تھی۔"

"ہاں ہاں ــــــ! میں سُن چکا ہوں ــــــ" خورشید حسن نے کہا۔
"اس لڑکے نے پہلے طاہرہ سے شادی کی کوشش کی۔ جب ادھر سے مایوسی ہوئی تو اس نے رضوانہ اور اس کی ایک سہیلی نیر کو ہموار کیا۔"

"جی ہاں ــــــ لیکن اب ان لوگوں سے بڑھ کر کون عزت والا ہے۔" عالیہ بیگم نے کہا۔ "کیسی بڑھ بڑھ کر باتیں کرتے ہیں۔ میں نے تو آج نفیسہ کی ماں کے منہ پر کہہ دیا کہ مدرسہ کے نام پر جمع کی ہوئی رقم شادیوں میں خرچ ہو رہی ہے اور محلے والوں کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی ہے۔ نہ کوئی حساب ہے نہ کتاب ہے۔"

بی ہمسائی نے عالیہ بیگم کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"بھائی صاحب! کل کمیٹی والوں سے کہیئے کہ یہ کیا اندھیر ہو رہا ہے۔ ہم تو اپنے بچوں کے حلق سے نوالہ نکال کر مدرسہ کے نام پر چندہ دیں۔ اور وہ یوں اللّے تللّے کے ساتھ خرچ ہو۔"

"آج کل خلیل احمد صاحب سیکریٹری اور سابلال احمد خزانچی ہیں۔ کل ان سے گفتگو کروں گا۔"

"ضرور گفتگو کیجیئے ــــــ" بی ہمسائی نے کہا۔ "میں بھی منصور کے والد سے کہوں گی۔ کہ وہ بھی گفتگو کریں۔ کل جب آپ ان لوگوں کے ہاں جائیں ان کو بھی بلا لیں۔"

"بہتر ہے۔"

خورشید حسن اپنے کمرے میں چلے گئے۔ عالیہ بیگم بی ہمسائی کے پاس بیٹھی باتیں کرتی رہیں۔ ان کی گفتگو کا موضوع احمدی بیگم کی دولت تھی۔ وہ اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھیں کہ احمدی بیگم نے اپنی حیثیت اپنی "سلیقہ مندی" سے بنائی ہے۔

بی ہمسائی نے کہا "ڈپٹی صاحب کی بیوی کو انھوں نے ایسا شیشے میں اتار لیا ہے۔ کہ وہ کچھ کہتی ہی نہیں ہیں۔"

"کہیں گی کیسے ——" عالیہ بیگم نے کہا۔ "دعا تعویذ کر کے ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے ہیں۔"

"جوان سہاگنوں سے زیادہ صاف لباس میں رہتی ہیں" بی ہمسائی نے کہا "کہنے کو سفید لباس پہنتی ہیں۔ لیکن ہوتا ہے ریشمی۔"

"محلے والوں کو بھی خوب بے وقوف بنا رکھا ہے" عالیہ بیگم نے کہا "جہاں جا کر بیٹھو احمدی بیگم ہی کے قصیدے سنائے جاتے ہیں۔ میں تو اب منی کو اس مدرسے میں نہ بھیجوں گی۔"

بی ہمسائی نے کہا "میں نے تو آج تک اپنی کسی لڑکی بھتیجی یا بھانجی کو وہاں نہیں بھیجا۔ دو ایک بار احمدی بیگم آئیں بھی لیکن میں نے بہانہ کر دیا۔"

"فراش خانے بھیج دیا کیجئے۔"

"دیکھا جائے گا" بی ہمسائی نے کہا "بڑی لڑکی نے قرآن پڑھ لیا ہے۔ بس وہی بہت کچھ ہے۔ کسی دفتر میں ملازمت تو کرانا نہیں ہے"

"احمدی بیگم اور طاہرہ ایک روز میرے پیچھے پڑ گئیں تھیں کہ اپنی بچیوں کو بھیجو لیکن میں نے کہہ دیا کہ ابھی جاری کیا ہے۔ اگر مقدر میں لکھا ہو گا تو پڑھ جائیں گی۔"

"بی ہمسائی نے کہا" عرفان کی ماں بھی بہت جلی ہوئی ہے۔ وہی جو پیچھے میں رہتی ہے۔ بہت بھاڑی عورت ہے کوئی عجب نہیں جو عین برات کے دن مہمانوں کے سامنے عقدے کھولے۔"

"ہاں سنا ہے کہ حامد اور اعجاز ہی کے کہنے پر پولیس عرفان کو پکڑ کر لے گئی تھی۔"

"غریب کے ساتھ بہت ظلم ہوا۔" بی ہمسائی نے کہا۔" عرفان کسی کارخانے میں کام کرتا ہے۔ وہ ایک پان فروش کی دوکان پر کبھی کبھی کھڑا ہو جاتا تھا۔ بس اسی پر جل کر ان لوگوں نے پولیس سے کہہ دیا اور وہ پکڑ لیا گیا۔"

"غریبوں کی آہ لینا اچھا نہیں۔"

اب تو چھوٹ کر آگیا ہے۔" بی ہمسائی نے کہا۔" پرسوں ادھر سے گاتا ہوا جا رہا تھا۔ سنا ہے کہ محلے کے کئی آدمیوں نے اس کی ضمانت دی تھی۔"

عالیہ بیگم نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔

"کل دن کو عرفان کی ماں کو بلاؤ۔ اس کو سمجھایا جائے۔ وہی مہمانوں کے سامنے بخیے اُدھیڑ سکتی ہے۔"

"یہی میں بھی سوچ رہی تھی میں کل ہی بلاؤں گی۔ تم بھی اس کو سمجھانا میرا بس چلے تو میں ان سب کے گھر پھنکوا دوں ــــــ غریبوں کا خون چوس کر بہت دولت جمع کی ہے ــــــ اور وہ ڈپٹی وہ بھی بہت گھٹا ہوا ہے۔"

"دونوں آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگیں۔ اور بارہ کے گھنٹے سنتے ہی دونوں کھڑکی بند کر کے اپنے اپنے کمروں میں چلی گئیں۔

خورشید حسن نے دوسرے روز صبح ہی ہمسائی کے شوہر عبدالکریم کو بلایا۔ اور دونوں خلیل احمد کے پاس پہنچے۔ خلیل احمد اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے ابدال احمد سے باتیں کر رہے تھے۔ خورشید حسن اور عبدالکریم نے دونوں کو سلام کیا اور خلیل احمد نے ان کو اندر بلایا اور کرسیوں پر بٹھا کر ان سے دریافت کیا۔

"فرمایئے اس وقت کیسے زحمت کی؟"

"کیا عرض کروں ــــــ" خورشید حسن نے کہا "مدرسے کے فنڈ کے سلسلے میں کل محلے کے دو چار آدمیوں سے بلاوجہ الجھن ہو گئی۔"

"الجھن ہو گئی ــــــ؟" خلیل احمد نے متعجبانہ لہجے میں کہا "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا؟"

"میرا مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مدرسہ کے نام سے جو چندہ لیا جاتا ہے۔ وہ بعض افراد کے ذاتی اخراجات میں آ جاتا ہے۔"

"یعنی میں یا ابدال صاحب خرچ کر ڈالتے ہیں ــــــ" خلیل احمد

نے مسکرا کر کہا۔

"جی نہیں ——" عبدالکریم نے کہا —" انشاء اللہ آپ کے پاس کس چیز کی کمی ہے۔ خدا کا دیا مکان۔ کار۔ کاروبار سب کچھ تو ہے"۔

" تو پھر میں خرد برد کر دیتا ہوں گا"۔ ابدال احمد نے مسکرا کر کہا۔

"جی نہیں! بلکہ وہ رقم آپ کے پاس آنے سے قبل ہی خرد برد ہو جاتی ہے۔ اگر پوری رقم نہیں تو اس کا کچھ حصّہ ضرور لوگوں کے ذاتی مصرف میں آ جاتا ہے"۔

" آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا"۔ ابدال صاحب نے پوچھا۔ "اور آپ کے پاس اس کا کیا ثبوت ہے۔ آپ سے کس نے یہ بات کہی —؟"

" یہ تو میں فی الحال نہ بتاؤں گا ——" خورشید حسن نے کہا۔ "لیکن اس قدر ضرور عرض کروں گا کہ کچھ رقم ضرور خرد برد ہوتی ہے"۔

" اگر آپ کو شک ہے، شک کیا بلکہ یقین ہے۔ کہ ایسا ہوتا ہے تو آپ سیکریٹری کے نام ایک خط لکھیں"۔ میاں احمد نے کہا۔ "وہ اس کی چھان بین کریں گے۔ اور اگر ایسا ہوتا ہے تو اس شخص سے باز پرس کی جائے گی، اور اس کو کمیٹی سے نکال دیا جائے گا"۔

میں فی الحال یہ بھی نہیں چاہتا ہوں"۔

"تو پھر آپ کیا چاہتے ہیں ——؟" خلیل احمد نے سوال کیا۔

" میں یہ چاہتا ہوں کہ بہت خاموشی کے ساتھ پہلے تحقیقات کر لی جائے"۔

"آپ کو کس پر شک ہے؟" خلیل احمد نے دریافت کیا۔
خورشید حسن نے کہا "مجھ ہی کو نہیں بلکہ متعدد افراد کو شک ہے
لیکن فی الحال، ان کے نام نہیں ظاہر کروں گا۔"
"کس پر شک ہے ——؟" ابدال احمد نے دریافت کیا۔
"جو لوگ ایسی رقوم وصول کرتے ہیں ——" خورشید حسن نے
کہا۔ اگر آپ حضرات تحقیقات کریں گے تو خود ہی معلوم ہو جائے گا۔"
"زیادہ رقم طالبات کے ذریعہ آتی ہے۔" خلیل احمد نے کہا۔
"—— اور وہ رقم احمدی بیگم صاحبہ خود وصول کرتی ہیں۔ جہاں تک ان
کی ذات کا تعلق ہے۔ ان پر کوئی بھی شک نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ اس
مدرسہ کی بانی ہیں اور ان کی قربانیاں غیر مسبوق ہیں۔"
"میں ابھی عرض کر چکا ہوں کہ میں کسی کا نام نہ لوں گا۔" خورشید حسن
نے کہا۔ "جب آپ چھان بین کریں گے تو آپ کو سب کچھ معلوم ہو جائیگا"
"خورشید صاحب!" خلیل احمد نے کہا۔ "آپ کے الزامات سنگین
ہیں، اور محترمہ احمدی بیگم صاحب بھی اس لپیٹ میں آ سکتی ہیں۔ لہذا آپ
کی شکایت تحریر میں ہونا چاہیئے۔"
"خورشید حسن نے عبدالکریم کی طرف دیکھا۔ وہ اس وقت تک خاموش
بیٹھا ہوا تھا۔ ابدال احمد نے دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔
"یہ معاملہ ایسا ہے کہ پولیس تک بھی جا سکتا ہے۔"
خورشید حسن خاموش بیٹھے ہوئے کچھ سوچتے رہے۔ خلیل احمد

نے کہا۔

"جب آپ کو یقین ہے کہ عطیات کی رقوم میں گڑبڑ ہوتی ہے۔ تو پھر اس میں پس و پیش کی کیا ضرورت ہے۔"

"بہتر ہے ——" خورشید حسن نے کہا۔ "لیکن مجھ کو کچھ وقت دیجئے تاکہ میں دوسروں سے بھی مشورہ کر لوں۔"

"ضرور مشورہ کیجئے ——" خلیل احمد نے کہا۔ "میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ان باتوں کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو گی۔ اگر یہ رقوم خرد برد کی جاتی ہیں تو ہم سب کا فرض ہے کہ اس کی روک تھام کریں اور جو شخص ایسا کرتا ہے۔ اس کو کمیٹی سے نکال دیں۔"

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں عبدالکریم صاحب؟" اقبال احمد نے عبدالکریم سے دریافت کیا۔

عبدالکریم نے بوکھلا کر کہا "میں تو بھائی خورشید حسن کے ساتھ چلا آیا تھا۔"

"اگر آپ کو کوئی شکایت ہو تو آپ بھی اسی درخواست پر دستخط کر دیجئے۔"

خلیل احمد نے کہا۔

"جی ہاں میں ہر اُس شخص سے دستخط کراؤں گا جس کو شک ہے۔"

خورشید حسن نے کہا۔ "محلے میں ایسے متعدد افراد ہیں۔"

خلیل احمد نے دونوں کے لئے پان منگایا اور خورشید حسن اور

عبدالکریم پان کھا کر باہر آگئے۔ عبدالکریم نے اپنے مکان کے پاس پہنچ کر کہا۔

آپ درخواست لکھ لیجئے۔ اور سب سے دستخط کرا لیجئے۔

"ہاں! میں سب سے دستخط کرا لوں گا ـــــ" خورشید حسن نے جواب دیا۔

۵۰

عالیہ بیگم نے اپنے شوہر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کہیئے کیا ہوا ــــــ؟"

"کچھ بھی نہیں ـــــ" خورشید حسن نے جواب دیا "میں نے خلیل احمد اور بلال احمد سے گفتگو کی۔ دونوں نے بہت توجہ کے ساتھ میری باتوں کو سنا اور مجھ سے کہا کہ میں شکایت لکھ کر دوں۔"

"آپ لکھ کر نہ دیجئے گا۔ ورنہ آئی گئی آپ کے سپرد ہو گی۔"

عبدالکریم خاموش بیٹھے رہے۔ انہوں نے کچھ بھی نہ کہا۔

عالیہ بیگم نے پوچھا "ان لوگوں کا کیا خیال ہے۔"

"احمدی بیگم کے متعلق تو وہ لوگ شک بھی نہیں کر سکتے ہیں۔"

خورشید حسن نے کہا "ان کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھ کو جھوٹا

سمجھ رہے ہیں"

"ان سب کی ملی بھگت ہے۔ عالیہ بیگم نے کہا" ورنہ وہ اس فراخدلی کے ساتھ خرچ نہ کرتیں"

خورشید حسن نے سر جھکا لیا۔ اور کچھ دیر بعد اپنی اہلیہ سے کہا۔

"اس روز تم کہہ رہی تھیں کہ عرفان کی ماں بھی احمدی بیگم سے بہت جلی ہوئی ہے۔ اور ان کو کسی روز بہت بُرا بھلا کہہ رہی تھی"

ہاں —— میں نے اس کو بلوایا ہے" عالیہ بیگم نے کہا۔ وہ کہہ رہی تھی کہ اس کو بیسیوں راز کی باتیں معلوم ہیں"

"عالیہ بیگم کے خاموش ہوتے ہی ایک مسن عورت چھینٹ کا چوڑیدار پائجامہ اور لمبا کُرتا پہنے ہوئے ڈیوڑھی سے صحن میں آئی۔ اس کے سر پر گہرے گلابی رنگ کا موٹا کثیف دوپٹہ تھا۔ اور کرتا پائجامہ بھی بہت میلا تھا۔ عالیہ بیگم نے اس کو دیکھتے ہی اپنے شوہر سے کہا۔ لیجئے عرفان کی ماں آگئیں۔ آپ ان سے خود ہی دریافت کر لیجئے۔

"عرفان کی ماں نے دور ہی سے سلام کیا۔

"صورتاً بہت قطامہ معلوم ہوتی ہے۔" خورشید حسن نے آہستہ سے اپنی بیوی سے کہا۔ عجب بیڈھب عورت ہے اس روز ایک تانگے والے سے تو شادی پر آمادہ ہو گئی تھی"۔

عرفان کی ماں دالان میں آگئیں۔ عالیہ بیگم نے محراب کے قریب

اُسے پیڑھی پر بیٹھا دیا اور خورشید حسن نے اس سے کہا۔

"میں نے سنا ہے کہ آپ کے یہاں عرفان کو پولیس نے پکڑ لیا تھا۔ اور مجھ کو اطلاع بھی نہ کی"۔

"میاں کیا بتاؤں میں خود ہی پریشانی میں پڑ گئی تھی"۔ عرفان کی ماں نے کہا۔ "اکیلی کہاں کہاں دوڑتی جو سامنے آگیا اس سے کہہ دیا"۔

"بات کیا تھی ——— ؟" خورشید حسن نے دریافت کیا۔

ایک مارا واڑی لڑکی اس کے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔ وہ جہاں کہیں بھی اُٹھتا بیٹھتا ہے وہاں پہنچ جاتی ہے۔ ایک روز وہ محلے میں بھی آگئی اور گلی میں اس سے باتیں کرنے لگی۔ دشمنوں نے پولیس کو خبر کر دی اور دو کانسٹیبل اور ایک داروغہ نے آکر دونوں کو پکڑ لیا"۔

"تو کیا وہ بہت دیر تک اس سے باتیں کرتی رہی ؟" عالیہ بیگم نے دریافت کیا۔

"میں تو چکی پر گئی ہوئی تھی ———" عرفان کی ماں نے کہا "ورنہ یہ بات ہی کیوں ہوتی۔ میں کوٹھری کھول دیتی۔ پھر پولیس کیا کر سکتی تھی"۔

"آخر یہ حرکت کس کی ہو سکتی ہے ——— ؟" خورشید حسن نے سوال کیا۔

"جب عرفان رکمنی سے باتیں کر رہا تھا۔ اس وقت ادھر سے ڈپٹی صاحب کے لڑکے اعجاز گزرے تھے۔ ان کے ساتھ حامد بھی تھے۔ ان کے جانے کے بعد ہی پولیس آگئی"۔

"اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سڑک پر پولیس گشت کر رہی ہوگی اور ان دونوں نے اس طرف اشارہ کر دیا ہوگا۔"

"بھی بھا ہے میاں ——— بیکمن میں بھی اپنے نام کی ہوں۔ اگر بھری محفل میں احمدی بیگم اور ڈپٹی صاحب کو ذلیل نہ کیا تو مجھ کو اعوان راجپوت نہ کہئے گا۔"

"واقعی ان لوگوں نے بہت برا کیا ———" عالیہ بیگم نے ٹکڑا لگایا۔

عرفان کی ماں نے کہا۔ "داروغہ سے ایک ایک بات بتا دی تھی ان دونوں نے ——— جب ہی سے تو اس نے میری کوٹھڑی کے سامنے لا کر عرفان کو چار چوٹ کی مار ماری۔ مرے نے اس کا سارا بدن نیلا کر دیا۔ خدا غارت کرے اس کو۔"

خورشید حسن نے کہا۔ "پولیس والے ڈپٹی صاحب کی وجہ سے اعجاز اور حامد کا بہت خیال کرتے ہیں۔"

"ابھی دونوں نے گدھا ٹمٹیتے ہوئے نہیں دیکھا ہے۔" عرفان کی ماں نے کہا۔ "میں بھی بہت بہاڑی ہوں اگر مہمانوں کے سامنے عقدے نہ کھولوں تو میرا نام سکینہ نہیں۔"

عرفان کی ماں! تم اپنے لڑکے کے مقدمہ کی پیروی کرو۔ خورشید حسن نے کہا۔ "میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ ڈپٹی صاحب گورنر تو ہیں نہیں۔ تم سے ایک درخواست ان کے خلاف بھی دلوا دوں گا کہ صاحب وہ بڑے

آدمی ہیں بلاوجہ مجھ کو پریشان کرتے ہیں اور ان کے لڑکے نے پولیس کو بھڑکا کر میرے لڑکے کو گرفتار کرایا ہے ۔"

" ہاں میاں! مجھ کو ذرا سا بھی سہارا مل جائے پھر تو میں ان کے پتے پھاڑ ڈالوں ——— وہ ہیں کس ہوا میں ۔ مجھے سب کچھ معلوم ہے ۔ کہ احمدی بیگم نے کس طرح اسکول قائم کیا ہے ۔ اور وہ لمبی لمبی رقمیں کہاں سے آتی ہیں ۔ دائی سے پیٹ نہیں چھپایا جا سکتا ۔"

خورشید حسن اور ان کی بیوی عالیہ بیگم کو احمدی بیگم سے مفت خدا واسطے کا بیر تھا ۔ انہوں نے عرفان کی ماں کو برافروختہ دیکھا تو اس پر خوب ہی پانی چڑھا دیا اور خورشید حسن نے اس کو سمجھاتے ہوئے کہا ۔

" عرفان کی ماں! تم ڈرنا نہیں ۔ مہمانوں کے سامنے کہہ دینا کہ ایک بیوہ کے پاس اتنی دولت آئی کہاں سے ۔ حامد کے باپ کس بینک میں دس بیس ہزار روپیہ چھوڑ گئے تھے ۔"

" میں تو ایسے عقدے کھولوں گی کہ اگر شرم دار ہوں گے تو کسی کو منہ نہ دکھائیں گے ۔ ڈپٹی صاحب اپنی بیوی اور اپنے بچوں کو پانی پت بھیجدیتے تھے ۔ اور احمدی بیگم ان ہی کے ساتھ طاہرہ کو بھی بھیج دیتی تھیں ، تو اس کا کیا مطلب تھا ۔ میں سب جانتی ہوں ۔"

خورشید حسن نے خوش ہو کر کہا ۔

" عرفان کی ماں واقعی تم نے ان لوگوں کی دکھتی ہوئی رگ پکڑ لی ۔ جب تم مہمانوں کے سامنے یہ کہو گی تو واقعی اگر دونوں شرم دار ہوں گے

تو اسی وقت خودکشی کرلیں گے۔"

عالیہ بیگم نے کہا ـــــ اور اگر انھوں نے تم پر زیادتی کی یا تم کو مارا پیٹا تو کیا ہوگا؟"

"ابھی تک تو مجھ کو مارنے والا پیدا نہیں ہوا ہے۔" عرفان کی ماں نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ "مجال ہے جو کوئی ہاتھ لگا دے۔ خون چوس لینے کا دم رکھتی ہوں۔"

خورشید حسن نے کہا۔ "احمدی بیگم ہزاروں کا جہیز دے رہی ہیں۔"

"سب ڈپٹی صاحب کا پیسہ ہے۔" اس عورت نے کہا۔ "وہ جانتے ہیں کہ گھر ہی میں تو رہے گا۔"

"مدرسہ کی رقم دل کھول کر خرچ کی جارہی ہے ـــــ" عالیہ بیگم نے کہا۔

عالیہ بیگم عرفان کی ماں کو آہستہ آہستہ کچھ سمجھانے لگیں۔ خورشید حسن غسل خانے میں چلے گئے۔ عالیہ بیگم نے کھڑکی کے پاس جاکر بی ہمسائی کو بلایا اور عرفان کی ماں کو بھی اسی جگہ بلا کر تینوں آپس میں سرگوشیاں کرنے لگیں۔

خورشید حسن جب غسل خانے سے باہر آئے تو انھوں نے عرفان کی ماں کو دالان میں اپنی بیوی کے پاس بیٹھا ہوا دیکھا۔ وہ پان کھا چکی تھی اور اپنے بٹوے سے لونگ نکال کر کھا رہی تھی۔ انھوں نے اپنے کمرے

میں جا کر کپڑے پہنے اور قمیص کے کف کا بٹن لگاتے ہوئے دالان میں آ گئے۔

عرفان کی ماں جانے کے لیے اُٹھی۔ خورشید حسن نے اس کے قریب پہنچ کر اس سے پوچھا۔

"عرفان کی ماں! تم نے یہ نہیں بتایا کہ عرفان کی ضمانت کس نے دی ہے؟"

"میاں یہ تو عرفان کو بھی نہیں معلوم ہے۔" اس نے کہا۔ "شام کو داروغہ جی نے اس سے کہہ دیا کہ تم جاؤ۔ تمہاری ضمانت ہو چکی ہے۔ جس روز ضرورت ہو گی تم کو بلا لیا جائے گا۔"

"اس کو دریافت تو کرنا چاہیئے تھا کہ میری ضمانت کس نے کی ہے؟"

"وہ اس وقت بہت گھبرایا ہوا تھا۔" بڑھیا نے کہا۔ "کبھی ایسا اتفاق ہوا نہیں تھا۔ وہاں سے وہ سیدھا گھر آیا۔ اور دو روز تک بخار میں پڑا رہا۔ خدا سمجھے ان کم بختوں کو بہت بیدردی کے ساتھ مارا ہے۔"

"اور وہ مارواڑی لڑکی کہاں گئی؟"

"اس کے گھر والے اس کو تھانے سے لے گئے۔" عرفان کی ماں نے کہا۔ "وہ نا کرہ جوتے بناتی ہے۔"

"اچھا اب میں سمجھا۔ لاہوری دروازے کے قریب ایک احاطے میں ایسے بیسیوں خاندان رہتے ہیں۔" خورشید حسن نے کہا۔ عالیہ بیگم نے بڑھیا سے دریافت کیا۔

"کیا عرفان اس طرف آتا جاتا ہے؟"

"وہیں کسی ہوٹل میں اس کا اُٹھنا بیٹھنا ہے"۔

"خیر دیکھا جائے گا" خورشید حسن نے کہا۔ "میں اس لڑکے کے والدین اور رشتہ داروں کو بھی برابر کر لوں گا۔ اور اگر لڑکی نے پولیس کو الٹا سیدھا بیان دے دیا ہوگا تو اس کو بھی ٹھیک کر لوں گا۔ اس محکمے میں بیسیوں میرے جاننے والے ہیں"۔

اگر آپ کہیئے تو میں شام کو عرفان کو آپ کے پاس لے آؤں۔ آپ اس سے بات کر لیجئے وہ بہت گھبرایا ہوا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اگر پولیس نے زیادہ پریشان کیا تو میں یہاں سے بھاگ جاؤں گا"۔

"ایسی غلطی بھی نہ کرے ۔۔۔۔" خورشید حسن نے کہا۔ ورنہ فوراً وارنٹ گرفتاری جاری ہو جائے گا۔ تم اس کو شام کو میرے پاس لے آنا۔ میں بعد مغرب گھر ہی پر ملوں گا"۔

عرفان کی والدہ کے جانے کے بعد خورشید حسن نے اپنی بیوی سے کہا۔

"میرے خیال میں عرفان کو پولیس نے اس لڑکی کے گھر والوں کی شکایت پر گرفتار کیا ہوگا۔ وہ اس کو بھگا کر لایا ہوگا۔ لیکن لڑکی کے گھر والوں کو بروقت علم ہو گیا ہوگا۔ اور وہ پولیس کو لے کر آگئے ہوں گے"۔

" عالیہ بیگم نے کہا۔ لیکن وہ تو کہتی ہے۔ کہ لڑکی اس کے پیچھے لگی ہوئی ہے"۔

"وہ تو ہی کہے گی۔ کیونکہ اس کے لڑکے کا معاملہ ہے"۔ خورشید حسن

نے کہا۔" لیکن عرفان اس لڑکی کو اپنے ساتھ لایا ہوگا۔ بڑھیا کو اس کا نام بھی معلوم ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ معاملہ پرانا ہے۔ اور اس کو بھی پہلے سے اس کا علم تھا۔"

"خیر معاملہ جو کچھ بھی ہو۔ لیکن بڑھیا بھری محفل میں عزت اتار کر رکھ دے گی۔" عالیہ بیگم نے خوش ہو کر کہا۔" احمدی بیگم خود کو بڑی عاقلہ ثابت کرنے لگی ہیں۔ جو بھی ان کے پاس جاتا ہے اس طرح باتیں کرتی ہیں۔ گویا دنیا میں بس ایک عقلمند ہیں۔"

خورشید حسن کی آنکھوں پر بھی پردے پڑے ہوئے تھے۔ وہ حسد کی آگ میں اس بُری طرح جل رہے تھے کہ اُنہوں نے اس پہلو پر غور کرنے کی کوشش ہی نہ کی۔ کہ افتخار احمد یا احمدی بیگم نے اس کا کیا بگاڑا ہے جو وہ ان کے درپے آزار ہو رہے ہیں۔ عالیہ بیگم حسد میں اپنے شوہر پر سبقت لئے ہوئے تھیں۔ اور عرفان کی ماں سکینہ کو بھڑکا کر یہ سمجھ رہی تھیں کہ انہوں نے کوئی مہم سر کی ہے۔ خورشید حسن نے جلد جلد کھانا کھایا اور دوا خانے چلے گئے۔ عالیہ نے کھڑکی کے پاس جا کر بی ہمسائی کو پکارا اور جب وہ آئیں تو ان سے ہنس ہنس کر باتیں کرنے لگیں۔ فرطِ مسرت سے ان کی باچھیں کھلی جا رہی تھیں۔

بی ہمسائی نے عالیہ بیگم سے کہا۔

" اب آئے گا مزہ۔ عرفان کی اماں مہمانوں کے سامنے ایسی سنائیں گی کہ دھوئے نہ چھوٹے۔ بہت بنتی تھیں سب کی سرپرست ہیں تو اُس

روز سے جلی ہوئی ہوں جب محلے کی دو تین عورتوں کے سامنے حمید کو دوسروں سے ہمدردی کرنے کی تلقین کرنے لگیں۔"

"جی ہاں ——— اور صاحبزادے دوسروں کو پھنساتے پھرتے ہیں۔"
عالیہ بیگم نے کہا۔" غریب عرفان کو پھنسا دیا۔"

"اگر عرفان پکڑا نہ جاتا تو اس عورت کو مسلمان کر لیتا۔" بی ہمسائی نے کہا ——— "ثواب کا کام تھا۔ لیکن پولیس کی نظر میں سرخرو کا چونڈا بننے کے لئے اس غریب کو پھنسوا دیا۔"

" بی ہمسائی کا چھوٹا بچہ رونے لگا۔ اور وہ عالیہ بیگم سے معذرت کر کے دالان میں چلی گئیں۔ عبدالکریم بچے کے پاس بیٹھے اس کو بہلا رہے تھے۔ انہوں نے اپنی بیوی کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"بیگم! یہ بات ٹھیک نہیں۔ تم صبح سے خورشید بھائی کی بیوی سے باتیں کر رہی ہو۔ بچے کی بھی فکر نہیں۔"

بی ہمسائی نے ہنس کر کہا۔" عرفان کی اماں آئی تھی۔ اس سے باتیں کرنے لگی تھی۔ وہ کہہ رہی ہے کہ حامد اور اعجاز نے میرے لڑکے کو پھنسایا ہے۔ بیچ بھری محفل میں ان کی عزت اتاروں گی۔"

"اور تم لوگ اس کو شہ دے رہی ہو۔"

بی ہمسائی ہنسنے لگیں۔ عبدالکریم نے کہا۔

" یہ بات ٹھیک نہیں ہے۔ اسی کو تو بغض کہتے ہیں اور خدا ایسے لوگوں کو کبھی معاف نہیں کرتا۔ آخر ان لوگوں نے تم کو کیا نقصان پہنچایا

- ۲

بی ہمسائی کا خیال تھا۔ کہ عبدالکریم یہ سن کر خوش ہوں گے کہ عرفان کی ماں احمدی بیگم کو ذلیل کرے گی۔ لیکن وہ اُلٹے ان ہی پر برس پڑے انہوں نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا :

خورشید بھائی کو واقعی ان بیچاری سے للّٰہی بغض ہے سبع خلیل صاحب ان کو اسی بات پر جھاڑ چکے ہیں۔ لیکن ان کی آنکھیں نہیں کھلیں میں سچ کہتا ہوں وہ بہت ذلیل اور خوار ہوں گے "

"کیوں ذلیل و خوار ہوں گے —" بی ہمسائی لے زبردستی اپنے شوہر کو دھونس میں لینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ جو جیسا کرے گا ویسا ہی کہا جائے گا "

" بالکل غلط —" عبدالکریم نے ان سے بھی زیادہ اونچے سروں میں کہا —" وہ لوگ بہت شریف ہیں۔ وقت پر ہر ایک کے کام آتے ہیں۔ سکینہ احسان فراموش، اور انتہائی بدباطن ہے اس کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو ان لوگوں کے پیر دھو کر پیتا "

" ایسے ہی تو مقدس ہیں وہ لوگ —" عبدالکریم کی بیوی نے منہ بنا کر بچے کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

" ہاں وہ لوگ واقعی ایسے ہی مقدس ہیں " عبدالکریم نے کہا۔ "جب سکینہ کے یہاں بنیا قرقی لایا تھا اور اس کا مال و اسباب سڑک پر جمع کیا جا رہا تھا۔ اس وقت احمدی بیگم ہی نے مذکوریوں اور

قرق امین کرا اپنے دروازے پر بلا کر کاغذات دیکھنے کے بعد مطالبہ اپنے پاس سے ادا کر دیا تھا۔"

عبدالکریم کی بیوی ان دنوں اپنے بھائی کے یہاں فرید آباد گئی ہوئی تھیں ان کو اس واقعہ کا علم نہیں تھا۔ وہ اپنے میاں کی صورت تکنے لگیں۔ عبدالکریم نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"سکینہ کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو عمر بھر ان کے آگے سر نہ اٹھاتا اور جہاں ان کا پسینہ گرتا وہاں اپنا خون بہانے کے لئے تیار ہو جاتا بیگم تم کو شاید اس کا علم نہیں ہے کہ احسان فراموش اور محسن کش کو خدا بھی نہیں معاف کرتا ہے۔"

بات سمجھ میں آنے والی تھی۔ عبدالکریم کی اہلیہ نے سر جھکا لیا اور بچے کو تھپک کر سلانے کے بہانے سے اس پہلو پر سنجیدگی سے غور کرنے لگیں۔ عبدالکریم نے شیروانی پہنتے ہوئے کہا۔

"تم اس عورت سے بات بھی نہ کرنا میں خورشید بھائی سے کہہ دوں گا۔ کہ وہ مجھ کو ان معاملات میں نہ شامل کریں۔ واقعی ان لوگوں کو احمدی بیگم سے کھلی بغض ہے۔ خیر مجھے کیا جو جیسا کرے گا ویسا ہی بھرے گا۔"

عبدالکریم بڑبڑاتے ہوئے مکان سے باہر نکلے اور جلد جلد قدم اٹھاتے ہوئے بڑی سڑک پر پہنچ گئے۔ وہ دہلی میونسپل کمیٹی کے دفتر میں ملازم تھے۔ راستے میں ان کو ایک جگہ چند کانسٹبلوں

کے درمیان عرفان نظر آیا۔ اس کے گرد لوگ جمع ہونے جا رہے تھے عبدالکریم نے بچ کر نکل جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن اسی وقت ان کی نظر حامد پر پڑ گئی۔ وہ ایک تانگے سے اتر کر اسی مجمع کی طرف جا رہا تھا۔ اس کو دیکھتے ہی عبدالکریم بھی قدم بڑھا کر عرفان کے پاس پہنچ گئے۔ حامد کانسٹبلوں سے کچھ دریافت کر رہا تھا۔ اس نے مسکرا کر عبدالکریم کو سلام کیا۔ عرفان کانسٹبلوں کے درمیان سہما ہوا کھڑا تھا۔

"کیا بات ہے حامد میاں ——— ؟" عبدالکریم نے دریافت کیا۔

"عرفان کا کچھ قصہ ہے ———" حامد نے جواب دیا اور حوالدار سے پوچھا "کیا بات ہے حوالدار صاحب۔ یہ تو ضمانت پر ہیں"۔

"جی ہاں ——— لیکن کل رات سے وہ لڑکی پھر غائب ہے اور رات کو یہ اسی احاطے میں دیکھا گیا تھا"۔

"دیکھے جانے کا تو یہ مطلب نہیں ہو سکتا ہے ———" حامد نے کہا "یہ تو آپ لوگوں کی زیادتی ہے کہ بغیر کسی ثبوت کے ایک شخص کو محض شبہ میں پکڑ لیا ہے۔ چلیئے میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ میں انسپکٹر سے خود گفتگو کروں گا"۔

حامد نے ایک تانگے پر کانسٹبلوں اور عرفان کو بٹھایا اور دوسرے تانگے پر خود بیٹھ گیا۔ عبدالکریم بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئے اور سب تھانے پر پہنچے۔ حامد نے انچارج کے کمرے میں پہنچ کر اس سے گفتگو کی۔ اس نے عرفان کو بلا کر دو چار باتیں دریافت کرنے کے بعد اس کو

باہر بھیج دیا اور حامد سے کہا۔

"حامد صاحب! آپ نے اور ڈپٹی صاحب نے اس بدمعاش کی ضمانت کر کے بڑی غلطی کی ہے۔ یہ تو دلی کے چھٹے ہوئے غنڈوں میں سے ہے۔ کل شب کو یہ اس لڑکی کو لایا ہے اور رات ہی کو اس نے کہیں پہنچا دیا ہے۔"

"لیکن عینی شہادت کے بغیر آپ اس کو اس جرم میں ماخوذ نہیں کر سکتے۔"

"حامد صاحب! پولیس سب کچھ کر سکتی ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ "وہ عینی شاہد بھی پیش کر سکتی ہے اور ابھی بات کہتے اس بدمعاش سے اس لڑکی کا پتہ دریافت کر کے اس کو برآمد بھی کیا جا سکتا ہے لیکن آپ نے اس کی ضمانت کی ہے۔ اور ڈپٹی صاحب میرے محسن ہیں۔ اس لیے میں نے ابھی تک اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی ہے۔"

"سب انسپکٹر صاحب!" حامد نے تھانے دار سے دوستانہ لہجے میں کہا۔ "غلطی اس لڑکی کی بھی ہے۔ دراصل وہ اسی کے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔ اگر آپ نے عرفان کو جیل بھجوا دیا تو یہ مسئلہ حل نہ ہوگا۔"

"جی ہاں! میں جانتا ہوں۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ "لیکن لڑکی کے والدین نے بہت دوڑ دھوپ کی ہے۔ اور معاملہ عدالت تک پہنچ چکا ہے۔"

"اگر آپ کے امکان میں ہو تو اس بے وقوف کو بچانے کی کوشش کیجیے۔" حامد نے کہا۔ "میں آپ سے صحیح عرض کر رہا ہوں کہ وہ غنڈہ اور

بدمعاش نہیں ہے ۔ اور قرائن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس لڑکی نے اس کو مجبور کیا ہے ۔"

"حامد صاحب میں کیا عرض کروں ۔ محض ڈپٹی صاحب اور آپ کی وجہ سے یہ رعایت کی گئی ہے ۔"

"میں جانتا ہوں ——!" حامد نے فوراً جواب دیا ۔ "اور اس کا بھی علم ہے کہ اس کے ساتھ اس سے بھی زیادہ رعایت کی جا سکتی ہے۔"

سب انسپکٹر نے مسکرا کر پوچھا ۔

"آپ کیا چاہتے ہیں ۔"

"عدالت سے بری ہو جائے ——" حامد نے بھی مسکرا کر جواب دیا ۔

"اور وہ لڑکی جو اس وقت اس کے قبضے میں ہے اس کے حوالے کر دی جائے ؟"

عبدالکریم اس وقت تک خاموش بیٹھے ہوئے تھے سب انسپکٹر نے ان کی طرف دیکھا ۔ اور انہوں نے حامد سے کہا ۔

"حامد میاں آپ ابھی بچے ہیں ۔ ان معاملات کو نہیں سمجھ سکتے ۔ داروغہ جی کا خیال صحیح ہے کہ وہ لڑکی عرفان ہی کے قبضے میں ہے اور معاملہ ابھی رفع دفع ہو سکتا ہے ۔"

"کیسے ——؟" حامد نے فوراً دریافت کیا ۔

"آپ اس معاملے میں نہ پڑیئے ۔ اسما کی ماں کو بھیج دیجئے ۔"

سب انسپکٹر صاحب نے کہا" میں اس سے گفتگو کر لوں گا"

" ہاں یہی مناسب رہیگا" عبدالکریم نے کہا۔

حامد نے کہا" خیر اسی سے گفتگو کر لیجئے۔ میں بہت مصروف ہوں ـــــ بہر حال کسی طرح یہ قصّہ ختم ہو جائے۔ اگر وہ میرے سامنے گرفتار نہ ہوتا تو میں کوشش بھی نہ کرتا۔ اور خالو جان کو بھی زحمت نہ دیتا"

" آپ اطمینان رکھیئے۔ میں کسی کو بھیج کر اس کی والدہ کو مطلع کرا دوں گا" حامد نے کہا" لیکن جہاں تک ممکن ہو سکے ان معاملات میں حوالہ نہ آئے"۔

" آپ اطمینان رکھیئے ـــــ" سب انسپکٹر نے کہا" لیکن عرفان کو تو معلوم ہو گیا ہو گا کہ آپ نے اور افتخار احمد صاحب نے اس کی ضمانت کی ہے۔ اور غالباً اب اس کی ماں کو بھی معلوم ہو جائے گا"

" خیر کوئی مضائقہ نہیں" حامد نے کہا۔

عبدالکریم حامد کو متعجبانہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اور دل ہی دل میں حامد اور ڈپٹی صاحب کی خدا ترسی، رحم دلی اور شرافت پر عش عش کر رہے تھے۔ ان لوگوں نے سکینہ کے لڑکے کو جیل جانے سے بچایا تھا۔ اور وہ ان کے خلاف زہر اگلتی پھر رہی تھی۔ ان کے دل میں آیا کہ حامد کو بتا دیں کہ سکینہ ان لوگوں کے خلاف کیا منصوبہ بنا رہی ہے۔ لیکن اسی وقت ان کے ذہن میں یہ بات آئی کہ دشمن

کے سوچنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اور بقول شخصے، نیکی نیک رہتی ہے۔
اور بدی پیش رہتی ہے۔ وہ حامد کے ساتھ باہر آ گئے۔ حامد نے ان کو
ٹانگے پر آنے کی دعوت دی۔ لیکن وہ دفتر جا رہے تھے۔ اس لئے شکریہ
ادا کر کے فتح پوری کی طرف روانہ ہو گئے۔

۵۱

احمدی بیگم اپنے کمرے میں ضرورت کی ہر چیز قاعدے سے رکھ رہی تھیں۔ آبادی سلطانہ اور نور بانو ان کی ہدایات پر عمل کر رہی تھیں دالان سے طاہرہ نے اپنی والدہ کو مخاطب کر کے کہا۔

"امی! سکینہ آپ کے پاس آئی ہیں۔"

"خیر تو ہے ــــ" احمدی بیگم نے دروازے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

سکینہ دالان میں ایک ستون کا سہارا لئے ہوئے کھڑی تھی۔ وہ احمدی بیگم کو دیکھتے ہی بلک بلک کر رونے لگی۔

"کیا بات ہے سکینہ!" احمدی بیگم نے اس سے دریافت کیا۔ عرفان کی ماں اسی طرح روتی رہی۔ آبادی بھی دالان میں آگئی

تھی۔ اس نے کہا۔

"شادی بیاہ کے گھر میں کیا بدشگونی کر رہی ہو۔ جو کچھ کہنا ہو کہو۔"

"میرا بچہ میرا لال ——" اس نے ہچکیاں لیتے ہوئے کہا "پولیس نے اس کو پکڑ لیا ہے۔"

"عرفان کو —— ؟" احمدی بیگم نے پوچھا۔

"ہاں بیگم صاحبہ ——" سکینہ نے جواب دیا "حامد میاں نے اس کو چار پانچ روز پہلے ضمانت پر چھڑایا تھا۔ آج پولیس نے پھر پکڑ لیا ہے۔"

حامد بھی اس کی آواز سن کر کمرے میں آگیا۔ عرفان کی ماں حامد کو دیکھتے ہی دوڑ کر اس کے قدموں پر گر پڑی۔ اور اس کے پیر پکڑ کر کہنے لگی۔

"حامد میاں! میرے بچے کو بچا لیجئے۔ اس کو پولیس سے چھڑا لیجئے۔"

حامد نے سکینہ کو اپنے پیروں سے علیحدہ کر کے کہا۔

"میرے امکان میں جو کچھ تھا میں نے کیا۔ میں نے خالو جان کو اپنے ساتھ لے جا کر ضمانت کی اور آج صبح بھی سب انسپکٹر کو سمجھایا اس نے کہا کہ اس کی ماں کو بھیج دیجئے۔ اب تم جا کر اس سے بات کرو دیکھو وہ کیا کہتا ہے۔"

عرفان کی ماں نے کہا "میں گئی تھی وہیں سے آ رہی ہوں۔ عرفان آپ کی جان کو دعائیں دے رہا ہے وہ کہتا ہے کہ حامد میاں ہی مجھ کو

چھڑا سکتے ہیں۔"

"سب انسپکٹر نے تم سے کیا کہا؟" حامد نے دریافت کیا۔

"وہ دو سو مانگتا ہے۔ کہتا ہے کہ میں مقدمہ ختم کرا دوں گا۔"

احمدی بیگم خاموش کھڑی ہوئی دونوں کی باتیں سن رہی تھیں سکینہ جب خاموش ہوئی تو انہوں نے اپنے لڑکے سے دریافت کیا۔

"بیٹا قصّہ کیا ہے؟"

حامد نے شروع سے آخر تک سب واقعات بتاتے ہوئے کہا۔

"پولیس نے متعدد دفعات کے ماتحت مقدمہ قائم کر دیا ہے۔ اگر معاملہ رفع دفع نہ ہوا تو عرفان کو سزا ہو جائے گی۔ وہ لڑکی اسی کے قبضے میں ہے اس نے کہیں چھپا دیا ہے۔"

احمدی بیگم نے حامد سے کہا "بیٹا جس طرح بھی ہو سکے ان کے لڑکے کو چھڑا لو۔ یہ ماما کی ماری رو رو کر جان دے دیں گی۔"

"امّی! پولیس رقم کھانا چاہتی ہے۔ اسی لئے سب انسپکٹر نے ان کو بلایا تھا۔"

"لیکن یہ دکھیا کہاں سے دو سو روپے لائے گی۔"

"یہ تو ٹھیک ہے لیکن پولیس تو ان باتوں کو نہیں سمجھتی ہے۔" حامد نے اپنی والدہ سے کہا "وہ تو صرف پیسہ چاہتی ہے۔"

"ایک بار جا کر کہو تو ـــــ یہ رو دھو کر ان کو سمجھائیں گی۔ شاید داروغہ کا دل پسیج جائے۔"

"اچھی آپ کہہ رہی ہیں تو میں ضرور جاؤں گا۔ لیکن مجھ کو اُمید نہیں ہے۔"

حامد اسی وقت سکینہ کے ساتھ تھانے پر پہنچا۔ سب انسپکٹر اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا دو مارواڑیوں سے گفتگو کر رہا تھا۔ سکینہ برآمدے میں بیٹھ گئی۔ اور حامد کمرے میں داخل ہوا۔ سب انسپکٹر نے اس کو اپنے پاس بٹھا لیا اور مارواڑیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

دیکھو جی مانک لال، رکمنی کے متعلق مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ وہ اچھے چال چلن کی لڑکی نہیں ہے، وہ اکثر راتوں کو گھر سے غائب رہتی ہے تمہاری برادری کا ہر شخص اس بات کو جانتا ہے۔ تم لوگ کہتے ہو کہ رات کو عرفان احاطے میں گیا تھا اور اس کے بعد رکمنی غائب ہو گئی۔ لیکن عرفان اس وقت اپنے دوستوں کے ساتھ پکچر دیکھ رہا تھا۔ اس کے پاس آدھا ٹکٹ ابتک موجود ہے۔ سینما کے گیٹ مین نے بھی یہی کہا، کہ عرفان رات کو پکچر ہاؤس میں تھا۔ اس لئے یہ کیسے یقین کر لیا جائے کہ وہی رکمنی کو لے گیا۔ وہ آوارہ لڑکی ہے کسی دوسرے کے ساتھ چلی گئی ہو گی۔ تم نے اس کی ضمانت کی ہے۔ اس کو تلاش کر کے کل عدالت میں حاضر کرو۔ ورنہ تم دونوں گرفتار کر کے جیل بھیج دیئے جاؤ گے۔"

مارواڑی سروں سے صافے اُتار کر رونے لگے۔ سب انسپکٹر نے کہا۔

"اس سلسلے میں میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"شاب ہماری چھوکری گمی اور آپ ہم ہی کو پکڑیں گے ـــ"

"تم نے ضمانت کی ہے۔ وہ عدالت سے تمہارے حوالے کی گئی ہے۔ کل مقدمے کی تاریخ ہے اس کو حاضر عدالت کرو۔"

"شاب ہم کہاں سے اس کو لائیں۔ وہ تو رات سے غائب ہے۔"

ایک مارواڑی نے کہا ـــ "اور ہم نے رات ہی کو آپ کو خبر کر دی۔"

"عرفان پر تم کو شک تھا۔ وہ حوالات میں بند ہے۔ تم لڑکی کا پتہ لگا کر ہم کو بتاؤ۔ ہم دوش دے کر اس کو برآمد کر لیں گے۔"

"ہم اس کو کہاں ڈھونڈھیں۔"

"تو پھر جیل جانے کے لئے تیار ہو جاؤ ـــ" سب انسپکٹر نے کہا۔

مسن شخص نے کہا۔ "مار و غرجی لڑکی جائے چولھے بھاڑ میں آپ ہم لوگوں کو بچائیے۔ اب اس کو اس کی پروا نہیں ـــ وہ کہیں اور کسی کے ساتھ بھی رہے۔"

"تم لوگوں کے بچنے کی صرف ایک صورت ہے۔ وہ یہ ہے کہ اپنا دعوٰے واپس لے لو اور ہم کو لکھ کر دے دو کہ ہم عرفان پر مقدمہ نہیں چلانا چاہتے۔ ہماری لڑکی ہم کو مل گئی ہے۔ اب ہم کو عرفان یا کسی سے کوئی شکایت نہیں ہے۔"

دونوں آپس میں باتیں کرنے لگے۔ سب انسپکٹر صاحب نے کہا۔

"گھر پر جا کر اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے مشورہ کر لو اور چار بجے تک آکر تحریر دے دو۔ اگر چار بجے تک نہ آئے تو میں کاغذات کی خانہ پری کر دوں گا۔ پھر تم کو کل عدالت میں لڑکی کے ساتھ حاضر ہونا پڑیگا۔ اور اگر لڑکی کو نہ لائے تو وہیں سے جیل بھیجدیئے جاؤ گے۔"

دونوں مارواڑی بہت گھبرائے ہوئے تھے۔ بڈھے نے کہا۔

"داروغہ جی! ہم سے اسی وقت لکھا لیجئے۔ ہم مقدمہ اٹھاتے ہیں اب ہم رکمنی بھی واپس نہ لیں گے۔"

"اچھا جاؤ باہر بیٹھو۔ کچھ دیر بعد بلاؤں گا۔"

دونوں اٹھ کر باہر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد سب انسپکٹر نے حامد سے کہا۔

"حامد صاحب! محض آپ کے اور ڈپٹی افتخار احمد صاحب کے خیال سے میں نے اس مقدمہ کو توڑ مروڑ کر ختم کرانے کی کوشش کی ہے میں سچ کہتا ہوں کہ ذرا سی لغزش میں میری ملازمت پر آنچ آسکتی ہے۔ ایسی حالت میں دو سو کی رقم کچھ زیادہ نہیں ہے۔"

حامد نے سکینہ کو بھی اندر بلا لیا۔ وہ کمرے میں آتے ہی سب انسپکٹر کے قدموں پر گر پڑی اور رونے لگی۔

سب انسپکٹر نے کہا۔ "بڑی بی! تم مسلمان ہو کر دوسروں کے قدموں پر سر جھکاتی ہو —— بڑے شرم کی بات ہے۔ اولاد خواہ پھانسی پر لٹک جائے لیکن سر کسی کے قدموں پر نہ جھکنا چاہیئے۔"

سکینہ اُٹھ کر اشک خشک کرنے لگی - حامد نے کہا -

"سب انسپکٹر صاحب! یہ بہت غریب عورت ہے - اس کی زندگی کا سہارا یہی ایک لڑکا ہے"۔

"آپ ابھی لڑکی کے باپ اور بھائی کی باتیں سن چکے ہیں - عرفان سزا سے بچ نہیں سکتا ہے"۔

"میں بہت غریب ہوں داروغہ جی ——" سکینہ نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا -

"دیکھو بڑی بی! تم پھر حامد صاحب کو لے آئی ہو - میں نے کہہ دیا تھا کہ اب ان کو بلا وجہ زحمت نہ دینا - خیر اب میں ان کے آنے سے پچاس اور کم کر دوں گا - جاؤ اور چار بجے تک روپے لے کر آ جاؤ - اسی وقت تمہارے لڑکے کو چھوڑ دیا جائے گا - اور مقدمہ ختم کر دیا جائیگا۔ اگر تم چار بجے تک نہ آئیں تو مقدمہ درج رجسٹر ہو جائے گا - پھر میں کچھ نہ کر سکوں گا"۔

"تو پھر کیا کروں - جاؤ اور اس کی طرف سے پیروی کرو - لیکن یہ یاد رکھو کہ وکیل اس سے زیادہ کھا جائے گا - اور تمہارا لڑکا بچ نہ سکے گا"۔

سکینہ دوپٹے سے چہرہ چھپا کر رونے لگی - حامد کو اس کے بلک کر رونے پر رحم آ گیا اور اس نے سب انسپکٹر سے کہا -

"سب انسپکٹر صاحب! یہ عورت واقعی بہت غریب ہے"۔

"حامد صاحب! یہ تو صحیح ہے۔ لیکن میری مجبوریوں پر بھی نظر رکھیے۔ میں تنہا تو نہیں ہوں۔"

"کچھ اور رعایت کیجیے۔"

"آپ ہی فرما دیجیے۔"

"پورا سو ——"

"آپ کو اختیار ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ اگر فرمائیں تو میں یہ بھی نہ لوں۔ بخدا میں ایسا بھی کر سکتا ہوں۔ اپنے ماتحتوں کو اپنے پاس سے دے دوں گا۔"

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔" حامد نے کہا۔" مجھے ایک گھنٹہ کی مہلت دیجیے میں ان کو لے کر جاتا ہوں۔"

حامد سکینہ کے ساتھ تھانے سے باہر آیا اور سڑک پر پہنچ کر اس سے کہا۔

"میں نے سو روپیہ پر ان کو رضامند کر لیا ہے۔ اگر تم مقدمہ کی پیروی کرو گی تو اس میں بھی اس سے زیادہ خرچ ہو جائے گا۔"

"حامد میاں میرے پاس صرف چالیس روپے ہیں۔" سکینہ نے کہا۔" وقت بے وقت کے لئے چھپا رکھے تھے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔"

"ساٹھ روپے کا اور انتظام کرو۔"

"بیس روپے جن سے مل سکتے ہیں۔ ان کی خوشامد کروں گی تو

وہ ضرور دے دیں گی۔"

ابھی تین گھنٹے کا وقت ہے۔ تم جاؤ میں مکان پر ملوں گا۔ لیکن تین بجے تک آجانا۔ ورنہ چار بجے کے بعد کچھ نہ ہو سکے گا۔"

حامد سکینہ کو راستے ہی میں چھوڑ کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں اس کو افتخار احمد صاحب مل گئے۔ اس نے ان سے کل واقعات بتا دیئے۔

"یہ تو بہت برا ہوا۔" افتخار احمد صاحب نے کہا۔ "عرفان ہے تو واقعی بہت واہیات لڑکا۔ لیکن اول تو محلے کا واقعہ ہے دوم اس کی ماں کا خیال ہے۔ وہ واقعی پاگل ہو جائے گی۔"

"لیکن کیا کیا جائے۔"

"اگر روپے کا انتظام نہ کر سکے تو تم میرے پاس آجانا میں دے دوں گا۔ لیکن عرفان کو حوالات سے میرے ہی پاس لانا۔ شاید راہِ راست پر آجائے اور یہ ٹھوکر کھانے کے بعد سنبھل جائے۔"

حامد نے مکان پہنچکر اپنی والدہ کو سب کچھ بتا دیا۔ انہوں نے کہا۔

"بیٹا اگر ایسی بات تھی تو تم کو یہیں سے روپے کا انتظام کر کے جانا چاہیئے تھا۔ اس سے بڑھ کر انسان کے لئے خوشی کی اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ کہ اس کا روپیہ کسی کے کام آجائے سو کیا اگر وہ پانچ سو روپیہ خرچ کر کے بھی بچ سکتا ہے تو میں شادی کے اخراجات کم

کر کے روپیہ دوں گی۔ شاید اسی طرح اس کی اصلاح ہو جائے۔"

اپنی ماں کی اس اولوالعزمی اور انسانی ہمدردی پر حامد کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور اس نے اپنی والدہ کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر بوسہ دینے کے بعد کہا۔

"امّی! میں آپ کی ذات پر جس قدر بھی فخر کروں کم ہے۔"

"بیٹا دوسروں کے کام آنا بھی عبادت ہے۔"

وہ اپنے لڑکے کو سمجھانے لگیں۔ کچھ دیر بعد افتخار احمد اپنی اہلیہ کے ساتھ آ گئے۔ حامد نے ان کو کمرے میں بٹھایا اور وہ احمدی بیگم سے باتیں کرنے لگے۔ احمدی بیگم دروازے کے قریب کرسی پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ اُن کے پاس ہی زبیدہ بیگم دوسری کرسی پر تھیں۔ وہ لوگ عرفان ہی کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔ کہ سکینہ آ گئی۔ اس کی عجیب حالت ہو رہی تھی۔ اس نے آتے ہی سب کو سلام کیا اور حامد سے کہا۔

"حامد میاں! بڑی مشکل سے بیس کم سو کا انتظام ہو سکا ہے۔"

"کیا یہ رقم قرض لائی ہو؟" احمدی بیگم نے دریافت کیا۔

"چالیس روپے میرے پاس تھے۔ بیس روپے جمن سے ایک مہینے کے وعدہ پر لئے ہیں۔ اور بیس روپے اپنی بہن سے قرض لائی ہوں۔"

"جاؤ یہ رقمیں واپس کر دو ــــــ" احمدی بیگم نے کہا۔ "اپنے چالیس روپے بھی رکھ لو۔ آڑے وقت میں کام آئیں گے۔ تمہارے

لڑکے کے لیئے انتظام ہو جائے گا۔ اور وہ چار بجے آ جائے گا۔"

سکینہ نے گھٹنوں کے بل جُھک کر اُن کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور آنکھوں سے لگا کر رونے لگی۔

زبیدہ بیگم نے کہا: "اب کیوں روتی ہو۔ خدا نے اپنے حبیب کی طفیل میں تمہاری مشکلیں آسان کر دیں۔ معلوم نہیں کس کی نیکی کام آگئی۔"

"بیگم صاحبہ میں بہت شرمندہ ہوں۔ واقعی آپ ہم سب کے لیئے ایک مثال ہیں۔" سکینہ نے اپنی آواز صاف کرتے ہوئے کہا: "میں بہت شرمندہ ہوں۔ خدا مجھ کو معاف کرے۔"

"سکینہ! نماز پڑھا کرو۔" احمدی بیگم نے کہا: "اپنے دل میں بغض و کینہ نہ رکھو۔ غیبت نہ کرو، جھوٹ نہ بولو۔ اور دوسروں کے کام آؤ۔ خدا ان ہی باتوں سے خوش ہوتا ہے۔"

زبیدہ بیگم نے کہا: "اپنے لڑکے کو سمجھاؤ کہ وہ بُری صحبتوں میں نہ بیٹھے ورنہ پھر یہی نوبت آئے گی۔ اسی لئے تو کہتے ہیں کہ کرنہ کر نہیں تو خدا کے غضب سے ڈر۔"

"عرفان کو تھانے سے لے کر میرے پاس آنا۔" احمدی بیگم نے کہا: "جاؤ جمّن اور اپنی بہن کو روپے واپس کر کے جلد آؤ۔ حامد میاں تمہارے انتظار میں بیٹھے ہیں۔"

سکینہ اسی وقت چلی گئی اور ایک گھنٹہ بعد واپس آئی۔

زبیدہ بیگم نے عرفان کے لئے سو روپے دیئے تھے۔ لیکن احمدی بیگم نے ان کو مجبور کر کے پچاس روپے واپس کر دیئے تھے۔ اور پچاس روپے اپنے پاس سے دیئے تھے۔ حامد سکینہ کے ساتھ ساڑھے تین بجے تھانے پر پہنچا۔ سب انسپکٹر اس وقت اپنے کوارٹر میں تھا۔ ایک کانسٹیبل اس کو بلا کر لایا۔ حامد نے اس کو سو روپے دیئے۔ اور اس سے کہا "اب اس شخص کو اس طرح چھٹکارا دیجیئے کہ اُسے دوبارہ یہاں نہ آنا پڑے۔"

"یہ اس کے چال چلن پر منحصر ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ "بہرحال اس معاملہ میں اس سے کسی قسم کی باز پرس نہ ہو گی۔ میں نے اس لڑکے کے ورثاء سے تحریر لے لی ہے۔ اب یہ اس کو اپنے مکان پر لا کر رکھ سکتا ہے۔"

سکینہ خاموش کھڑی ہوئی دونوں کی صورت تک رہی تھی۔ سب انسپکٹر نے اس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"بڑی بی اگر اپنے لڑکے کی زندگی سنبھالنا چاہتی ہو تو اس لڑکی سے اس کا نکاح کر دو اور اس کو سمجھاؤ کہ محنت مزدوری کرے۔ اب اگر یہ پولیس کے ہاتھ آیا۔ تو جیل ہی میں زندگی گزارے گا۔"

"آپ جیسا کہہ رہے ہیں ایسا ہی کرونگی۔" سکینہ نے کہا۔ "میاں حامد جُگ جُگ جئیں۔ خدا ان کی ماں کی مامتا ٹھنڈی رکھے۔ انہوں نے اور ان کے گھر والوں نے مجھ پر وہ احسان کیا ہے کہ میں زندگی بھر نہ

بھولوں گی۔"

"شرافت کے معنی تو یہی ہیں۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

اس نے ایک کانسٹیبل کو آواز دے کر بلایا اور اس سے کہا

"اس لڑکے کو چھوڑ دو۔"

"عرفان کو؟"

"ہاں ــــــ!" سب انسپکٹر نے کہا۔" اسے حوالات سے نکال کر میرے پاس لاؤ۔"

چند منٹ بعد عرفان ایک کانسٹیبل کے ساتھ آیا۔ اس نے آتے ہی سب انسپکٹر اور حامد کو سلام کیا۔ چند گھنٹوں میں اس کی حالت ابتر ہو گئی تھی۔ اور چہرے سے ایسا ظاہر ہو رہا تھا گویا ہفتوں سے بخار میں مبتلا ہے۔ سکینہ اس کو دیکھ کر رونے لگی۔ سب انسپکٹر نے اس کو ڈانٹ کر خاموش کر دیا۔ اور عرفان کو مخاطب کر کے کہا۔

"دیکھو جی! اس مرتبہ تو ڈپٹی صاحب کی سفارش اور حامد کی کوشش سے تم کو چھوڑ رہا ہوں۔ لیکن اگر اب میں نے کسی سے تمہاری شکایت سن لی تو یاد رکھو کہ پکڑ کر پہلے تو ایسی مرمت کروں گا۔ کہ چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا۔ اس کے بعد جیل میں سڑا دوں گا۔"

"جی نہیں حضور! اب کبھی میری شکایت نہ سنیں گے۔"

"اچھا اب جاؤ اپنی ماں کے ساتھ اور اس کے کہنے پر چلو۔ اگر مجھ کو ذرا بھی بھنک ملی کہ تم بہک رہے ہو تو یاد رکھو کہ جوڑ جوڑ توڑ

دوں گا۔ میرا نام عنایت اللہ خاں ہے جس پر نظر عنایت ہو جاتی ہے، بس اس کی زندگی سرکاری مہمان خانے میں گزرتی ہے۔"

عرفان نے جھک کر سلام کیا۔ حامد اور اپنی ماں کے ساتھ باہر آگیا۔ حامد نے دونوں کو تانگے پر بٹھایا اور افتخار احمد صاحب کے پاس پہنچا۔ افتخار احمد، شفیق الرحمن اور وقار احمد ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے برات کے متعلق آپس میں تبادلۂ خیال کر رہے تھے۔ حامد سکینہ اور عرفان کو کمرے میں لے گیا اور دونوں ایک گوشے میں کھڑے ہو گئے۔

افتخار احمد نے عرفان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں میاں! آخر تمہارے دل میں کیا سمائی ہے۔ کیا جیل میں زندگی گزارنا چاہتے ہو؟"

"جی نہیں ——" اس نے سر جھکا کر جواب دیا۔

"لیکن آثار تو کچھ ایسے ہی ہیں۔ اس غنڈہ پن کا انجام بہت برا ہوتا ہے۔" افتخار احمد نے کہا۔ "آج حامد میاں کی کوشش سے بچ گئے کل کوئی دوسرا بچا لے گا۔ لیکن اس کے بعد کیا ہوگا۔" وہی جیل۔"

عرفان سر جھکائے خاموش کھڑا سنتا رہا۔ وقار احمد نے کہا۔

"آخر شریفانہ زندگی کیوں ناپسند کرتے ہو؟"

عرفان نے کوئی جواب نہ دیا۔ شفیق الرحمن نے کہا۔

"میاں اگر زندگی کا لطف اٹھانا چاہتے ہو تو شریفانہ زندگی اختیار

کرو۔ یہ غنڈہ گردی چھوڑ دو اور سلامت روی سے چلو ــــــ ورنہ ایک بار بھی جب داغدار ہو گئے تو پولیس کو جب بھی خانہ پُری کی ضرورت ہو گی۔ تم کو دھر لے گی۔"

عرفان خاموش رہا اس کی ماں نے کہا "اب آپ لوگ جس راستے پر چلائیں گے یہ چلیں گے۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو ــــ" افتخار احمد نے کہا "لیکن تم نے جو کچھ کیا ہے بہت برا کیا ہے۔ ہم لوگ اس معاملے میں قطعی نہ پڑتے لیکن حامد میاں سے تمہاری ماں کا رونا اور بلکنا نہ دیکھا گیا۔ اس لئے کوشش کر کے تم کو چھڑا لیا گیا۔"

"واقعی تم نے بہت ذلیل حرکت کی ہے۔" وقار احمد نے کہا۔ جو دوسروں کی عزت کو عزت نہیں سمجھتا ہے خدا اس کی عزت کو خاک میں ملاتا ہے۔"

"مل تو گئی عزت خاک میں۔" سکینہ نے کہا "پولیس مکان سے پکڑ کر لے گئی۔ حوالات میں بند ہوئے۔ اپنے پرائے میں رسوائی ہوئی اس سے زیادہ اور کیا بے عزتی ہو گی۔ آج تک خاندان میں کسی کو تھانے پر نہیں بلوایا گیا تھا۔"

"دیکھو میاں عرفان ــــ" افتخار احمد نے کہا "اگر شریفانہ زندگی اختیار کرو گے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ آٹھ دس روز بعد تم کو کہیں ملازم رکھا دوں گا۔ اور عزت کے ساتھ زندگی گزارو گے لیکن

اگر تم نے پھر ایسی حرکتیں شروع کر دیں تو میں پہلا شخص ہوں گا۔ جو پولیس کو مطلع کرے گا۔"

"ڈپٹی صاحب! میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ ایسی حرکتیں نہ کروں گا۔"

"اچھا جاؤ —— کل کسی وقت میرے پاس آنا۔"

"ڈپٹی صاحب! شادی بیاہ کا گھر ہے۔ اب دو چار روز اس سے خدمت لیجئے۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔ کل صبح آنا۔"

دونوں نے سب کو سلام کیا۔ حامد دونوں کو اپنے کمرے میں لایا احمدی بیگم نے دروازے کے پاس آکر عرفان کی ماں سے کہا۔

"سکینہ! تمہارا لڑکا چھوٹ کر آگیا۔ اب خدا کا شکر ادا کرو۔ اگر وہ لڑکی اس کے پاس ہو یا اس نے کہیں پہنچا دی ہو تو اس کو اپنے یہاں بلا کر کلمے پڑھاؤ۔ اس کے بعد عرفان کے ساتھ نکاح کر دو۔ بغیر نکاح کے اب اس کو سامنے آنے نہ دینا۔"

"کیوں عرفان —— !" وہ لڑکی کہاں ہے ؟" حامد نے عرفان سے دریافت کیا۔

"دریا گنج میں میرے ایک دوست کے کوارٹر میں ہے۔"

احمدی بیگم نے فوراً کہا۔ "یہ تم نے کیا حماقت کی۔ اپنے دوست کے یہاں اس کو کیوں چھوڑا —— ؟"

وہ پردے کی آڑ میں کھڑی ہوئی تھیں۔ عرفان نے کہا۔

"ان کے کوارٹر میں ان کی ماں بہن اور بیوی رہتی ہیں۔ اسی لیے میں نے وہاں پہنچا دیا تھا۔"

"خیر اگر ایسا ہے تو ٹھیک ہے!" احمدی بیگم نے کہا۔ "سکینہ تم آج ہی اس لڑکی کو یہاں لاؤ اور عشا سے پہلے نکاح ہو جائے۔"

"میں ابھی اس کو لاتی ہوں۔ لیکن پولیس تو نہ پریشان کرے گی۔"

"نہیں ——!" حامد نے کہا۔ "سب انسپکٹر نے تمہارے سامنے کہہ دیا تھا۔ اب پولیس کچھ نہ کہے گی۔"

"میں مغرب سے پہلے اس کو لے آؤں گی۔"

"ہاں ——! اس کو لا کر غسل کراؤ۔ اگر ہو سکے تو نیا ورنہ پرانا ہی سہی لیکن دُھلا ہوا جوڑا پہنا کر دلہن بناؤ۔ اور اپنے لڑکے سے اس کا نکاح کر دو۔"

حامد نے اپنی والدہ سے کہا۔

"امی اگر طاہرہ کا کوئی سوتی جوڑا ہو تو دے دیجیے۔ اب یہ غریب اس وقت نیا جوڑا کہاں سے لائے گی۔"

"اچھا ٹھہرو میں دیکھتی ہوں۔"

احمدی بیگم اندر چلی گئیں اور چند منٹ بعد سکینہ کو بھی اندر بلا لیا اور اس کو ایک ریشمی جوڑا دیتے ہوئے کہا۔

"لو —— یہ جوڑا لے جاؤ۔ طاہرہ نے دو تین مہینے پہلے یہ

بنوایا تھا۔ لیکن اُسی طرح رکھا رہا۔ اب تم اپنی بہو کو پہناؤ۔"

"خدا آپ کو اس سے زیادہ دے۔" سکینہ نے کہا۔" بیگم صاحبہ دعا کیجئے کہ خدا مجھ کو معاف کر دے۔ میں واقعی گنہگار ہوں۔"

سکینہ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ اس نے صبح ان کو بدنام اور ذلیل کرنے کے لئے عالیہ بیگم اور عبدالکریم کی بیوی سے سازش کی تھی اور اس وقت ان ہی کے لڑکے کی بدولت عرفان کو پولیس کے چنگل سے چھٹکارا ملا تھا۔ وہ احمدی بیگم اور اُن کے بچوں کو دعائیں دیتی چلی گئی ——!

۵۲

عبدالکریم شام کو دفتر سے مکان آئے اور غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر چھ بجے اس گلی کی طرف نکل گئے۔ جس میں سکینہ رہتی تھی۔ اس کی کوٹھڑی کھلی ہوئی تھی۔ اور دروازے پر چار خانے دار چادر کا پردا پڑا ہوا تھا سکینہ دروازے کے سامنے پیڑھی پر بیٹھی اپنی ایک ہمسن عورت سے باتیں کر رہی تھی اور عرفان سرکاری نل کے نیچے بالٹی رکھے نہار ہا تھا۔ عرفان نے عبدالکریم کو دیکھتے ہی سلام کیا۔

"سب معاملات طے ہو گئے؟" عبدالکریم نے دریافت کیا۔

"جی ہاں! حامد صاحب اور ڈپٹی صاحب نے بہت ساتھ دیا ورنہ میں تو ایسا پھنسا تھا کہ چھ سات سال کیلئے چلا جاتا!"

"کتنے پر توڑا ہو ـــــ؟"

"داروغہ جی دوسو سے کم پر راضی نہیں ہو رہے تھے۔" عرفان نے کہا۔" حامد میاں دو تین بار گئے، جب سو پر رضامند ہوئے۔"

"روپے کا انتظام کیسے ہوا؟" عبدالکریم نے دریافت کیا۔

اماں نے ادھر ادھر سے قرض لے کر اسّی روپے کا انتظام کیا تھا۔ لیکن حامد میاں کی والدہ نے سب روپے واپس کرا دیئے اور پچاس روپے خود دیئے اور پچاس روپے ڈپٹی صاحب کی بیگم صاحبہ نے دیئے۔ واقعی ان لوگوں نے بہت مدد کی۔ ورنہ میں تو جیل میں سڑ جاتا۔"

"تمہاری والدہ کیا کہتی ہیں؟"

"ان سب کو دعائیں دے رہی ہیں۔"

"صبح تک تو بھری محفل میں حامد میاں کی والدہ کے عقد کھولنے کے لیئے تیار تھیں!"

"کون —— اماں —— ؟"

"ہاں تمہاری اماں —— !"

"نہیں چچا —— آپ سے کسی نے یوں ہی کہہ دیا ہوگا۔" عرفان نے عبدالکریم کو جواب دیا۔

"میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے۔" عبدالکریم نے کہا۔" اپنی والدہ کو بلاؤ۔ میں ان کے منہ پر کہہ دوں۔"

عرفان نے فوراً ہی اپنی والدہ کو آواز دے کر بلایا اور اس سے

دریافت کیا۔

"اماں کیا تم نے آج صبح کسی سے کہا تھا کہ تم شادی کے موقع پر بھری محفل میں حامد میاں کی والدہ کے عقدے کھولو گی"۔

سکینہ نے اپنے کلوں پر طمانچے مارتے ہوئے کہا۔

"خدا مجھ کو معاف کرے۔ خورشید حسن کی بیوی کے بہکانے پر میں نے کہا ضرور تھا۔ اور اب اس کے لئے دوپہر سے توبہ کر رہی ہوں۔ میرا خدا مجھ کو معاف کرے۔ میں نے ایسی نیک بی بی کے لئے ایسے الفاظ نکال کر اپنی عقبیٰ خراب کی"۔

"اماں ابھی جا کر معافی مانگو"۔

"میں ان سے معافی مانگ چکی ہوں"۔ سکینہ نے کہا۔ "آسمان پر تھوکا اپنے ہی منہ پر آتا ہے۔ خدا نے مجھ کو دکھا دیا۔ صدقے اس کی کریمی کے۔ اس نے کیسا انصاف کیا ہے"۔

"اگر ان کو معلوم ہو جائے تو اپنے دل میں کیا کہیں گی"۔ عبدالکریم نے سکینہ سے کہا۔ "مجھ کو صبح جب اپنی بیوی سے معلوم ہوا تو میں نے ان کو بہت جھڑکا۔"

"عبدالکریم بھائی اس میں ان کا بھی قصور نہیں ہے۔ یہ سب شرارت خورشید حسن اور ان کی بیوی عالیہ بیگم کی ہے۔ وہی ہر ایک کے خلاف ایسے شگوفے چھوڑتی رہتی ہے۔ میں کل ان کے یہاں جاؤں گی اور اگر ان لوگوں نے کچھ کہا تو ان کے دروازے پر کھڑے ہو کر ان کے عقدے

کھولوں گی"۔

"خیر ان باتوں سے کوئی نتیجہ نہ نکلے گا۔" عبدالکریم نے کہا۔ تم کو بھی انسان کو پہچاننے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ ایک بار جب تمہارے یہاں قرقی آئی تھی تو احمدی بیگم ہی نے روپیہ دیا تھا لیکن اس کے باوجود تم نے ان کو خورشید حسن کے یہاں بُرا بھلا کہا۔ اور ان کے بچوں کو محض اس شبہ پر کوسا پیٹا کہ حامد اور اعجاز کے اشارے پر پولیس نے عرفان کو پکڑا ہے"۔

"عبدالکریم بھائی!" سکینہ نے گڑگڑا کر کہا۔ "خدا کے لئے اب مجھے زیادہ شرمندہ نہ کیجئے۔ واقعی میں ان کی گنہگار ہوں۔ اور کسی روز ان سے معافی مانگ لوں گی"۔

"احمدی بیگم انسان نہیں فرشتہ ہیں"۔ عبدالکریم نے کہا۔ "میں ابھی اپنی بیوی کو اس سلسلے میں بہت سخت سست کہہ کر آرہا ہوں۔ وہ بھی خورشید حسن کی بیوی کی باتوں میں آگئی تھیں"۔

سکینہ خوشامد کرنے لگی۔ کہ عبدالکریم ان باتوں کا تذکرہ کسی سے نہ کریں۔

عبدالکریم اس سے باتیں کر کے چلنے لگے تو اُس نے کہا۔

"بعد مغرب عرفان کا نکاح ہے۔ عبدالکریم بھائی آپ بھی شریک ہو جایئے گا"۔

"ضرور آؤں گا ــــ" عبدالکریم نے مسکرا کر کہا۔ "خدا مبارک کرے

اور میاں عرفان حامد میاں کو دعائیں دو کہ دن کو حوالات میں تھے۔ اور رات کو حجلۂ عروسی میں ہو گئے۔"

عرفان ہنسنے لگا۔ عبدالکریم نے اس کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"تم واقعی خوش قسمت ہو کہ ایسا سنگین واقعہ اور اس خوبصورتی اور آسانی کے ساتھ طے ہو گیا۔ خدا نے تم کو سنبھلنے کا موقع دیا ہے۔ اگر تم نے اس موقع سے فائدہ نہ اٹھایا اور سنبھلنے کی کوشش نہ کی تو عمر بھر تباہ اور برباد رہو گے۔"

عرفان تہہ بند نچوڑ کر اس سے بدن پونچھنے لگا۔ سکینہ نے کہا۔

"عبدالکریم بھائی! اب آپ لوگوں کا فرض ہے کہ ان کی دیکھ بھال کریں اور ان کو سمجھاتے رہیں۔ میں تو کہتی ہوں کہ محلے کا جو شخص بھی ان کو غلط راستے پر دیکھے ان پر سختی کرے۔"

"اب تم کو اپنا گھر بنانے کی کوشش کرنا چاہیئے۔" عبدالکریم نے عرفان سے کہا۔ "ابھی تک تو تم تنہا تھے — اب آج سے تمہاری ذمہ داریاں بڑھ رہی ہیں۔ شادی کرنا مذاق یا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔"

وہ ایک ساعت کے لئے خاموش ہوئے اور پھر انہوں نے عرفان کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"بیوی کو اچھے سے اچھا کھلانا اور پہنانا اور اس کی ضرورت کی ہر چیز مہیا کرنا شوہر کا فرض ہوتا ہے۔ اگر تم نے فرض کی ادائگی میں غفلت برتی تو گویا تم خدا اور اس کے رسول کی حکم عدولی کرو گے۔

کیونکہ شادی بھی ایک مقدس فرض ہوتا ہے۔"

سکینہ نے عبدالکریم سے کہا۔

"عبدالکریم بھائی! آئیے ادھر بیٹھ جائیے۔ میں چبوترے پر پیڑھی ڈالے دیتی ہوں۔"

"اب بیٹھوں گا نہیں، ذرا فضل الٰہی کی دوکان تک جانا ہے۔"

عبدالکریم عرفان کو دو چار باتیں سمجھا کر چلے گئے۔ کچھ دیر بعد سکینہ کا چھوٹا بہنوئی مجید اور اس کا لڑکا ممدو آ گئے۔ مجید نے سکینہ سے دریافت کیا۔

"قاضی جی کو بھی بلایا ہے۔"

سکینہ نے کہا۔ "میں زینب سے کہہ تو آئی تھی۔ کہ ممدو کو بھیج کر ملتانی ڈھانڈے والے مولوی کو بلا لینا۔"

"وہ تو دس روپے سے کم نہیں لیتے ہیں۔" مجید نے کہا۔ "اور یہاں تو دوہرا کام ہے۔"

"بس صرف کلمہ پڑھانا ہے۔" عرفان نے کوٹھری سے باہر آ کر بالوں میں کنگھی کرتے ہوئے کہا۔ "نکاح کے پانچ دیئے جاتے ہیں۔ مفتی صاحب بھی پانچ لیتے ہیں۔ وہ مولوی صاحب ان سے اچھا تو نکاح پڑھائیں گے نہیں۔"

"مفتی صاحب کی نہ کہو وہ تو پانچسو بھی لیتے ہیں۔ جیسی اسامی ہو ویسی رقم لیتے ہیں۔ اب تم یہیں سے کسی کو بلا لو۔"

سکینہ نے عرفان سے کہا "ڈپٹی صاحب کے پاس چلے جاؤ۔ وہ کسی مولوی کو بلا دیں گے"

عرفان نے اندر جا کر کنگھا رکھا اور ٹوپی پہن کر باہر آیا۔ سکینہ نے اپنے بھانجے سے کہا۔

"ممدو تم بھی عرفان کے ساتھ چلے جاؤ"

عرفان ممدو کے ساتھ افتخار احمد کے مکان پر پہنچا اور ان سے مولوی کے لئے کہا۔ انہوں نے اسی وقت اعجاز کے ذریعہ ایک مولوی صاحب کو بلا کر عرفان کے ساتھ کر دیا اور اس سے کہا۔

"نکاح کے وقت کسی کو بھیج کر مجھ کو بلا لینا"

عرفان اور ممدو مولوی صاحب کے ساتھ سکینہ کی کوٹھری کے سامنے پہنچے۔ سکینہ کی کوٹھری کے برابر ایک دوسری کوٹھری میں ہمندرا نامی ایک عورت رہتی تھی۔ سکینہ نے دو گھنٹہ کے لئے اس سے کوٹھری لے لی تھی۔ اور اس میں فرش بچھا دیا تھا۔ مجید نے مولوی صاحب کو اس کوٹھری میں بٹھا کر ان کو صورت حال سے آگاہ کیا۔

مولوی صاحب نے کہا۔ "اگر لڑکی بالغ ہے تو برضا و رغبت مسلمان ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر اس کی عمر سولہ سال سے کم ہے تو میں نہ تو اس کو مسلمان کروں گا اور نہ اس کا نکاح پڑھوں گا"

انہوں نے لڑکی کو دیکھ کر اطمینان کر لینے کے بعد مجید اور عرفان سے کہا۔

"دس روپے کلمہ پڑھانے کے لوں گا اور دس نکاح کے۔"
سکینہ بھی دروازے کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے کہا۔
"مولوی صاحب کسی کو مسلمان کرنا ثواب کا کام ہے۔"
یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔" مولوی صاحب نے کاروباری انداز میں کہا۔
"لیکن اگر میں یوں ثواب کماتا پھروں تو میرے بچے کیا کھائیں۔ آخر میرے بھی تو منہ پیٹ ہے۔"
مجید نے کہا۔ "مولوی صاحب ہماری تو اتنی حیثیت نہیں ہے۔"
"تو پھر مجھ کو تانگے کا کرایہ دے دو میں چلا جاؤں۔"
عرفان اپنے خالو کا منہ دیکھنے لگا۔ اسی وقت اعجاز آگیا اور اس نے مولوی صاحب کو علیحدہ لے جاکر کچھ کہا اور چلا گیا۔
مولوی صاحب نے مجید سے کہا۔ "ڈپٹی صاحب نے کہہ دیا ہے کہ میں تم لوگوں سے کچھ نہ لوں گا۔"
مولوی صاحب نے کوٹھری میں جاکر لڑکی کو کلمہ پڑھا کر مسلمان کیا۔ اور اس کا اسلامی نام ہاجرہ رکھا اور باہر آکر مجید سے کہا۔
"کس کے ساتھ نکاح ہوگا؟"
عرفان سرخ مخمل کی ٹوپی پہنے ہوئے کھڑا تھا۔ مجید نے اس کی طرف اشارہ کیا اور اس کو دوسری کوٹھری میں مولوی صاحب کے پاس بٹھا دیا اس عرصہ میں افتخار احمد اور شفیق الرحمن بھی آگئے۔ سکینہ عبدالکریم اور جمن کے لڑکے عبدالرزاق کو بلا لائی۔ مولوی صاحب نے عرفان اور ہاجرہ

کا نکاح پڑھایا۔ افتخار احمد نے سکینہ کو پانچ روپے دیئے۔ اور مولوی صاحب کو اپنے مکان پر لاکر کھانا کھلانے کے بعد بیس روپے دے کر رخصت کیا۔

کچھ دیر بعد احمدی بیگم کسی ضرورت سے نور بانو کے ساتھ زبیدہ بیگم کے پاس آئیں۔ افتخار احمد صاحب اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے اور احمدی بیگم نے دروازے کے پاس جاکر ان سے کہا۔

"کہیئے بھائی صاحب نقل اور چھوارے کھائیے۔"

"میں نے تو صرف ایک طشتری میں آدھ پاؤ کے قریب شکر دیکھی تھی۔"

عبیدہ بیگم نے ہنس کر کہا "خیر نکاح تو ہوگیا۔"

زبیدہ بیگم بول اٹھیں "اگر ہم لوگ نہ کہتے تو نکاح بھی نہ ہوتا۔"

—— اور نہ اس کو مسلمان کیا جاتا۔" احمدی بیگم نے کہا۔

"ایسے افراد کے قبول اسلام سے اسلام کو کوئی فائدہ تو پہنچتا نہیں ہے۔" افتخار احمد نے کہا "اور نہ یہ ہمارے لئے فخر کا باعث ہو سکتا ہے۔"

احمدی بیگم نے کہا "یہ تو ہماری ہی غلطی ہے کہ ہم اس قسم کی دینی تبدیلی کو اپنے لئے باعث فخر نہ بنا سکے۔"

"ہماری غلطی کیوں ہے۔" افتخار احمد نے سوال کیا۔

"مثال کے طور پر اس لڑکی کو لے لیجئے۔" احمدی بیگم نے کہا۔

"وہ اس لئے مسلمانوں کے واسطے باعث فخر نہیں ہو سکتی کہ وہ جاہل ہے۔ اس نے اسلام کی خوبیوں سے متاثر ہو کر دین اسلام قبول نہیں کیا۔ بلکہ عرفان کی زوجیت میں آنے کے لئے مسلمان ہوئی ہے۔"

"قطعی ——" افتخار احمد نے کہا۔

"کیا اس کو پڑھایا لکھایا نہیں جا سکتا ہے؟" احمدی بیگم نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "کیا اس کو دینی تعلیم نہیں دی جا سکتی ہے کیا اسلام کی خوبیاں اس کے ذہن نشین نہیں کرائی جا سکتی ہیں؟"

"یہ سب کچھ ہو سکتا ہے۔" افتخار احمد نے کہا۔

"اگر اس میں یہ خوبیاں پیدا ہو جائیں۔" احمدی بیگم نے کہا۔ "اگر وہ زیور علم سے آراستہ ہو جائے تو کیا ہمارے لئے باعث فخر نہیں ہو سکتی ہے۔"

"ضرور ہو سکتی ہے۔" عبیدہ بیگم بول اٹھیں۔ "بہن خدا آپ کو سلامت رکھے آپ ہر پہلو پر بہت سنجیدگی کے ساتھ غور کرتی ہیں۔"

افتخار احمد نے مسکرا کر کہا۔ "اچھا تو پھر اب اس کو بھی آپ کے سپرد کر دیا جائے گا۔"

"اور میں کوشش کروں گی کہ وہ کچھ عرصہ بعد ہمارے اور آپ کے لئے قابل فخر ہو جائے۔"

احمدی بیگم نے کہا۔ "سکینہ کل میرے یہاں آئے گی میں اس سے کہونگی کہ وہ اپنی بہو کو دن میں میرے پاس پہنچا جایا کرے۔ اور شام کو

لے جایا کرے۔"

"واقعی اس کی زندگی سنور جائے گی۔" افتخار احمد نے کہا۔

"بہن خدا آپ کو اس کا نیک اجر دے گا۔ آپ کی بے لوث خدمات ہم سب کے لئے مشعل راہ ہیں۔"

"میں کیا اور میری خدمات کیا ۔۔۔" احمدی بیگم نے کہا۔ "ابھی ابھی محلے میں ایسی متعدد لڑکیاں ہیں جن کی میں کوئی خدمت نہیں کر سکی ہوں۔"

افتخار احمد نے کہا۔ "سکینہ کل ہی سے اپنی بہو کو آپ کے یہاں پہنچا دیا کرے گی۔ وہ آپ کے ہر حکم کی تعمیل کرے گی۔ اور عرفان کو میں کسی دفتر میں ملازم رکھا دوں گا۔"

وقار احمد کی آواز پر افتخار احمد ان کے کمرے میں چلے گئے اور احمدی بیگم زبیدہ بیگم سے باتیں کرنے لگیں۔ چند منٹ بعد افتخار احمد نے اپنی اہلیہ کو بھی وہیں بلا لیا اور ان سے کہا۔

"بھائی صاحب کا خیال ہے کہ اگر اس وقت تم بہن کے ساتھ سکینہ کے یہاں چلی جاؤ تو اس کا دل بڑھ جائے گا۔ اور ان سب کی زندگی پر اس کا خوشگوار اثر پڑے گا۔"

"بہتر ہے ۔ میں بہن سے کہتی ہوں۔" زبیدہ بیگم نے کہا۔ "وہ بھی فوراً رضامند ہو جائیں گی۔ اور باجی بھی چلی جائیں گی۔"

وقار احمد نے زبیدہ بیگم سے کہا۔ "تم لوگوں کے جانے کا اس لڑکی پر بہت اچھا اثر پڑے گا۔ اور اس کو یقین ہو جائے گا کہ وہ اچھے

لوگوں میں آئی ہے"

"میں آپ کا مطلب سمجھ گئی" زبیدہ بیگم نے کہا"۔ ابھی تک میں نے اس واقعہ کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ لیکن آپ نے اور بہن نے کچھ اس طرح سمجھایا کہ میری آنکھیں کھل گئیں"

"تمہاری سمدھن ہی کی باتیں سن کر تو میرے ذہن میں یہ خیال آیا"۔ ذوالفقار احمد نے کہا" واقعی وہ بہت بلند نظر اور دور اندیش ہیں۔ اگر ہم چھوٹے چھوٹے واقعات کو اسی طرح اہمیت دیں تو قوم کی حالت بدل سکتی ہے۔ اور ایک انقلاب عظیم آسکتا ہے"

زبیدہ بیگم اُٹھ کر دالان میں چلی آئیں۔ احمدی بیگم عبیدہ بیگم سے باتیں کر رہی تھیں۔ انہوں نے آتے ہی کہا۔

"بہن اگر مناسب سمجھیئے تو کچھ دیر کے لئے سکینہ کے یہاں ہو آئیں اور اس کی بہو کو دیکھ آئیں۔ ان سب کا دل بڑھ جائے گا"

"آپ نے تو میرے منہ کی بات چھین لی" احمدی بیگم نے خوش ہو کر کہا" ابھی میں باجی سے یہی کہہ رہی تھی کہ آپ کو لے کر سکینہ کے یہاں چلی جاؤں گی"

"باجی آپ بھی چلیئے ـــ" زبیدہ بیگم نے اپنی بہن سے کہا۔

عبیدہ بیگم بھی تیار ہو گئیں۔ اور احمدی بیگم دونوں کے ساتھ سکینہ کے یہاں پہنچیں۔ سکینہ ان کو دیکھتے ہی باغ باغ ہو گئی۔ اور ایک چارپائی پر دری بچھا کر ان کو بٹھایا۔ دولہن دوسرے پلنگ پر گھونگھٹ نکالے اور

سر جھکائے ہوئے بیٹھی تھی۔ عرفان مجید اور ممدو باہر چبوترے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ سکینہ نے ممدو کو بھیج کر پان منگوائے اور عرفان سے آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگی۔

احمدی بیگم نے سکینہ کو بلا کر کہا۔

"دیکھو سکینہ! زیادہ تکلف کی ضرورت نہیں۔ ہم صرف دُلہن کو دیکھنے آئے ہیں۔"

"بیگم صاحبہ! اللہ جانتا ہے کہ لڑکے کے نکاح سے زیادہ مجھ کو آپ لوگوں کے آنے سے خوشی ہوئی ہے۔"

"مقدم تو نکاح تھا، اسی سلسلے میں ہم آئے ہیں۔" زبیدہ بیگم نے کہا۔

"میں نے آپ لوگوں کے لئے چائے منگائی ہے۔"

"چائے کا تو کوئی وقت تھا نہیں۔" عبیدہ بیگم نے کہا۔

"غریبوں کے یہاں کسی چیز کا کوئی وقت نہیں ہوتا۔" سکینہ نے کہا۔ "چائے تو آپ لوگوں کو پینا ہی پڑے گی۔"

عرفان اور ممدو چائے لے آئے۔ اسی عرصہ میں احمدی بیگم، زبیدہ بیگم اور عبیدہ بیگم نے دلہن کا منہ دیکھا۔ احمدی بیگم نے اپنے کانوں سے بُندے اُتار کر دلہن کو پہنا دیئے اور پانچ روپے نقد دلہن کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ زبیدہ بیگم نے دُلہن کی اُنگلی میں انگوٹھی پہنائی اور عبیدہ بیگم نے اپنے گلے سے ہار اتار کر اس کے گلے میں ڈال دیا۔ ان

دونوں بہنوں نے بھی پانچ پانچ روپے دیئے اور چائے پی کر جانے کے لئے اٹھیں۔

احمدی بیگم نے سکینہ سے کہا۔

"سکینہ! اگر مناسب سمجھو تو روز صبح اپنی بہو کو میرے پاس پہنچا دیا کرو۔ اور شام کو لے آیا کرو۔ وہاں رہ کر اس کی طبیعت بھی نہیں گھبرائیگی اور اسلامی طور طریقے بھی سیکھ لے گی۔"

"بیگم صاحبہ! سکینہ نے بہت زیادہ متاثر ہو کر کہا۔" میں کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔ اگر آپ لوگ مجھ پر اسی طرح مہربان رہیں تو میرے بیٹے اور میری بہو کی زندگی بدل جائے گی۔"

"اللہ مسبب الاسباب ہے۔" زبیدہ بیگم نے کہا۔ "بہن نے تم سے خود کہا ہے۔ حالانکہ اسی محلے میں ایسے متعدد والدین ہیں جو اپنی لڑکیوں کو بہن کے یہاں چھوڑنا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ انکار کر دیتی ہیں۔"

"یہ میری خوش قسمتی ہے۔" سکینہ نے کہا۔ "میں نے تو بیگم صاحبہ سے آج کہہ دیا تھا کہ اب آٹھ دس روز تک۔ میں آپ ہی کے یہاں رہوں گی آپ کی خدمت کروں گی۔"

احمدی بیگم، زبیدہ بیگم اور عبیدہ بیگم سکینہ کی کوٹھری سے نکل کر افتخار صاحب کے یہاں آئیں۔ نور بانو ان کے انتظار میں شاہدہ، زاہدہ اور صبیحہ کے پاس بیٹھی ہوئی باتیں کر رہی تھیں۔ وہ سب اٹھ کر احمدی بیگم کے پاس آگئیں۔

نور بانو نے احمدی بیگم سے دریافت کیا۔

"پھوپھی اماں ——— ! دلہن کیسی ہے ؟"

"بہت اچھی ہے۔" احمدی بیگم نے کہا۔ "رنگ بھی بہت صاف ہے۔ اور ناک نقشہ کی بھی اچھی ہے۔"

"رنگ سرخ و سپید ہے۔" زبیدہ بیگم نے قدرے تفصیل کے ساتھ کہا۔ "کتابی چہرہ ہے۔ ماشاء اللہ آنکھیں بھی بڑی ہیں اور پیشانی کھلی ہوئی ہے۔"

"عمر بھی زیادہ نہیں ہے۔" حمیدہ بیگم نے اپنا برقع زاہدہ کو دیتے ہوئے کہا۔ "زیادہ سے زیادہ سترہ یا اٹھارہ سال کے لگ بھگ ہوگی۔"

"لمبے قد کی ہے۔" احمدی بیگم نے کہا۔ "اگر زبان صاف ہو جائے اور پڑھ لکھ جائے تو شریف عورتوں میں کھپ سکتی ہے۔"

نور بانو نے اس کے متعلق کچھ اور دریافت کرنے کا ارادہ کیا۔ زبیدہ نے اس کو خاموش کراتے ہوئے کہا۔

"کل صبح تمہارے یہاں آئے گی۔ جی بھر کے دیکھ لینا۔"

زاہدہ نے نور بانو سے کہا۔ "میں بھی صبح آؤں گی۔"

"شاہدہ تم بھی اپنی بھاوج کے ساتھ آنا۔" احمدی بیگم نے شاہدہ سے کہا۔ "کل تم لوگوں سے کام لیا جائے گا۔"

"خالہ جان !" شاہدہ نے کہا۔ "مجھ سے کھانا پکوا لیجئے گا۔ لیکن

سینے پرونے کا کام نہ دیجئے گا۔

"جی نہیں خالہ جان ۔" زاہدہ بول اٹھی ۔" ان کو سینے پرونے ہی کا کام دیجئے گا۔ خالہ امی آج بھی اسی لئے کہہ رہی تھیں ۔"

"دونوں بہنوں میں بحث ہونے لگی ۔" زبیدہ نے کہا ۔

"دیکھو تم دونوں پھر لڑنے لگیں ۔"

دونوں خاموش ہو گئیں ۔ احمدی بیگم نے مسکرا کر کہا ۔

بچپن میں میں بھی سینے پرونے سے بہت گھبراتی تھی ۔ اور دور بھاگتی تھی ۔ لیکن میری نانی نے مجھ کو کہہ کہہ کر اس طرف راغب کیا ۔

زبیدہ بیگم نے کہا ۔" باجی نے ان دونوں کے لئے ابتدا میں ایسے کاموں کی ضرورت نہیں سمجھی ۔"

عبیدہ نے تیوریوں پر بل ڈال کر کہا ۔

"دیدے کی صفائی تو دیکھو کہہ رہی ہیں کہ خالہ جان سینے پرونے کا کام نہ دینا ۔"

احمدی بیگم ، صبیحہ اور زبیدہ بیگم ہنسنے لگیں اور شاہدہ نے شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا ۔ احمدی بیگم نے ایک پان کھایا ۔ اور نور بانو کے ساتھ اپنے مکان پر پہنچیں ۔ طاہرہ دالان میں بیٹھی ہوئی کچھ سی رہی تھی اور حامد کمرے کے سامنے کھڑا ہوا ٹائم پیس میں کوک بھر رہا تھا ۔ احمدی بیگم نے دونوں کو بتایا کہ عرفان کا نکاح ہو گیا ہے اور وہ زبیدہ بیگم اور ان کی بہن کے ساتھ جا کر دلہن کو دیکھ آئی ہیں ۔

نور بانو نے کہا "پھوپھی اماں کہتی ہیں۔ کہ دلہن بہت اچھی ہے۔"

"ہاں ــــ! اچھے خدوخال کی ہے۔" حامد نے کہا "میں دیکھ چکا ہوں۔"

"کل یہاں آئے گی۔" احمدی بیگم نے کہا "میں نے اس کو پڑھانے اور لکھانے کا ذمّہ لیا ہے۔"

حامد اپنی والدہ کو اپنے کمرے میں لے گیا اور برات کے متعلق باتیں کرنے لگا۔ احمدی بیگم نے کہا۔

"تم کسی بات کی فکر نہ کرو۔ میں نے بھائی صاحب سے گفتگو کر لی ہے۔"

۵۳

"صبح آٹھ بجے برات دلہن کے دروازے پر پہنچ جائے گی"۔ افتخار احمد نے شفیق الرحمٰن اور وقار احمد سے کہا ـــــ نو بجے عقد نکاح ہوگا۔ اور کچھ دیر بعد دولہا اندر بلایا جائے گا۔

"تو گویا رسمیں ہوں گی ـــــ" وقار احمد نے کہا۔

"صرف چند ـــ" افتخار احمد نے کہا۔" اور وہ بھی محض عورتوں کے مجبور کرنے پر۔ اس کے بعد کھانا ہوگا اور تین بجے رخصتی ہو گی"۔

"تو گویا یہ ہے پروگرام ـــ" شفیق الرحمان نے کہا

"جی ہاں ـــــ" دوسرے روز دعوت ولیمہ ہو گی۔ اس روز چوتھی بھی ہو گی اور تیسرے روز حامد میاں کی برات آئے گی۔

وقار احمد نے کہا"۔ افتخار! واقعی مجھ کو انتہائی مسرت ہے کہ یہ تقاریب

بہت سادگی کے ساتھ ہو رہی ہیں اور اس وقت ضرورت بھی اسی کی ہے۔"
شفیق الرحمٰن نے وقار احمد سے احمدی بیگم کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"وقار! واقعی وہ ایک مثالی خاتون ہیں۔ ایک ہزار روپے ماہوار پیدا کرنے والا بھی اس قدر جہیز نہیں دے سکتا ہے"۔

"بہت گرہست اور سلیقہ مند ہیں۔" وقار احمد نے کہا۔" افتخار کی دلہن مجھ سے ان کے متعلق بہت کچھ بتا چکی ہیں"۔

وقار احمد نے کہا۔" ان کا مدرسہ دیکھ کر واقعی بہت خوشی ہوئی۔ مسلم بچیوں کے لئے اگر جا بجا ایسے ہی مدرسے قائم ہو جائیں تو بہت جلد قوم کی حالت سدھر جائے۔ میں نے سنا ہے کہ درسی کتاب پڑھانے کے ساتھ ہی وہ بچیوں کو گھر گرہستی کی تعلیم بھی دیتی ہیں"۔

"جی ہاں!" شفیق الرحمٰن نے کہا۔ اور آئندہ جولائی سے نرسری اسکول بھی کھولنے والی ہیں"۔

"قوم کو ان کی مدد کرنا چاہیئے۔" وقار احمد نے کہا۔ اگر وہ بھوپال میں ہوتیں اور ان کی اتنی شہرت ہوتی تو ریاست کی طرف سے مدرسے کے لئے نئی عمارت تعمیر کرادی جاتی اور ان کی تنخواہ مقرر ہو جاتی"۔

"حیدر آباد میں تو ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا اور بہت جلد لاکھوں روپیہ جمع ہو جاتا"۔

"میں دونوں تقاریب کے سلسلے میں مدرسے کو ایک ہزار کا عطیہ دونگا

افتخار احمد نے کہا " نرسری اسکول کے لئے کم از کم پانچ ہزار کا فنڈ ضروری ہے ۔"

" کچھ روپے جمع ہو رہے ہیں ۔" وقار احمد نے پوچھا ۔

" جی ہاں ۔۔۔ دو ہزار سے زائد کی رقم جمع ہے ۔" افتخار احمد نے کہا ۔

" دہلی کے ایک تاجر نے بھی ایک ہزار کی رقم دینے کا وعدہ کیا ہے ۔"

یہاں دس بیس ہزار کی رقم آسانی کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے ۔" شفیق الرحمٰن نے کہا " دہلی کے مسلمانوں میں بھی بیداری کی لہر دوڑ رہی ہے ۔"

" لیکن دہلی کے مسلمانوں کی اکثریت قدامت پسند ہے ۔" افتخار احمد نے کہا " ان میں دینی مسائل پر بہت زیادہ اختلافات ہیں ۔ اہل حدیث اور سنت والجماعت میں برابر چلتی رہتی ہے ۔ ایک دوسرے کے خلاف کتابچے شائع کرتے رہتے ہیں ۔ اور کبھی کبھی پوسٹر بازی تک نوبت آجاتی ہے ۔"

" علما کا فرض ہے کہ وہ اس جنگ کو ختم کرائیں ۔" وقار احمد نے کہا

" راہ سے نابلد ہیں خود رہبر ۔۔۔" افتخار نے کہا ۔

" واقعی ۔۔۔ ! اگر ہمارے علماء مسلمانوں کی اصلاح کے لئے میدان عمل میں آئیں تو حالات سدھر سکتے ہیں ۔"

" علماء سے توقع رکھنا فضول ہے ۔۔۔" افتخار احمد نے کہا ۔ وہ لیڈری کے چکر میں پھنسے ہوئے ہیں ۔ اور مذہب سے زیادہ سیاست میں دلچسپی لے رہے ہیں ۔"

" یہ سب تعلیم کی کمی کا نتیجہ ہے ۔" شفیق الرحمٰن نے کہا " تعلیم یافتہ

مسلمانوں کے تناسب کا اوسط برابر گرتا جا رہا ہے۔"

افتخار احمد نے کہا۔" اس محلے میں سترہ ایسے نوجوان ہیں جن کو اس وقت کسی کالج یا یونیورسٹی میں ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن وہ تمام دن چائے خانوں میں بیٹھے رہتے ہیں۔ یا پھر گلیوں کے موڑ پر یا کسی دوکان کے سامنے کھڑے ہو کر ادھر سے گزرنے والی عورتوں پر فقرے چست کرتے ہیں۔"

" واقعی مسلمانوں کی حالت قابل رحم ہے۔" وفا احمد نے کہا۔" بھوپال میں بھی یہی حالت ہے۔ وہاں دس پندرہ نوجوان بھی تعلیم یافتہ نہیں ہیں۔ لیکن غنڈہ گردی میں ستر اور اسّی فی صد نظر آتے ہیں۔ سینما گھروں کی رونق ان ہی کے دم سے ہے۔ اور بازاری عورتیں انہی کی وجہ سے اپنی روزی کما رہی ہیں۔"

" آخر اس کا انجام کیا ہوگا۔"

" جو آج تک ایسی غافل اقوام کا ہوا ہے۔" افتخار احمد نے کہا۔

" مسلمانوں پر بھی قہر نازل ہوگا۔ اور یاد رکھیئے کہ وہ ذلیل و خوار ہونگے۔"

" لیکن سب مسلمان تو ایسے نہیں ہیں؟" شفیق الرحمٰن نے کہا۔

" ٹھیک ہے۔" افتخار احمد نے کہا۔" میں آپ کی تائید کرتا ہوں لیکن آپ نے یہ مثل بھی سنی ہوگی کہ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پستا ہے۔"

وہ لوگ بہت دیر تک اسی موضوع پر تبادلہ خیال کرتے رہے۔ افتخار احمد دوپہر کا کھانا کھا کر اعجاز کے ساتھ کہیں چلے گئے۔ ایک دو بجے احمدی بیگم زبیدہ بیگم کے پاس آئے۔ اور اُن کے کمرے میں بیٹھ کر ان سے باتیں

کرنے لگے۔ زبیدہ نے کہا۔

"بیوی نذر تو ناچ اور گانے کے لئے بھی زور دے رہی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ کم از کم ایک طائفہ تو ضرور ہونا چاہیئے۔"

احمدی بیگم نے ہنس کر کہا "میں ان کو سمجھا دوں گی۔"

"باجی نے ان کو سمجھا تو دیا ہے۔ لیکن آج صبح وہ اپنے بھائی سے پھر اسی سلسلے میں کہہ رہی تھیں۔"

"بھائی صاحب، ماشاء اللہ بہت بلند نظر ہیں" احمدی بیگم نے کہا۔

"وہ ایسی لغویتوں کی اجازت نہ دیں گے۔"

"آج پانی پت کے مہمان بھی آجائیں گے۔"

"میری خالہ زاد بہن اور ان کے بال بچے بھی اس وقت آگئے ہیں۔"

"میں نے تو فیصلہ کر لیا ہے کہ اپنے ہر رشتہ دار سے مدرسے کے لئے اس کی شادی کے تحفے کی مناسبت سے عطیہ لوں گی۔"

"بہن میں سچ کہہ رہی ہوں۔ میں نے بھی یہی فیصلہ کیا ہے۔ اور اپنے رشتہ داروں سے قبل از وقت کہہ دیا ہے کہ وہ خواہ میری طاہرہ کو کچھ نہ دیں۔ لیکن مدرسے کی اعانت کریں۔ سنا ہے کہ بھائی ان شادیوں کی خوشی میں ایک ہزار کی رقم مدرسے کو بطور عطیہ دینگے۔"

"خیال تو ہے" زبیدہ بیگم نے کہا۔

"نور بانو نے بھی ایک منصوبہ بنایا ہے" احمدی بیگم نے کہا۔

"لیکن ابھی تک کسی پر ظاہر نہیں کیا ہے۔"

"وہ ان باتوں میں بہت تیز ہے۔"

"کل سے مدرسہ ایک ہفتہ کے لئے بند کر دیا گیا ہے۔" احمدی بیگم نے کہا۔ "صبیحہ نے شاید آپ کو بتایا ہو گا۔"

"ضرور بتایا ہو گا۔ لیکن آج کل کوئی بات یاد ہی نہیں رہتی ہے۔"

احمدی بیگم، زبیدہ بیگم سے آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگیں۔ کچھ دیر بعد عبیدہ بیگم بھی آگئیں اور دونوں ان کے ساتھ ان کے یہاں چلی گئیں۔

شادی کی تاریخ سے ایک روز قبل ہی احمدی بیگم کا گھر مہمانوں سے بھر گیا۔ اور انہوں نے مدرسے کی مجلس انتظامیہ سے اجازت لے کر مدرسہ کے چار کمروں میں بھی مہمانوں کو ٹھہرایا۔ رات کو مدرسے کے شہ نشین میں حامد اور منہاج اور اس کے دیگر رشتہ داروں اور دوستوں کے جو تحائف اس وقت تک آچکے تھے۔ ان کو علیحدہ میزوں پر قاعدے سے لگا کر ہر تحفے پر تحفہ دینے والے کا نام اور پتہ لکھ دیا۔ حاجی صاحب کے مکان میں باورچی کھانا پکانے میں مصروف تھے۔ حامد تین بجے کے قریب کچھ دیر کے لئے لیٹا اور چند گھنٹے بعد بیدار ہو کر برات ٹھہرانے کی بارگاہ کے انتظامات میں مصروف ہو گیا۔

آٹھ بجے برات آئی۔ حامد اور اس کے رشتہ داروں اور دوستوں نے دولہا اور براتیوں کا استقبال کیا۔ اور ان کو بارگاہ میں بٹھایا۔ نو بجے نکاح ہوا۔ دس بجے دولہا کو اندر بلایا گیا اور ایک گھنٹہ بعد وہ بارگاہ میں آیا۔ بارہ بجے سے کھانا شروع ہوا اور ڈھائی بجے تک اس کا سلسلہ

جاری رہا۔ افتخار احمد کے قریب ترین رشتہ داروں یعنے اظہار۔ صغریٰ بیگم اور شفیق الرحمٰن وغیرہ نے اپنے تحائف اور جہیز میں دینے والی چیزیں شام ہی کو احمدی بیگم کے حوالے کر دی تھیں۔

جہیز دیکھ کر براتیوں اور مہمانوں کی آنکھیں حیرت سے کھلی رہ گئی تھیں۔ گھریلو استعمال کی کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو جہیز میں نہ دی گئی ہو جہیز میں قیمتی صوفے سے لے کر روپے بیس آنے والی ٹین کی انگیٹھی بھی تھی۔ زیورات میں دو سیٹ تو مکمل تھے۔ ان کے علاوہ درجن انگوٹھیاں ایک مرصع دست بند اور چند قیمتی زیورات تھے۔

رخصتی سے قبل طاہرہ کے عزیز اور رشتہ دار اس سے ملنے گئے۔ احمدی بیگم اپنی بیٹی کے پاس کھڑی ہوئی تھیں۔ اس وقت وہ بہت پُرسکون اور مطمئن نظر آرہی تھیں۔ رخصتی کے وقت عام طور پر مائیں رو رو کر برا حال کر لیتی ہیں۔ لیکن ان کے لبوں پر ملکوتی تبسم رقص کرتا ہوا نظر آرہا تھا۔ سب سے پہلے حامد ملنے آیا۔ بہن اور بھائی ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔ طاہرہ غیر کی ہو چکی تھی اور کچھ دیر بعد اپنے نئے گھر جانے والی تھی۔ احمدی بیگم ہمیشہ اپنے بچوں کو صبر کی تلقین کرتی رہتی تھیں۔ لیکن اس کے باوجود حامد اور طاہرہ بلک بلک کر رونے لگے۔ احمدی بیگم نے اپنے بچوں کو روتا ہوا دیکھا۔ اور ان کا چہرہ بھی لال بھبھوکا اور لب مرتعش ہو گئے۔ لیکن انہوں نے زبان سے اُف تک نہ کی۔ اور ان کو اس طرح دیکھتی رہیں گویا خود

اپنے بچوں کو سمجھانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ کچھ دیر بعد سبیل اور نور بانو نے حامد کو طاہرہ سے جدا کیا اور منہاج اس کے پاس پہنچا۔ وہ بھی اپنی پھوپھی زاد بہن کے شانے پر ہاتھ رکھ کر سسکیاں لینے لگا۔ اس کے بعد سراج اور تاج آئے۔ طاہرہ اسی طرح روتی رہی۔ مردوں کے جانے کے بعد عورتیں طاہرہ سے مل کر روتی اور اس کو صبر کی تلقین کرتی رہیں سب سے آخر میں سبیل نے احمدی بیگم کو طاہرہ کے پاس بٹھایا۔ اس نے ماں کو دیکھا اور ان کی گود میں شیر خوار بچوں کی طرح چہرہ چھپا کر رونے لگی۔

احمدی بیگم بھی یارائے ضبط نہ رہا ان کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے آج ان کی پالی پوسی طاہرہ ان سے رخصت ہو رہی تھی۔ انہوں نے ایک ہلکی سی سسکی لے کر خود کو سنبھالا اور اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر اس کو سمجھاتے ہوئے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"بیٹی! تم رو رہی ہو۔ حالانکہ خدا شاہد ہے کہ میں خوش ہوں۔ کہ آج میں اپنے فرض سے ادا ہو گئی۔ میں نے تمہاری پرورش اور پرداخت میں دوہرا کردار ادا کیا ہے۔ یعنی ایک مامتا بھری ماں کا کردار بھی اور شفیق باپ کا بھی۔"

وہ چند منٹ کے لئے خاموش ہوئیں اور انہوں نے اپنی بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ تم کو جہیز میں ہر وہ چیز دی گئی ہے

جس کی زندگی میں لڑکی کو ضرورت پڑتی ہے۔ پہلے انسان کی ضروریات محدود ہوتی تھیں۔ اس لئے جہیز میں بھی چند ہی چیزیں دی جاتی تھیں تم کو معلوم ہے کہ ہمارے نبی کریم صلعم نے اپنی لخت جگر حضرت فاطمہ زہرا کو کیا دیا تھا۔ لیکن "۔

انہوں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔

" اب ہماری ضروریات لامحدود ہو چکی ہیں اور معاشرتی توازن برقرار رکھنے کے لئے ہم کو تصنّع سے بھی کام لینا پڑتا ہے۔ تم کو جو کچھ ملا ہے وہ بہت زیادہ ہوتے ہوئے بھی جدید معاشرتی نقطۂ نظر سے کم ہے یا یوں سمجھ لو کہ ایک ماں کے نقطۂ نظر سے کم ہوتے ہوئے بھی بہت زیادہ ہے۔ اس میں ملبوسات بھی ہیں اور زیورات بھی لیکن ایک زیور کے سامنے وہ سب ہیچ ہیں اور وہ زیور ہے اپنے شوہر اور اس کے رشتہ داروں سے تمہارا برتاؤ۔ اور اس گھر میں تمہارا رکھ رکھاؤ جہاں تم کو اپنی عمر گزارنا ہے"

ان کی کپکپاتی ہوئی آواز گلوگیر ہو گئی۔ ان کی طاقت پھر جواب دے گئی اور انہوں نے یکایک بیٹی سے لپٹ کر چیخ ماری اور بیہوش ہو گئیں۔

سبل نور بانو اور شاہدہ نے ان کو سنبھال لیا اور باہر صاف و تازہ ہوا میں لے گئیں۔ کچھ دیر بعد ان کو ہوش آیا اور وہ اٹھ کر اپنی بیٹی کے پاس آئیں۔ اور ایک گھنٹہ بعد اس کو رخصت کر دیا۔

گھر سے زندہ لاش نکلی تھی۔ طاہرہ ہمیشہ کے لئے دوسرے کی

ہو چکی تھی۔ اس کی جدائی پر وہ جس قدر بھی غم کرتیں، کم تھا۔ لیکن ان کو ایک روز بعد ہی حامد کو دولہا بنانا تھا اور گھر کے کاموں میں مصروف ہو گئیں۔ اور دوسرے روز اپنے رشتہ داروں کے ساتھ دعوت ولیمہ میں شریک ہوئیں۔ حسب توفیق جو دینا تھا داماد کو دیا۔ اور لڑکی کو لے کر واپس آ گئیں۔ شام ہی کو چوتھی ہوئی اور طاہرہ پھر اپنی سسرال چلی گئی لیکن علی الصبح اپنے بھائی کو دولہا بنانے کے لئے اور دولہا کی بہن کی حیثیت سے برات کے ساتھ گئی۔

پروگرام کے مطابق نکاح کے بعد کھانا ہوا۔ عورتوں نے مراسم ادا کئے اور مہمانوں نے جہیز دیکھا۔ افتخار احمد نے دو بڑے کمرے جہیز کے لئے مخصوص کر دیئے تھے۔ ایک کمرے میں طاہرہ کا جہیز رکھا ہوا تھا اور دوسرے کمرے میں صبیحہ کا جہیز تھا۔ اور مہمانوں کو یہ دیکھ کر تعجب ہو رہا تھا کہ دونوں جہیز یکساں تھے۔ کسی میں ایک کٹورے یا ایک طشتری کی بھی کمی بیشی نہیں تھی۔ اگر ایک کمرے میں طاہرہ کا جہیز مہمانوں کو دکھانے کے لئے نہ رکھا ہوتا تو صبیحہ کا جہیز دیکھ کر مہمان یہی سمجھتے تھے کہ اس کے والدین نے طاہرہ کا جہیز اس کو دیدیا ہے۔

حامد صبیحہ کو رخصت کرا کے اپنے مکان لے آیا اور دوسرے روز رفقاء اور ان کے رشتہ دار دعوت ولیمہ میں آئے اور حامد کی دلہن کو وہی تحفے اور تحائف دیئے جو دو روز قبل طاہرہ کو ملے تھے۔ حامد کو سلام کرائی میں ایک ہزار سات روپے اور چاندی کی بائیس طشتریاں ملی

تھیں۔ احمدی بیگم کے اشارے پر وہ رقم اس نے اسی وقت مدرسہ کے فنڈ میں دے دی۔ افتخار احمد نے بھی اسی وقت ایک ہزار نقد مدرسہ کو دیئے۔ اور اعجاز نے بھی سلام کرائی میں ملنے والی رقم مدرسہ کے فنڈ میں دے دی۔

زبیدہ بیگم نے صبیحہ کی چوتھی کے روز اپنے رشتہ داروں سے مدرسے کی امداد کے لئے ایک ہزار دو سو روپے کی رقم بطور عطیات وصول کی تھی۔ وہ مدرسے کے خزانچی عبدالسلام صاحب کے حوالے کر دی۔ احمدی بیگم نے بھی اپنے رشتہ داروں سے پندرہ سو کی رقم اسی طرح وصول کر کے فنڈ میں داخل کر دی۔

صبیحہ اور حامد کی شادی کے تین روز بعد مدرسہ کی مجلس انتظامیہ کی طرف سے ان تقریبات کی خوشی میں دونوں نئے شادی شدہ جوڑوں کو دعوت عصرانہ دی گئی۔ خواتین اور طالبات نے دونوں دلہنوں کا مدرسہ میں شاندار استقبال کیا۔ لڑکیوں نے علامہ اقبال مرحوم کا قومی ترانہ گایا۔ اس کے بعد سہرے اور مبارکبادیاں پڑھی گئیں۔ اور لڑکیوں نے دونوں کو شادی کے تحائف دیئے۔

مردوں کے لئے حامد کے مکان میں انتظام کیا گیا تھا۔ حاجی صاحب اور مجلس انتظامیہ کے دیگر اراکین نے حامد اور اعجاز کا استقبال کیا اور اس مبارک موقع پر شفیق الرحمن، افتخار احمد اور محلے کے ایک بزرگ حاجی عبدالرحیم صاحب نے مدرسہ کی خدمات کا اعتراف کرتے

ہوئے اس کی خصوصیات پر تقریریں کر کے حاضرین سے استدعا کی کہ وہ مدرسہ کی اعانت کریں تاکہ اس میں زیادہ سے زیادہ لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام کیا جاسکے۔ اس موقع پر بھی زنانہ اور مردانہ مجالس میں ڈھائی تین ہزار روپیہ جمع ہو گیا۔ اور اس سے زیادہ کے وعدے ہوئے۔ حاجی عبدالرحیم صاحب کا ایک مکان مدرسہ کی عمارت سے ملحق تھا۔ صرف درمیان میں دیوار تھی۔ وہ حاجی کی دوکان کے گودام کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ انہوں نے مدرسہ کی توسیع کے منصوبے کے پیش نظر وہ مکان مدرسہ کو دے دیا۔

عصرانہ سے قبل ہر دو مجالس میں احمدی بیگم کا شکریہ ادا کیا گیا کیونکہ یہ ان ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ عصرانہ کے اختتام پر احمدی بیگم نے طالبات اور دیگر خواتین کو اپنی مختصر تقریر میں دینی تعلیم کے فوائد سمجھائے اور مغرب سے قبل عصرانہ ختم ہو گیا۔

رات کو سنبل نے سلطانہ، نوریانو، صبیحہ، طاہرہ، شاہدہ اور زاہدہ کو احمدی بیگم کے یہاں کھانے پر مدعو کیا تھا۔ حامد، اعجاز، منہاج اور عتیق وغیرہ بھی اس موقع پر موجود تھے۔ کھانے کے بعد سب میں مدرسے کو ترقی دینے اور بڑھانے کے پہلوؤں پر تبادلہ خیال ہوا اور مجلس انتظامیہ کے سامنے پیش کرنے کے لئے چند تجاویز منظور ہوئیں۔

حامد نے رات کو خلوت میں اپنی عروس سے کہا۔

"صبیحہ! اب تم اور طاہرہ مدرسہ کو ترقی دو اور مدرسہ کے لئے

اپنا زیادہ سے زیادہ وقت دو۔"

"میں نے خود بھی یہی فیصلہ کیا ہے۔ اور دلہن بھابی کا بھی یہی خیال ہے۔" "یعنی اب تم طاہرہ کو دلہن بھابی کہنے لگی ہو۔" حامد نے مسکرا کر دریافت کیا۔

"جی ہاں ۔۔۔ کیوں ۔۔۔ کیا وہ بھائی جان کی دلہن نہیں ہیں؟"

"ہیں تو ۔۔۔" حامد نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن تم بھی تو ان کے بھائی جان کی دلہن ہو۔"

اس نے صبیحہ کی ٹھوڑی پکڑ کر اس کا چہرہ اٹھایا۔ صبیحہ نے شرما کر آنکھیں بند کر لیں۔ اور جب حامد نے آنکھیں کھولنے پر اصرار کیا اور اس کو گدگدانے لگا تو اس نے موقع پا کر سرہانے لٹکتا ہوا سبز قمقمے کا بٹن دبا دیا۔

ختم شد